# نظامی بنسری

حضرت خواجہ محبوب الٰہی سلطان نظام الدین اولیاءؒ کی سوانح عمری


تصنیف : راجکمار ہردیو

ترجمہ : خواجہ حسن نظامی

تلخیص : ڈاکٹر محمود الرحمٰن



دوست پبلی کیشنز ۔ اسلام آباد

ضابطہ

ISBN: 969-496-111-4

| | | |
|---|---|---|
| کتاب | : | نظامی بنسری |
| تلخیص | : | ڈاکٹر محمود الرحمٰن |
| موسم اشاعت | : | ۲۰۰۰ء |
| سرورق | : | خالد رشید |
| مطبع | : | ورڈ میٹ' اسلام آباد |
| قیمت | : | 150.00 روپے |

دوست پبلی کیشنز 8اے' خیابان سہروردی' پوسٹ بکس نمبر 2958' اسلام آباد

سلسلۂ نظامیہ کے رکن رکین

حضرت امیر خسروؒ

کے نام!

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا
ملا یہ جس کے توسل سے آستاں مجھ کو

علامہ اقبال

# التجائے مسافر

## (بہ درگاہ حضرت محبوبؒ الٰہی، دہلی)

## علامہ اقبال

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا　　بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم　　نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی　　مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی　　بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہارِ توام

چمن کو چھوڑ کے نکلا ہوں مثلِ نکہتِ گل　　ہوا ہے صبر کا منظور امتحاں مجھ کو
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے　　شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں　　تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے　　کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دکھے　　کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر　　تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

علامہ اقبال یکم ستمبر ۱۹۰۵ء کو حصول تعلیم کے لئے لاہور سے یورپ روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچ کر ۲ ستمبر کو خواجہ حسن نظامی کے ہمراہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے مزار مبارک پر حاضری دی اور یہ نظم پڑھ کر سنائی۔ یہ نظم علامہ کے پہلے مجموعۂ کلام "بانگ درا" میں شامل ہے۔

# ترتیب

| | |
|---|---|
| تقدیم | ۹ |
| ریاست دیوگیر پر علاؤ الدین کا حملہ | ۱۷ |
| جاسوسی | ۲۰ |
| حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ | ۲۷ |
| امیر خسروؔ کے مہمان | ۳۱ |
| سیدی مولا کی کہانی | ۳۴ |
| دلی کا بازار | ۳۸ |
| حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی کرامت | ۴۲ |
| چشتیہ سلسلہ کی وجہ تسمیہ | ۴۵ |
| حضرت محبوب الٰہی کا حال | ۴۸ |
| حضرت کے بچپن کے واقعات | ۵۱ |
| دکھ بھری کہانیاں | ۵۷ |
| صبح کی باتیں | ۶۲ |
| حضرت چراغ دہلی کا عارفانہ کلام | ۶۷ |
| شیخ نصیر الدین محمود کا ذکر | ۷۱ |
| بارہ لائیو رام منائیو | ۷۳ |
| قطب صاحب کے مزار پر | ۷۵ |
| طرغی مغل کا حملہ | ۷۷ |

| | |
|---|---|
| موتیوں کے تھال | ۸۴ |
| حضرت کی عارفانہ باتیں | ۸۶ |
| حضرت کے پیروں کا حال | ۸۸ |
| حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | ۹۴ |
| حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکر | ۹۸ |
| کرامت کا رومال | ۱۱۱ |
| ہندو مہمان | ۱۱۶ |
| ایک نومولود بچہ | ۱۲۰ |
| کرمانی خاندان | ۱۲۱ |
| اردو کی بنیاد | ۱۲۶ |
| قبول اسلام | ۱۲۹ |
| چالیس دن بعد | ۱۳۱ |
| مجھ اور مخلوق | ۱۳۵ |
| دربار میں طلبی | ۱۳۹ |
| بادشاہ سے ملاقات | ۱۴۳ |
| بسنت | ۱۴۶ |
| ملک کافور ہزار دیناری کا بلاوا | ۱۵۱ |
| قوالی کے آداب و شرائط | ۱۵۴ |
| ایک سال بعد | ۱۵۶ |
| قطب الدین خلجی کی بدچلنی | ۱۵۸ |
| شیخ رکن الدین ملتانی کی آمد | ۱۶۲ |
| ہجرت نبوی کا روحانی سبب مخالف مشائخ | ۱۶۷ |
| قطب الدین خلجی کا خط | ۱۶۹ |
| شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال | ۱۷۱ |
| بادشاہ کا قتل | ۱۷۴ |
| ہردیو کی واپسی | ۱۷۸ |

| | |
|---|---|
| علم جفر کی علم | ۱۸۲ |
| مجلس سما پر حملہ | ۱۸۷ |
| قاضی ضیاء الدین کی بیماری اور موت | ۱۸۹ |
| شریعت کا دربار | ۱۹۱ |
| رات کی مجلس | ۱۹۶ |
| امیر خسرو کی بیعت کا واقعہ | ۱۹۸ |
| خانقاہ میں ولیعہد کی حاضری | ۲۰۲ |
| بادشاہ دکن کی آمد | ۲۰۴ |
| اشرفیوں کی ہنڈیا | ۲۰۶ |
| ولیعہد کا دربار | ۲۰۸ |
| باؤلی بنانے کا حکم | ۲۰۹ |
| بادشاہ کے احکامات | ۲۱۳ |
| پانی روشن ہوگیا | ۲۱۵ |
| بادشاہ کی آمد | ۲۱۷ |
| بادشاہ کے مرنے کی اطلاع | ۲۱۹ |
| حضرت نے شادی کیوں نہیں کی | ۲۲۰ |
| بادشاہ کی بیٹی سے ہردیو کی منسوب | ۲۲۳ |
| جانشین | ۲۲۵ |
| آخری ایام | ۲۲۶ |
| وصال | ۲۳۰ |
| سوئم کی فاتحہ | ۲۳۴ |
| کرامت سلب کرلی | ۲۳۶ |

# تقدیم

یہ انیس سو بیاسی کی بات ہے۔ میں ان دنوں سعودی عرب کے ایک شہر الخبر میں مقیم تھا۔ میں جس کمرے میں رہائش پذیر تھا' اس کے ساتھ والے کمرے میں لاہور کے شیخ ثناء اللہ اور ان کے ایک ساتھی رہتے تھے جن کا تعلق کراچی سے تھا۔ اول الذکر یار باش آدمی تھے اور جمعرات کی شام دوستوں کے پاس دمام چلے جاتے اور ایک دو روز کے بعد واپس آتے۔ کراچی والے صاحب مذہبی مزاج کے آدمی تھے' لہٰذا ان کا زیادہ وقت دفتری مصروفیات کے بعد ذکر و فکر میں گزرتا۔

ایک دن' بعد نماز مغرب میں ان کے کمرے میں اس خیال سے چلا گیا کہ وہ تنہا ہوں گے۔ لہٰذا گپ شپ کرکے دونوں اپنی بوریت دور کریں گے۔ وہ صاحب مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خاطر تواضع کے بعد کہنے لگے:

"ڈاکٹر صاحب! میں ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں اپنی والدہ کے ہمراہ بچپن سے کلفٹن حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کے روضے پر جایا کرتا تھا۔ مگر اب میں نے جانا موقوف کردیا ہے۔"

"وہ کیوں؟" میں نے سبب دریافت کیا۔

"میں مزار اور اس کے احاطے میں طرح طرح کے خرافات دیکھتا ہوں۔ کوئی دھمال کر رہا ہے' کوئی رقص میں محو ہے' کوئی بھنگ پی رہا ہے' کوئی ناشائستہ حرکتیں کر رہا ہے۔ وہاں کوئی چرسی ہے' کوئی جواری ہے۔ کیا اللہ کے ولی کے اردگرد ایسے ہی بدقماش قسم کے لوگ اکٹھا ہوتے ہیں۔ کیا یہی روحانی ماحول ہے......."

وہ صاحب جذبات کی رو میں نہ جانے کیا کیا کہے چلے جا رہے تھے۔ میں دم بخود تھا کہ آج انہیں کیا ہوگیا ہے۔ آخر دل کا غبار نکالنے کے بعد موصوف نے مجھ سے ایک عجیب و غریب سوال کیا:

"ڈاکٹر صاحب! آپ مجھے جواب دیں کہ یہ اللہ کے ولی ہیں تو ان خرافات کو کیوں نہیں روکتے۔ ان کے روضے پر یہ سب کیا ہوتا رہتا ہے؟"

میں یہ سوال سن کر سناٹے میں آگیا۔ جواب دینا آسان نہ تھا۔ میں نے کراچی والے صاحب کو کہا:

"بھائی میرے! آپ کا یہ سوال نہایت اہم ہے۔ مجھے اس پر غور کرنے کا موقع دیں۔"

"مجھے ہر صورت میں کل جمعہ کی صبح یہ جواب چاہیے۔" ان صاحب نے اپنے دل کی بات اس طرح کی جیسے مجھے چیلنج کر رہے ہوں۔ میں ان کے کمرے سے بوجھل قدموں اور محزوں دل کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس آیا۔ نہ رات کا کھانا کھانے کو جی چاہ رہا تھا نہ سیر کو۔ اپنے ماؤف ذہن کو سکون بخشنے کے لیے مطالعہ کو ترجیح دی۔ کونے میں لکھنے پڑھنے کی ایک میز تھی۔ اس پر انگریزی' اردو' عربی وغیرہ کے کتب و رسائل رکھے ہوئے تھے۔ میں نے الل ٹپ ایک رسالہ اٹھایا اور مسہری پر لیٹ گیا۔ سرہانے رکھے ہوئے ٹیبل لیمپ کو آن کیا اور ہاتھ میں موجود رسالے پر نظر ڈالی۔

یہ لاہور کا ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" تھا۔ میں نے بے خیالی میں اوراق پلٹے۔ایک صفحے پر نظر ٹھہری۔ لکھا تھا: "شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔" موضوع اپنے مطلب کا تھا چنانچہ بہ رضا و رغبت پڑھنے لگا۔ ایک دو صفحہ ہی پڑھا تھا کہ آگے کی عبارت نے میری روح کو جھنجھوڑ دیا۔ لکھا تھا:

اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنے دادا کے تعمیر کردہ مدرسۂ رحیمیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ دور دراز سے طلباء اسلامی تعلیم کے حصول کے لئے آیا کرتے۔ ایک روز دس بارہ سال کا ایک دیہاتی لڑکا مدرسے میں آیا اور شاہ صاحب کے پاس پہنچ کر یوں عرض گزار ہوا:

"میں یوپی کے ایک گاؤں سے آیا ہوں۔ میری والدہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ التجا کی ہے کہ اپنے مدرسے میں مجھے داخل کر کے تعلیم و تربیت کا انتظام کردیں۔ میرے والد کا انتقال ہوچکا ہے۔ کوئی ہم لوگوں کا پرسان حال نہیں۔والدہ سوت کات کر بڑی مشکل سے گھر کا

خرچ چلاتی ہیں۔ ان کے لئے میری پڑھائی کا انتظام ناممکن تھا۔"

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس بچے کو مدرسے میں داخل کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد وہی دیہاتی لڑکا شاہ صاحب کے پاس آیا۔ آپ نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ فرمایا:

"صاحبزادے! خیر تو ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں؟"

لڑکے نے نہایت مودب انداز میں جواب دیا:

"حضرت! ہر طرح خیر ہے۔ البتہ آپ سے ایک اجازت لینے آیا ہوں۔"

"میاں! کیسی اجازت؟"

لڑکے نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا:

"جب میں گاؤں سے چلا تھا تو اماں نے ایک ہدایت کی تھی کہ جب دلی کے قریب بستی نظام الدین میں حضرت محبوب الٰہیؒ کا عرس ہو تو تم ضرور جانا اور وہاں میری طرف سے فاتحہ پڑھنا۔"

"لاحول ولا قوۃ" حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ناراضگی سے کہا۔

"صاحبزادے! یہ کیا خرافات بک رہے ہو۔ مزار پر جانا شرک ہے۔ تم دینی تعلیم حاصل کرنے یہاں آئے ہو یا بدعتی بننے۔"

مگر وہ لڑکا ٹس سے مس نہیں ہوا۔ دیہات کا رہنے والا تھا۔ پہلی بار شہر آیا تھا۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ بستی نظام الدین میں حضرت سلطان المشائخؒ کے عرس کے موقع پر میلہ بھی لگتا ہے۔ وہ سیر سپاٹا کرنا چاہ رہا تھا۔ اور پھر ماں کی ہدایت بھی اسے اچھی طرح یاد تھی۔ چنانچہ شاہ صاحب کی بڑی منت سماجت کی مگر آپ کسی طرح اپنے ایک شاگرد کو مزار پر جانے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔

آخر وہ کمسن دیہاتی لڑکا زار و قطار رونے لگا۔ شاہ صاحب نے وجہ پوچھی۔ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا:

"میں جب گھر جاؤں گا تو اماں کو کیا جواب دوں گا۔"

آخر شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا دل پسیج گیا۔ بچے سے زچ ہو کر کہا:

"بابا! رونا بند کر۔ کل چلے جانا۔ مگر ہاں، جانے سے پہلے مجھ سے مل لینا۔"

لڑکے کی تمنا بر آئی۔ خوشی خوشی اقامت گاہ چلا گیا۔ دوسرے دن صبح سویرے تیار ہو کر شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت کسی تحریری کام میں مصروف تھے۔ بچے کو دیکھا۔

خاموشی سے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کچھ لکھا اور بچے کو یہ کہہ کر دیا:

"جب فاتحہ پڑھنے مزار پر جانا تو یہ کاغذ اسی مزار پر رکھ دینا۔"

لڑکے کو بھلا کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اس نے شاہ صاحب سے کاغذ کا وہ ٹکڑا لیا' جیب میں رکھا اور یہ جا وہ جا۔ بستی نظام الدین پہنچ کر تمام دن میلے کی سیر کرتا رہا۔ جب عصر کا وقت ہوا تو اسے فاتحہ پڑھنے کا خیال آیا۔ پھر واپس بھی جانا تھا۔ چنانچہ مزار کی طرف چلا گیا۔

مزار کے قریب درخت کے نیچے اسے ایک بزرگ بیٹھے دکھائی دیے۔ لڑکا ان کے پاس سے گزر کر جب مزار کی طرف بڑھا تو اسے ایک کڑک دار آواز سنائی دی:

"اے لڑکے! کہاں جاتا ہے؟...... ادھر آ۔"

لڑکے نے مڑ کر دیکھا۔ وہ بزرگ یہ الفاظ کہہ رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ ان سے میرا کیا واسطہ۔ اور وہ مزار کی طرف بڑھا۔ آواز پھر آئی:

"لڑکے! میں تجھے بلا رہا ہوں اور تو سنتا نہیں۔ ادھر آ۔"

اب تو دیہاتی لڑکا بہت ڈرا۔ سہما سہما درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے بابا کے پاس پہنچا۔ انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"نکال' نکال! کہاں ہے وہ ملّا کا خط۔ نکال۔"

لڑکا دل میں بہت حیران ہوا کہ انہیں شاہ عبدالعزیزؒ کے خط کا پتہ کیسے چل گیا۔ میرے اور شاہ صاحب کے سوا اس کا علم کسی کو بھی نہیں! وہ بزرگ تھے کہ بار بار انگلیوں سے اشارہ کرکے خط مانگ رہے تھے۔ چنانچہ لڑکے نے جیب سے خط نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ مذکورہ بزرگ نے خط کھول کر پڑھا۔ چہرے پر جلال کا رنگ نمایاں ہوا۔ پاس ایک تھیلا پڑا ہوا تھا۔ اس سے قلم' دوات اور کاغذ نکالا۔ پھر کوئی چیز تحریر کی اور کاغذ تہہ کرکے بچے کو دیا:

"لے یہ کاغذ! جب واپس مدرسے پہنچنا تو اسے ملّا کو دے دینا۔"

مدرسۂ رحیمیہ کے نوخیز دیہاتی طالب علم نے ان بزرگ سے خط لے کر جیب میں رکھا۔ اسے کچھ سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ محبوب الٰہیؒ کے مزار پر گیا۔ ماں کا سلام عرض کیا' فاتحہ پڑھی اور واپس دہلی چلا گیا۔

جب مدرسہ کے احاطے میں پہنچا' رات ہو چکی تھی۔ وہ سیدھا شاہ عبدالعزیزؒ کی اقامت گاہ آیا۔ آپ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ طالب علم نے اجازت لی اور سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ شاہ صاحب نے اسے دیکھا تو بہت حیران ہوئے۔ سوچا کچھ معاملہ ضرور ہے۔ انہیں اپنا

بھیجا ہوا خط یاد آیا۔ لڑکے نے اسی دوران اپنی جیب سے بزرگ کا دیا ہوا کاغذ نکالا اور مدرسۂ رحیمیہ کے مہتمم اعلیٰ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر ساری روداد بلاکم و کاست بیان کردی۔

آپ نے شمع کی لو تیز کی اور اس کی دودھیا روشنی میں بستی نظام الدین سے آیا ہوا خط پڑھنے لگے۔ چہرے پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ بار بار پڑھتے تھے اور مسکراتے تھے۔ ادھر طالب علم حیران کہ معاملہ کیا ہے۔ کیا وہاں گیا تھا' وہاں سے کیا آیا ہے۔ آخر ضبط نہ کرسکا اور اپنے استاد محترم سے پوچھ بیٹھا:

"حضرت! کیا ماجرا ہے؟"

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے کمسن شاگرد کو پاس بٹھایا۔ پھریوں گویا ہوئے:

"صاحبزادے! جب تم نے کل عرس میں جانے کی درخواست کی تھی تو مجھے بے حد غصہ آیا تھا۔ لہٰذا تمہیں وہاں جانے سے روکا۔ جب تم رونے لگے تو میں نرم پڑ گیا اور جانے کی اجازت دے دی۔ البتہ اپنی ایک تحریر تمہیں یہ کہہ کر دی کہ مزار پر رکھ دینا۔ دراصل وہ مولانا نظام الدین بدایونیؒ کے نام خط تھا۔ میں نے لکھا تھا:

> "آپ کیسے بزرگ ہیں کہ اپنے مزار پر ہونے والے شرک' بدعت اور لہو و لعب جیسے خرافات کو نہیں روکتے۔"

وہاں سے خود مولانا کا جواب آیا ہے۔ لکھا ہے:

> "جب تم اپنے ایک کمسن شاگرد کو شرک سے نہیں روک سکے تو میں خدا کی اتنی بڑی مخلوق کو خرافات سے کس طرح روکوں۔ اور پھر' میرا کیا ہے۔ میں یہاں درخت کے نیچے بیٹھا ہوں۔ خالی مزار پر وہ جی چاہے کریں۔"

القصہ چھوٹے سے ایک کمرے میں بستر پر لیٹا میں زار و قطار رو رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ کے کلفٹن (کراچی) والے مزار کے سلسلے میں مجھ ہیچمداں سے جو سوال کیا گیا تھا' اس کا جواب مل گیا تھا۔ دوسرے دن' صبح ہی صبح سوال کنندہ کو ساری حقیقت سنا دی۔ اس نوجوان کا چہرہ بھی ویسا ہی پرسکون ہوگیا' جیسا پرسکون درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے "ہمارے بابا" سے خط لے کر کمسن طالب علم کا چہرہ ہوا تھا' یا خود شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا!

حضرت محبوب الٰہیؒ سے عقیدت و الفت کے گہرہائے گراں مایہ لئے جب میں سرزمین عرب سے واپس اسلام آباد آیا تو ذاتی لائبریری کی صفائی میں مصروف ہوگیا۔ کتابیں دو ہی طرح کی تھیں۔ ایک وہ جنہیں کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں خریدتا رہا تھا یا پھر وہ جو تبصرے کے لئے

یا دوست داری کے طور پر مجھے ملتی رہی تھیں۔ مجھے ایسی ہر کتاب کی پہچان تھی۔ لیکن ایک کتاب پر نظر پڑتے ہی میں چونکا۔ اسے میں نے نہ تو خریدا تھا نہ ہی کہیں سے مجھے یہ ملی تھی۔ پھر یہ کہاں سے آئی۔ گھر والوں سے پوچھا۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ میری لائبریری میں کوئی آ بھی تو نہیں سکتا تھا۔ مکان کی بالائی منزل میں ایک کونے والے کمرے میں یہ واقع تھی اور مقفل رہتی تھی۔

اس کتاب کا نام تھا "نظامی بنسری"۔ ۵۰۰ صفحات پر پھیلی ہوئی یہ تصنیف اتنی قدیم تھی کہ ورق الٹتے ہی پھٹنے کا احتمال رہتا تھا۔ اندر متن کیا تھا' میں نے اس پر غور نہیں کیا اور الماری میں حفاظت سے رکھ دیا۔ یوں اسے رکھے رکھے کئی سال بیت گئے۔ جب ۱۹۹۴ء میں مجھ پر یرقان کا شدید حملہ ہوا اور پورے تین ماہ صاحب فراش رہا تو لکھنا پڑھنا سب چھوٹ گیا۔ جب صحت ذرا بحال ہوئی تو چاہنے کے باوجود کوئی کتاب' کوئی رسالہ' کوئی اخبار مجھ سے پڑھا نہ جاتا تھا۔ پہاڑ جیسا دن کاٹنا دشوار ہوگیا۔ معاً ذہن کے اسکرین پر ایک نام ابھرا..... "نظامی بنسری!"..... الماری سے کتاب نکلوائی اور..... پڑھتا چلا گیا.... ایک بار' دو بار' تین بار! یہاں تک کہ روبہ صحت ہوگیا۔ اسی وقت طے کیا کہ اس نایاب کتاب کی تلخیص کرکے اہل سلوک و معرفت کی خدمت میں پیش کروں گا۔ الحمداللہ' یہ تمنا پوری ہوئی۔

☆ ☆ ☆

"نظامی بنسری" دراصل ایک ہندو راجکمار ہردیو کی فارسی کتاب "چہل روزہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ مصنف دکن کے مشہور مقام دیوگیر کا باشندہ تھا اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جیسا کہ ہردیو نے اپنی کتاب کے آغاز میں لکھا ہے' علاء الدین خلجی نے اس کے وطن تلنگانہ پر حملہ کیا اور یہاں کی دولت لوٹی۔ ریاست کے راجا رام دیو نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر شاہی خاندان اور امراء کے لڑکوں کو فارسی تعلیم دلوائی۔ فارسی زبان و ادب کا یہی ذوق راجکمار ہردیو کو حضرت خواجہ حسن علاء سنجریؒ کی خدمت میں لے گیا جو ۶۹۶ھ میں علاء الدین خلجی کے بادشاہ بن جانے کے بعد اس کے نائب کی حیثیت سے اس علاقے میں خراج وصول کرنے آئے تھے۔ وہ فارسی کے بہت اچھے شاعر تھے' لہٰذا ان کی شہرت تلنگانہ میں بھی پھیل گئی۔ ہردیو ان سے ملا اور پھر خواجہ حسنؒ کے توسط سے حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ تک اس کی رسائی ہوئی۔ باقی باتیں

اس کتاب کا حصہ ہیں۔

ہردیو کی یہ قلمی کتاب مترجم خواجہ حسن نظامی کو ریاست بھرت پور کے کتب خانے میں ملی۔ جیسا کہ ان کا خیال ہے مغل شہنشاہ احمد شاہ بن محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں ریاست بھرت پور کے حکمراں سورج مل جاٹ نے جب دلی کو تاخت و تاراج کیا تو بستی نظام الدین کی درگاہ بھی لوٹی۔ وہاں کا سارا سامان اور کتابیں بھی بھرت پور لے گیا۔ انہی میں بقول خواجہ صاحب راجکمار ہردیو کی "چہل روزہ" بھی شامل تھی۔

فاضل مترجم نے مذکورہ کتاب کی نقل حاصل کی اور پھر اس کا ترجمہ "نظامی بنسری" کے نام سے کیا۔ جہاں جہاں موصوف نے ضرورت محسوس کی' ترجمے کے ساتھ ساتھ حواشی بھی لکھے۔ اس کام کے لئے انہوں نے قرار واقعی محنت کی۔ حضرت شیخ المشائخ کے جتنے ملفوظات مرتب ہوئے تھے' ان سے استفادہ کیا' نیز سیر الاولیاء' تاریخ فرشتہ اور تاریخ فیروز شاہی سے بھی ضروری مواد اخذ کئے۔

جیسا کہ خواجہ صاحب رقمطراز ہیں' انہوں نے یکم جنوری ۱۹۴۱ء کو یہ کام شروع کیا تھا۔ چونکہ یہ زمانہ جنگ عظیم کا تھا لہٰذا کاغذ نایاب تھا۔ دو سال تک مسودہ پڑا رہا۔ آخر حیدر آباد کے سر اکبر حیدری کے توسط سے کاغذ دستیاب ہوا تو یہ کتاب چھاپہ خانوں کی قباحتوں کا شکار رہی۔ بالآخر ۱۹۴۵ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ میرے پیش نظر یہی نسخہ ہے۔ پچاس پچپن سال قبل کی شائع شدہ یہ تصنیف اتنی بوسیدہ ہوچکی ہے کہ ورق الٹتے ہی "چاک گریباں" کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کاغذ کی رنگت بالکل اڑ چکی ہے۔ جلد اکھڑ چکی ہے۔ کہیں کہیں سے کرم خوردہ بھی ہے۔

میں نے جب تلخیص کا کام شروع کیا تو اندر ہی اندر سہما سہما سا تھا۔ معلوم نہیں یہ کام بہ حسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا یا نہیں۔ مگر میرے "حضرت بابا" کی نظر کرم مسلسل سایہ فگن رہی اور یہ تلخیص مکمل ہوئی۔

میں اپنے دوست اور کرم فرما جناب آصف محمود صاحب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے کام میں حسب سابق دلچسپی لی اور ایک نایاب مگر اہم تصنیف کو بہ طرز احسن شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اللہ پاک حضرت محبوب الٰہیؒ کے طفیل میں انہیں اپنی بے پایاں برکتوں سے نوازیں۔ آمین!

میں آخر میں جناب خواجہ حسن نظامی کی وہ دعا درج کرنا چاہوں گا جو "نظامی بنسری" کے سرورق کی پشت پر شائع کی گئی ہے:

"یا اللہ! اس کتاب نظامی بنسری میں جن اولیاء اللہ کا ذکر ہے ان کی غیبی اور روحانی برکتوں کی بارش سب پڑھنے والوں اور سننے والوں پر برسا۔ ان کی جسمانی اور روحانی بیماریاں دور کر۔ ان کے دلوں کی سب مرادیں پوری فرما۔ آمین!"

ڈاکٹر محمود الرحمٰن


علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

اسلام آباد

# ریاست دیوگیر پر[1] علاء الدین کا حملہ

سنہ ۶۹۴ ہجری میں علاء الدین خلجی نے میرے وطن تلنگانہ (دکن) پر حملہ کیا تھا۔ میرا راجا رام دیو مرہٹہ نسل سے تھا۔ اس کی راجدھانی دیوگیر تھی۔ اس وقت ہندوستان کا شہنشاہ جلال الدین خلجی تھا جو علاء الدین کا چچا اور سسر بھی تھا۔

علاء الدین اس وقت کڑہ مانک پور کا صوبے دار تھا۔ اس نے تلنگانہ پر حملہ اپنے چچا سلطان جلال الدین خلجی کی مرضی اور اطلاع کے بغیر کیا تھا۔ خود میرے ملک کے راجا رام دیو کو بھی اس حملے کی خبر نہ تھی۔

جن دنوں حملہ ہوا تھا' راجا رام دیو کے ولی عہد راجکمار سنگل دیو تیرتھ کو گئے ہوئے تھے۔ فوج بھی ان کے ساتھ تھی۔ تھوڑے بہت فوجی دیوگیر میں موجود تھے۔

علاء الدین نے ناگہاں حملہ کر دیا۔ راجا رام دیو حملہ کی تاب نہ لاسکا اور علاء الدین سے مجبور ہو کر صلح کرلی۔ اس صلح کی شرائط یہ طے ہوئیں کہ راجا رام دیو بذات خود کچھ نہیں دے گا' البتہ علاء الدین نے جن مہاجنوں' ساہوکاروں اور بیوپاریوں کو گرفتار کیا ہے' ان کے وارث مال و زر دے کر انہیں رہا کرائیں گے۔ گرفتار ہونے والوں میں' میں اور میرے ماں باپ بھی تھے۔

علاء الدین نے راجا کی پیش کی ہوئی یہ شرط قبول کرلی۔ چنانچہ گرفتار ہونے والے افراد کے وارثوں نے پچاس من سونا اور چند من موتی علاء الدین کو دے کر انہیں رہا کرا لیا۔ لہٰذا علاء الدین نے دیوگیر سے واپس جانے کی تیاری شروع کردی۔

ابھی سلطان کا لشکر روانہ بھی نہ ہو پایا تھا کہ راجا رام دیو کا لڑکا راجکمار سنگل دیو آس

پاس کے راجاؤں کی' نیز اپنی فوجیں لے کر آگیا اور علاء الدین سے مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ راجا کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے بیٹے کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ "ترکوں سے لڑنا مناسب نہیں۔ اگرچہ تمہاری فوج ان سے کئی گنا زیادہ ہے' پھر بھی کامیابی کی امید نہیں۔ ابھی ہمارا کچھ نہیں بگڑا۔ رعایا نے ہی تاوان ادا کیا ہے۔ رعایا کا نقصان ہم پورا کر دیں گے۔ اس بلا کو دور ہو جانے دے۔ اس سے مقابلہ نہ کر۔"

مگر راجکمار نے باپ کی رائے نہ مانی۔ اس نے علاء الدین کو پیغام بھیجا کہ "جو کچھ تم نے ہمارے مہاجنوں سے لیا ہے' واپس دے کر چلے جاؤ۔ ورنہ میدان میں آ کر مقابلہ کرو۔"

راجکمار کے جو ایلچی یہ پیغام لے کر گئے تھے' علاء الدین نے ان سب کا منہ کالا کر کے اپنی فوج میں پھرایا۔ پھر اس نے اپنے بھانجے ملک نصرت کو ایک ہزار سپاہی دے کر دیوگیر کے محاصرے پر تعینات کیا اور خود بقیہ فوج لے کر راجکمار سنگل دیو کے مقابلے کے لئے آیا۔ بہت سخت لڑائی ہوئی۔ راجکمار اور دیگر راجاؤں کی فوجوں نے جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ علاء الدین کے سپاہیوں کے پیر اکھڑنے لگے۔

جب لڑائی شروع ہوئی تو علاء الدین نے دشمن کی کثیر فوج دیکھ کر اپنی کمزوری بھانپ لی تھی۔ چنانچہ یہ پہلے ہی مشہور کردیا تھا کہ دہلی سے بیس ہزار فوج آنے والی ہے۔ جب شکست کے آثار پیدا ہوئے تو ملک نصرت کو دیوگیر (جو چند میل کے فاصلے پر تھا) کہلا بھیجا کہ اپنی ایک ہزار فوج لے کر فوری پہنچے۔ جب وہ دندناتا ہوا پہنچا تو راجکمار نے یہ سمجھا کہ دہلی سے بیس ہزار فوج آگئی۔ وہ گھبرا گیا۔ پھر اسے ایسی شکست ہوئی کہ میدان جنگ میں ایک سپاہی بھی زندہ نہ بچا۔

اس کے بعد علاء الدین فوج لے کر راجدھانی کی طرف بڑھا۔ راجا رام دیو نے اسے پیغام بھیجا کہ صلح ہوجانے کے بعد دوبارہ حملہ کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ غلطی میری نہیں' لڑکے کی ہے۔ میں نے اس کو لڑنے سے روکا تھا۔ مگر علاء الدین نہیں مانا اور جواب میں کہلا بھیجا کہ باپ بیٹے دو نہیں ہوتے۔ اور اب میں دیوگیر کو خاک میں ملا کر واپس جاؤں گا۔

راجا رام دیو کو معلوم تھا کہ قلعہ میں غلہ نہیں ہے۔ کب تک محصور رہیں گے۔ چنانچہ سلطان کو صلح کا پیغام بھیجا۔ وہ اس شرط پر صلح کے لئے راضی ہوا کہ راجا اسے چھ من سونا' سات من موتی' دو من ہیرے' یاقوت اور زمرد اور ایک ہزار من چاندی دے گا۔ ریشمی کپڑوں

کے چار ہزار تھان دے گا۔ اس کے علاوہ گھوڑے اور ہاتھی بھی دے گا۔

رام دیو نے یہ سب مطالبات پورے کئے اور خراج دینا بھی قبول کیا۔ اس طرح دیوگیر پر یہ آئی ہوئی بلا دور ہوئی۔

---

۱۔ اب اس علاقے کو دولت آباد کہتے ہیں جو اورنگ آباد کے قریب ہے۔ یہاں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے دو خلفاء، حضرت خواجہ حسن علا سنجریؒ اور مولانا برہان الدین غریبؒ کے مزارات ہیں۔ یہیں شہنشاہ اورنگ زیب کا بھی مزار ہے۔

# جاسوسی

علاء الدین کے جانے کے بعد میرے راجہ نے دلی کے حالات معلوم کرنے کے لئے چند جاسوس بھیجے۔ انہوں نے خبردی کہ علاء الدین خلجی کا چچا جلال الدین فیروز خلجی دلی کا بادشاہ ہے۔ وہ پہلے سامانہ پنجاب کا ایک معمولی امیر تھا۔ غلام خاندان کے بادشاہ معز الدین کیقباد کو قتل کرکے خود ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

علاء الدین اور اس کا بھائی الماس بیگ دونوں جلال الدین کے بھتیجے اور داماد ہیں۔ دونوں کو اودھ اور بہار کا علاقہ جاگیر میں ملا ہوا ہے۔ علاء الدین نے اپنے علاقے سے جلال الدین کو لکھا تھا کہ چندیری مالوہ کے علاقے کے راجا بہت دولت مند ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ان علاقوں کو فتح کرکے آپ کے ملک میں شامل کردوں اور جو دولت ہاتھ لگے خزانے میں جمع کرادوں۔ چنانچہ بادشاہ نے اسے اجازت دے دی۔

یہ علاء الدین کی ایک چال تھی اس لئے کہ وہ شروع سے دیوگیر کو لوٹنا چاہتا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ وہاں بہت دولت جمع ہے۔ وہ یہ جانتا تھا کہ دیوگیر پر حملہ کرنے کی اسے اجازت نہیں ملے گی، لہٰذا اس نے چندیری پر حملہ کرنے کا بہانہ بنایا۔

جب علاء الدین دیوگیر سے لوٹ کا مال لے کر اپنے علاقے میں واپس گیا تو جلال الدین خلجی کو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ وہ چندیری نہیں، دیوگیر گیا تھا اور وہاں سے اتنی دولت لایا ہے جتنی شاہی خزانے میں بھی موجود نہیں۔ بادشاہ کے خاص خیر خواہ امیروں نے اس سے کہا کہ علاء الدین سے غفلت ٹھیک نہیں! ایسا نہ ہو وہ لوٹی ہوئی دولت کے ذریعے ایک بڑی فوج تیار کرے اور دلی پر حملہ آور ہو کر بادشاہ کو قتل کر دے۔ پھر خود ہندوستان کا بادشاہ بن جائے۔

جلال الدین خلجی بہت نیک بادشاہ تھا۔ اس نے امیروں کو جواب دیا کہ "یہ محض ان کی

بدگمانی ہے۔ میں نے علاء الدین کو گود میں پالا ہے اور داماد بنایا ہے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

پھر بھی امیروں نے اصرار کیا کہ علاء الدین کے نام فرمان جانا چاہیے کہ وہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر دیوگیر گیا تھا لہٰذا اس کی خطا تب ہی معاف ہوگی جب لوٹی ہوئی ساری دولت شاہی خزانے میں جمع کرائے اور غلطی کی معافی مانگے۔ بادشاہ ایسا نہیں چاہتا تھا' مگر امراء کے مجبور کرنے پر علاء الدین کو فرمان بھیج دیا۔

علاء الدین نے اپنے بھائی الماس بیگ کے ہاتھ بادشاہ کو یہ جواب بھیجا:

"سلطان خود کڑہ مانک پور تشریف لائیں اور جو سامان دیوگیر سے آیا ہے' وہ سب اپنے ہمراہ دہلی لے جائیں تاکہ دشمنوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ میں نے سب سامان نہیں بھیجا' کچھ اپنے پاس بچا کر رکھ لیا ہے۔"

یہ خط سن کر بادشاہ نے امیروں سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ سلطان کا وہاں جانا مناسب نہیں۔ خود علاء الدین کو سب سامان لے کر دہلی آنا چاہیے۔ مگر اس کے بھائی الماس بیگ نے ایسے سبز باغ دکھائے کہ بادشاہ کڑہ مانک پور جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

جلال الدین صرف ایک ہزار فوج ساتھ لے کر دریا کے راستے مانک پور روانہ ہوا۔ جب کشتیاں مانک پور کے قریب پہنچیں تو الماس بیگ نے جو دہلی سے ساتھ آیا تھا' بادشاہ سے کہا:

"فوج کی کشتیاں ابھی دور رکھی جائیں تو مناسب ہے' ورنہ میرے بھائی کو خوف ہوگا کہ آپ اسے سزا دینا چاہتے ہیں۔"

بادشاہ اس کے کہے میں آگیا۔ چنانچہ اپنی فوج کی کشتیوں کو تو دور چھوڑا اور خود ایک کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ افطار کا وقت قریب آگیا تھا۔ بادشاہ کشتی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ ادھر علاء الدین اپنی فوج اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کی قطار بنائے کنارے پر کھڑا تھا۔

جب کشتی کنارے لگی تو جلال الدین خلجی ساحل پر اترا۔ علاء الدین نے دوڑ کر بادشاہ کے قدم چومے۔ اس نے اپنے بھتیجے اور داماد کے چہرے پر ہلکا سا طمانچہ مارا اور ہنس کر کہا:

"کیا تو مجھ سے ڈرتا تھا حالانکہ میں نے تجھے پال کر چھوٹے سے بڑا کیا اور اپنی سگی اولاد سے زیادہ تجھ سے محبت کی۔ پھر تجھے اپنی بیٹی دی۔"

علاء الدین چچا کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا۔ یکایک ایک شخص نے آگے بڑھ کر بادشاہ

کے تلوار ماری۔ بادشاہ زخمی ہو کر کشتی کی طرف بھاگا اور یہ کہا:

"اے کم بخت علاء الدین تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔"

ابھی وہ کشتی کے پاس پہنچنے نہ پایا تھا کہ ایک دوسرے آدمی نے دوڑ کر بادشاہ کا سر کاٹ لیا۔ پھر دھڑ کو گنگا میں پھینک دیا گیا اور سر کو نیزے پر چڑھا کر پورے شہر میں پھرایا گیا۔ بادشاہ کی فوج نے دور سے یہ تماشا دیکھا اور یہ خیال کر کے کہ دشمن کی طاقت زیادہ ہے، حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر وہ کشتیوں کے ذریعے دہلی کی طرف بھاگ گئی۔

تب، علاء الدین نے ارادہ کیا کہ اودھ، بہار اور بنگال کے صوبوں پر قبضہ کر لینا چاہیے تاکہ جب بادشاہ کا ولی عہد اور بیٹا ارکلی خاں تخت نشیں ہو کر باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے ادھر آئے تو اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن جب بھاگی ہوئی فوج دہلی پہنچی اور ملکہ جہاں نے ساری روداد سنی تو اس نے سلطنت کے ولی عہد ارکلی خاں کا انتظار نہ کیا جو اس وقت ملتان میں تھا۔ بلکہ اپنے کمسن بچے کو بادشاہ بنا کر خود حکومت کرنے لگی۔

جب یہ خبر علاء الدین کو پہنچی تو اس نے بنگال جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور فوج لے کر دہلی کی طرف بڑھا۔ جب ملکہ جہاں کو یہ خبر ملی تو ارکلی خاں کو ملتان سے بلایا۔ مگر اس نے یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا کہ تم نے میرا حق چھوٹے بھائی کو دے دیا، اب وقت گزر گیا اور میرا آنا بیکار ہے۔ یہاں تک کہ علاء الدین دہلی پہنچ گیا اور معمولی سی لڑائی کے بعد تخت پر قابض ہو گیا۔ ۶۹۶ ہجری میں وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

# خواجہ حسن سنجری سے ملاقات

راجہ رام دیو بہت دور اندیش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب اس طرف ترکوں کی آمد و رفت شروع ہو جائے گی۔ چونکہ دہلی میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی ہے' لہٰذا ان کی زبان کو سیکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ علاء الدین خلجی کے دیوگیر سے واپس جانے کے بعد راجہ نے اپنے خاندان کے اور دیگر امیروں کے چند لڑکوں کو فارسی اور ترکی سکھانے کے لئے ایک مسلمان مولوی کو کہیں سے بلا کر ملازم رکھا۔ اس طرح میں نے اور میرے ساتھ دس بارہ نوجوانوں نے فارسی اور ترکی زبان سیکھ لی۔

انہی دنوں سلطان علاء الدین خلجی نے وہ خراج وصول کرنے کے لئے جس کا وعدہ راجہ رام دیو نے حملہ کے وقت کیا تھا' دہلی سے اپنے ایک فوجی سردار خواجہ حسن علاء سنجری کو ایک ہزار فوج کے ساتھ دیوگیر بھیجا۔ راجہ نے خواجہ صاحب کی بہت خاطر کی اور خراج بھی ادا کردیا۔

ایک دن میں اپنے ہندو ساتھیوں کے ساتھ ان فوجی سردار سے ملنے گیا۔ ان کی بہت تعریف سنی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ وہ شاعر ہیں اور ان کی شاعری کا ہر جگہ چرچا تھا۔ اگرچہ مسلمان فوج کے آدمی بہت ہی اکھڑ اور بدمزاج تھے اور ہندوؤں سے نفرت کرتے تھے مگر اس کے برعکس حسن سنجری نرم دل بھی تھے اور خوش مزاج بھی!

جب میں خواجہ حسن سے ملاقات کرنے گیا تو وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ ان کے سامنے تلوار رکھی تھی۔ وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ ہم وہاں کھڑے رہے۔ آخر انہوں نے قرآن کو بند کیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر آنکھیں بند کیں۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ میرے بعض ساتھیوں نے کہا کہ وہ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں۔

جب حسن سنجری فارغ ہوئے تو ہم سے کہا:

"تمہارا آنا اچھا ہو۔ تم کیا سامان لائے؟ میں نے کل ہی بہت سا غلہ خرید لیا ہے۔ اب شاید تم سے کچھ نہ لے سکوں۔"

میرے ساتھی نے کہا:

"ہم فقط آپ کی باتیں سننے آئے ہیں۔ ہم نے آپ کی شاعری کی دھوم سنی ہے۔"

تب حسن سنجری نے کہا کہ "تم کو ہم سے لین دین کرنا ہے تو ہماری زبان سیکھ لو۔"

میرے ساتھی نے کہا کہ "یہ لڑکا بھی فارسی ترکی پڑھا ہوا ہے اور ہم بھی۔" تب حسن نے مجھ کو غور سے دیکھا اور کہا:

"یہ مجھے ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کہو یہ یہاں آیا کرے۔"

حسن سنجری کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ شاید وہ رات کو بہت جاگے تھے۔ میرے ساتھی نے ان سے پوچھا:

"آپ لوگ ہم سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

حسن نے مسکرا کر جواب دیا:

"بلکہ تم ایسا کرتے ہو۔ زبان نہ جاننے کے سبب تم نے ہماری نسبت ایسا خیال کیا۔ ہم رعایا سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرتے ہیں۔ ہاں' فوجی زندگی ہی ایسی ہوتی ہے کہ ہم بدمزاج معلوم ہوتے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ اس ملک کے لوگ مسلمانوں سے اور ان کے مذہب سے بہت نفرت کرتے ہیں۔"

اس پر میں نے کہا:

"نہیں سردار! ایسا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کے پاس کیوں آتے۔"

پھر میں نے خواجہ حسن علاء سنجری سے دریافت کیا:

"اس فوج کے اور سردار ایسے خوش مزاج نہیں ہیں' جیسے آپ ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

حسن نے میرے جواب میں کہا کہ "وہ سب بھی خوش مزاج ہیں۔"

میں نے ان سے اپنے دل کی یہ بات کہہ دی:

"آپ کی فوج کے آدمیوں کے چہروں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جنگلی جانور معلوم ہوتے ہیں۔"

میری یہ بات سن کر وہ بالکل ناراض نہیں ہوئے۔ البتہ یہ جواب دیا:

"کیا تم نے اپنے راجہ کی فوجوں کو دیکھا ہے۔ سب قوموں کے فوجی ایسے ہی معلوم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن وہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

اتنا کہہ کر حسن سنجری رکے۔ کچھ لمحہ خاموش رہے۔ پھر جیسے انہیں کوئی بات یاد آگئی۔ کہنے لگے:

"ایک دفعہ میں نے اپنے پیر سے کہا کہ میں فوجی چھاؤنی کا رہنا چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے قریب آکر رہوں گا تاکہ روز آپ کی زیارت کیا کروں۔ ویسے سات دن میں ایک دفعہ جمعہ کی چھٹی ہوتی ہے تو آتا ہوں۔ تب' میرے پیر نے کہا' نہیں ایسا نہ کرنا' چھاؤنی کی ہوا شہر کی ہوا سے اچھی ہوتی ہے۔"

یہ سن کر میں نے حسن سنجری سے دریافت کیا:

"کیا آپ کے پیر کوئی حکیم ہیں جو اچھی آب و ہوا کا مشورہ دیا؟"

حسن نے جواب دیا:

"وہ دل کی بیماریوں کا علاج کرنے والے حکیم ہیں۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ فوجی زندگی سرفروشی کی زندگی ہے اور شہری زندگی آلودگی کی زندگی ہے۔ سرفروش لوگ دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبت نہیں کرتے۔ بس' میرے پیر نے مجھے دنیا سے بے تعلق رہنے کی تعلیم دی۔"

تب' میں نے ان سے دریافت کیا:

"آپ کے پیر کون ہیں؟ اور ان کا کیا نام ہے؟"

خواجہ حسن سنجری نے جواب دیا:

"وہ سید ہیں۔ سید محمد نام ہے۔ لوگ ان کو سلطان المشائخ کہتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بھی ان کا نام ہے۔"

اس کے بعد خواجہ حسن نے اپنے پیر کے بہت سے حالات سنائے۔

یہ سب سن کر میں نے خواجہ صاحب سے کہا:

"آپ کے پیر کے ذکر نے مجھ پر کیا جادو کر دیا۔ میرے دل پر ان کا بہت اثر ہوا ہے۔ اور اس میں یہ لگن پیدا ہو رہی ہے کہ میں فوراً دہلی جا کر ان کی زیارت کروں۔"

خواجہ حسن میری بات سن کر رونے لگے۔ جب انہیں سکون ہوا تو مجھ سے کہنے لگے:

"تم بڑے خوش نصیب ہو کہ ایک بیان نے تمہارا دل بدل دیا۔ میں دہلی جانے والا ہوں۔ میں تمہیں بھی اپنے پیر کی زیارت کرانے لے چلوں گا۔"

یہ سن کر میں نے خواجہ حسن سے کہا:

"میری قسمت جاگ جائے جو ایسا ہو۔ مگر میں اپنے ماں باپ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ انہیں اکیلا چھوڑ کر اتنی دور جانا مشکل ہوگا۔"

تب حسن نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہارے ماں باپ کے آرام کا انتظام کر جاؤں گا۔"

پھر وہاں سے اٹھ کر میں اپنے گھر آیا اور ماں باپ سے یہ قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے پیر کی زیارت ضرور کرنی چاہیے۔ مجھے دہلی جانے کی خوشی سے اجازت دے دی۔

جب خواجہ حسن کو یہ معلوم ہوا کہ میرے ماں باپ نے مجھے دہلی جانے کی اجازت دے دی ہے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے میرے راجہ رام دیو سے بھی مجھے ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کرلی۔

چند روز کے بعد ہم دیوگیر سے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ دہلی یہاں سے آٹھ سو کوس[1] کے قریب ہے۔ راستہ بہت اچھا ہے۔ ہمارا سفر بہت آرام سے طے ہوا۔

---

۱۔ کوس : تقریباً چار کلومیٹر

# حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ

دہلی پہنچ کر دو دن چھاؤنی میں قیام رہا۔ پھر خواجہ حسن مجھ کو اپنے پیر کے پاس لے گئے۔ دریائے جمنا کے کنارے ایک مکان کے دروازے پر بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ سینکڑوں آدمی اندر جاتے اور باہر آتے تھے۔ حسن سنجری نے خانقاہ کے دروازے پر پہنچ کر چوکھٹ کو چوما۔ وہاں ہر شخص ایسا ہی کرتا تھا مگر میں نے چوکھٹ پر سر نہیں رکھا۔

پھر ہم سب اندر گئے۔ وہاں بہت لوگ جمع تھے۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ایک جانماز پر بیٹھے تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا۔ ڈاڑھی نورانی تھی۔ آپ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ حسن سنجری نے سامنے جا کر تعظیم ادا کی۔ مجھ پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میں نے بھی اپنا سر جھکا کر تعظیم ادا کی۔ حضرتؒ نے حسن سے فرمایا:

"خوب آئے۔ ہم تم کو یاد کرتے تھے۔ یہ ہندو جوان فارسی اچھی طرح بولنے لگا ہوگا۔"

خواجہ حسن سنجری نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مخدوم کو سب کچھ معلوم ہے۔"

حضرتؒ نے تبسم فرمایا اور کہا:

"اس جوان کے ماں باپ آرام سے ہیں۔ اس کا یہاں آنا مبارک ہو۔ رات کو خسروؒ آئیں گے۔ یہ جوان ان سے بھی مل لے گا۔ تم اس کو بھی لانا۔"

ہم دونوں حضرتؒ کی مجلس میں کچھ دیر بیٹھ کر باہر آگئے۔ چھاؤنی واپس نہیں گئے۔ یہاں خواجہ حسن کے بہت ملنے والے تھے۔ یہ سب میں بے حد ہردلعزیز معلوم ہوتے تھے۔ ہر شخص میرا حال دریافت کرتا تھا۔ ان سب کی آپس میں ایسی محبت تھی گویا وہ سب سگے بھائی ہیں۔ یہاں اجنبی لوگوں کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔

ہم دوپہر کے کھانے کے لئے خانقاہ نظامیہ کے لنگر خانے میں گئے۔ وہاں سینکڑوں آدمی جمع تھے۔ ایک بوڑھے آدمی کھانا تقسیم کر رہے تھے جن کا نام برہان الدین غریب بتایا گیا۔ میں اپنے وطن میں مسلمانوں کا کھانا تو نہیں کھاتا تھا' مگر جب سے حسن سنجری کے ساتھ سفر شروع ہوا تھا میرا پرہیز ٹوٹ گیا تھا۔

حضرتؒ کے لنگر میں ہر قسم کے امیرانہ کھانے تھے۔ کھانا کھلانے والے نہایت قیمتی اور صاف لباس پہنے ہوئے تھے۔ جہاں کھانا کھلایا جاتا تھا' وہ جگہ بھی بہت صاف ستھری تھی۔ کھانا ہر ایک کو الگ الگ برتنوں میں دیا جاتا تھا۔ چند پردیسی مسافروں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ مسلمانوں کا دستور یہ ہے کہ ایک برتن میں مل کر کھاتے ہیں۔ دوسرے نے کہا: "بیشک' رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ جس برتن میں بہت سے آدمی شریک ہوں' اس کھانے میں خدا برکت دیتا ہے۔" تیسرے مسافر نے خفا ہو کر اور زور سے چیخ کر حضرت مولانا برہان الدین غریب سے کہا کہ "تم نے یہ خلاف سنت دستور کیوں جاری کیا ہے؟"

مولانا اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں آئے اور مسافروں کے سامنے قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے تم کو اجازت دی ہے چاہے ایک برتن میں مل کر کھاؤ چاہے الگ الگ کھاؤ۔

یہ سن کر مسافروں نے کہا کہ جب خدا نے ایک برتن میں مل کر کھانے کی اجازت بھی دی ہے تو پھر تم نے مسلمانوں کے اتحاد کو کیوں خراب کیا۔ اب تو وہ ہندوؤں کی طرح الگ الگ کھانا کھا رہے ہیں۔

مولانا برہان الدین غریب نے فرمایا:

"میرے حضرتؒ کبھی ایک برتن میں کئی کئی آدمی جمع کر کے کھلاتے ہیں اور کبھی الگ الگ کھلاتے ہیں۔ یہ جب ہوتا ہے کہ کوئی ہندو بھی کھانے میں شریک ہو۔ اور آج ایک ہندو مہمان بھی دسترخوان پر ہے' اس لئے میں نے سب کو الگ الگ کھانا دیا۔"

وہ مسافر مطمئن نہیں ہوئے اور برابر خفا ہوتے رہے۔ خود حضرتؒ کھانے میں شریک نہیں تھے۔ معلوم ہوا آپ اکثر دن کو روزہ رکھتے ہیں اور شام کو سورج چھپے کھانا کھاتے ہیں۔

شام کی نماز کے قریب حضرتؒ نے مجھے اور خواجہ حسن کو اپنے پاس بلایا۔ خادم دو خوان زمین پر رکھ گئے۔ زریں خوان پوش جب ہٹایا گیا تو مٹی کے برتنوں میں جو کی دو روٹیاں اور سبزی تھی۔ گوشت نہ تھا۔ حضرتؒ نے ہم دونوں کو کھانے میں شریک کیا اور سبزی والا برتن ہمارے

سامنے بڑھا دیا اور خود بھی اس میں سے کھانے لگے۔ پھر خواجہ حسن سے مخاطب ہو کر حضرتؒ نے فرمایا:

"کھانا شوربے دار ہو تو ایک برتن میں کئی آدمیوں کا کھانا صفائی اور پاکیزگی کے خلاف ہے۔ اگر شوربے دار نہ ہو جیسا کہ یہ کھانا ہے تو اس میں کئی آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔"

تب، خواجہ حسن نے عرض کیا:

"آج دوپہر کو چند مسافر بہت خفا ہوئے تھے۔ مولانا برہان الدین نے ان کو قرآن مجید کی یہ آیت سنائی تھی: لا جُناحَ علیکم ان تاکلوا جمیعاً او اشتاتاً۔ (تم پر کچھ گناہ نہیں ہے چاہے تم مل کر کھانا کھاؤ چاہے الگ الگ کھاؤ) مگر مسافر کہتے تھے کہ سنت یہ ہے کہ ایک ہی برتن میں سب مل کر کھانا کھائیں۔"

ابھی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ حضرتؒ کو امیر خسرو کے آنے کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا:

"ان کو آنے دو۔"

تھوڑی ہی دیر میں ایک دبلا آدمی اندر آیا جو بہت گورے رنگ کا تھا۔ دوسرے ترکوں کی طرح اس کی داڑھی بھی گھنی نہ تھی۔ یہ امیر خسرو تھے۔ انہوں نے آتے ہی حضرتؒ کے سامنے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"میرے ترک! تمہارا آنا مبارک ہو۔ یہ حسن آئے ہیں اور ایک ہندو کو دیوگیر سے لائے ہیں۔"

امیر خسرو نے خواجہ حسن سے ہاتھ ملایا اور ادب سے حضرتؒ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ تب، آپ نے انہیں تازہ کلام سنانے کا حکم دیا۔ خسرو نے چند غزلیں پڑھیں۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"ہم نے کہا تھا کہ تم ہندی زبان میں بھی شعر کہو تاکہ مسلمان ہندوؤں کی عام بول چال کی طرف راغب ہوں اور دونوں کے درمیان جو اجنبیت ہے وہ دور ہو۔"

امیر خسرو نے دونوں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:

"غلام نے مخدوم کے حکم پر عمل شروع کر دیا ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے ہندی کے کچھ اشعار سنائے جو مجھے اچھے معلوم ہوئے مگر سمجھ نہیں سکا کہ وہ پوربی زبان میں تھے۔

پھر حضرتؒ رات کی نماز کے لئے جانماز پر کھڑے ہوگئے۔ ایک خادم نے چبوترے پر آپ کا پلنگ بچھا دیا۔ ہم سب باہر آگئے۔ امیر خسرو نے بڑی محبت سے باتیں کیں اور دیر تک میرا حال پوچھتے رہے۔ پھر خواجہ حسن نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا:

"یہ دیوگیر کے شاہی خاندان کے ہندو ہیں۔ محض حال سننے سے انہیں حضرتؒ سے محبت ہوگئی تھی۔ اسی لئے میں انہیں اپنے ساتھ لایا ہوں۔" تب امیر خسرو نے کہا کہ "آج رات آپ دونوں میرے مہمان ہیں۔ آیئے میرے گھر چلیں۔"

# امیر خسرو کے مہمان

میں اور خواجہ حسن بطور مہمان امیر خسرو کے گھر گئے اور بہت رات تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ ان کا جسم بھی نازک ہے اور خیالات بھی نازک ہیں۔ وہ ہندو مذہب کو خوب سمجھتے ہیں۔ کہنے لگے:

"میرے باپ امیر سیف الدین محمود لاچین نسل کے ترک تھے۔ میرے نانا ہندو تھے۔ لہٰذا میری مادری زبان ہندی ہے اور فارسی و ترکی پدری زبان ہے۔"

پھر انہوں نے کہا:

"میرے حضرت" ہر قوم اور ہر مذہب کے آدمیوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔"

میں نے امیر خسرو سے کہا:

"حضرت" دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات کو فقط جو کی روٹی کھاتے ہیں۔ اس طرح آپ کی جسمانی طاقت کم ہو جانے کا ڈر ہے۔"

امیر خسرو نے جواب میں کہا کہ "خدا کی یاد آپ کے جسم کی طاقت کے لیے کافی ہے۔"

تب میں نے علاء الدین خلجی کی برائی کرنی شروع کی اور کہا کہ وہ بہت ہی برا بادشاہ ہے۔

میری یہ بات سن کر امیر خسرو بہت ہنسے۔ پھر مجھ سے پوچھا:

"ہردیو! تم نے کبھی کسی ڈاکو کو دیکھا ہے؟"

میں نے جواب دیا:

"ایک نہیں، بہت سے ڈاکو دیکھے ہیں۔"

پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا:

"ڈاکو کس کو کہتے ہیں؟"

"جو دوسروں کا مال لوٹ لے' جان لے لے' عورتوں اور بچوں پر رحم نہ کرے' اس کو ڈاکو کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

تب امیر خسروؔ نے مسکرا کر کہا:

"تم نے یہ بھی سنا ہوگا کہ سوائے ان گناہوں کے جن کا ذکر تم نے کیا' اور کوئی برائی ان میں نہیں ہوتی۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر۔ وہ لوٹا ہوا مال غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ مہمانوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ لاوارث عورتوں اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔ ہر وقت خدا کی مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اگر ہندو ہوں تو گنگا میں نہاتے اور مندروں میں جاتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ' ان ڈاکوؤں کی یہ باتیں تعریف کے قابل ہیں یا نہیں؟"

میں نے جواب دیا:

"جو اچھی بات ہے وہ اچھی اور جو بری بات ہے وہ بری۔ پس ڈاکہ مارنا برا ہے اور جتنے کام آپ نے بتائے وہ سب اچھے ہیں۔"

امیر خسروؔ نے کہا:

"اگر میں کسی ڈاکو کے نیک کاموں کی تعریف کروں تو تم یہ تو نہیں کہو گے کہ وہ ڈاکو ہے' بے رحم ہے۔ تو میں تم سے یہ کہوں گا کہ یہ سب بادشاہ ڈاکو ہوتے ہیں اور بہت اعلیٰ قسم کے! یہ دوسروں کا ملک چھین لیتے ہی۔ ان کو مفلس بنا دیتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کرتے۔ مگر اس عیب کے سوا ان میں ہزاروں خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ عبادت کرتے ہیں۔ خیرات کرتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ننگوں کو کپڑے بانٹتے ہیں۔ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن جب انہیں شک ہوجائے کہ کوئی ان کی بادشاہی کے لئے خطرہ ہے چاہے وہ مرشد ہو' ماں باپ ہوں' بھائی ہو' اپنی اولاد ہو' تو وہ رحم اور انصاف بھول جاتے ہیں۔ اور سب کو فنا کردینا بادشاہت کا ایمان سمجھتے ہیں۔ یہی حال علاء الدین خلجی کا سمجھ لو کہ وہ بھی دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکوؤں میں ایک ہے۔"

یہ کہہ کر امیر خسروؔ نے کچھ دیر توقف کیا۔ پھر بولے:

"ہردیو! دلی میں تم ابھی نئے نئے آئے ہو۔ تم کو معلوم نہیں کہ خود مختار بادشاہوں کے پایۂ تخت میں زندگی بسر کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ تمہیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ علاء الدین کے اکثر مصاحب' امیر اور فوجی سردار میرے حضورؒ کے مرید ہیں۔ چند آدمی فقط بادشاہ کے مرید ہیں۔

بادشاہ کے سوا انہیں نہ خدا کی ضرورت ہے نہ رسولؐ کی! اگر وہ کبھی خدا اور رسولؐ کو یاد کرتے ہیں تو بادشاہ کی خوشنودی کیلئے۔ وہ پیروں کے پاس جاتے ہیں' نذر دیتے ہیں' دعائیں کراتے ہیں تو فقط بادشاہوں کے یہاں ملازمت پکی کرانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔"

اب تمہیں سیدی مولا کا واقعہ سناتے ہیں۔

# سیدی مولا کی کہانی

علاء الدین کے چچا جلال الدین خلجی نے ترک سلطنت کے آخری شہنشاہ معز الدین کیقباد کو دریائے جمنا کے کنارے قصر "کے لوک ہری" میں مار ڈالا تھا۔ میں کیقباد کا ملازم رہ چکا ہوں۔ کیقباد کی ماں ہندو تھی۔

جب کیقباد نے جمنا کے کنارے عالی شان محل بنوایا تو مجھ سے کہا کہ اس کا ایسا نام تجویز کرو جس میں میرا نام بھی آ جائے' میری بادشاہی کا ذکر بھی ہو اور خدا کا نام بھی آ جائے۔ ایسا نام ہو کہ ہندو رعایا سمجھ سکے۔ میں نے اس قصر کا نام "کے لوک ہری" تجویز کیا تھا۔ لفظ "کے" میں کیقباد کا ذکر تھا۔ "لوک" میں اس کی بادشاہی کا ذکر تھا اور "ہری" میں خدا کا ذکر تھا۔ اس طرح میں نے ایک نام میں تینوں باتیں جمع کر دی تھیں۔ اس سے کیقباد بہت خوش ہوا تھا اور مجھے بہت سا انعام بھی دیا تھا۔

جب جلال الدین خلجی نے کسی معقول وجہ کے بغیر سامانہ پنجاب سے دہلی آ کر کیقباد کو مار ڈالا اور ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا تو کیقباد کے سارے امیر' وزیر' کوتوال' علماء' قاضی وغیرہ نوکریوں سے برطرف اور کنگال ہو گئے۔ یہ سب بارہ ہزار تھے۔

اس وقت دلی میں سیدی مولا نام کے بہت بڑے پیر رہتے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کو دست غیب ہے۔ وہ روزانہ ہزاروں آدمیوں کو اپنے دستر خوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ سارے شہر میں ان کی مسافر نوازی مشہور تھی۔ چنانچہ مقتول بادشاہ کے برطرف کئے ہوئے بارہ ہزار ملازم بھوک سے بچنے کے لئے سیدی مولا کی خانقاہ میں پہنچے۔ انہوں نے سب کو کھانا کھلانا شروع کیا۔ کئی مہینے تک سب کو کھانا کپڑا بھی دیا اور رہنے کو جگہ بھی!

جب جلال الدین خلجی کو یہ خبر ہوئی تو وہ ڈرا کہ سیدی مولا ان بارہ ہزار آدمیوں کو ساتھ

ملا کر میرے خلاف بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ اس نے اپنے قابل اعتماد امیروں کو سیدی مولا کے پاس بھیجا۔ یہ لوگ وہاں بڑی عقیدت سے گئے' نذریں دیں اور مرید ہوئے۔ پھر صبح و شام جانے لگے۔

جب انہیں کوئی بات قابل اعتراض نہیں معلوم ہوئی تو ایک دن خود انہوں نے کیقباد کے تمام آدمیوں کو تخلیے میں کہا:

"بادشاہی کے قابل تو سیدی مولا ہیں۔ جلال الدین تو بڑا ڈرپوک' کمزور' بڈھا اور کنجوس ہے۔ اس کے پاس کوئی غیبی طاقت بھی نہیں ہے۔ اس سے بادشاہت نہیں چل سکے گی۔ آؤ' ہم تم سب مل کر سیدی مولا کو بادشاہ بنالیں۔ کیقباد کے زمانے میں جس جس کے پاس جو عہدہ تھا' وہی اس کو دے دیا جائے۔"

مرحوم بادشاہ کے ان ملازمین کے لئے یہ بات بہت دلکش تھی۔ چنانچہ وہ سب راضی ہوگئے۔ پھر ان میں سے کچھ آدمی جلال الدین کے جاسوسوں کے ساتھ سیدی مولا کے حجرے میں گئے اور ان سے یہ بات بیان کی۔ انہوں نے جواب دیا:

"مجھے بادشاہی درکار نہیں ہے۔ میں اسے اچھا بھی نہیں سمجھتا۔ تم لوگوں کو میں نے بے روزگار سمجھ کر پناہ دی اور کھانا کپڑا دیا۔ اگر تم کوئی ایسی شرارت کرو گے تو میں تم سب کو خانقاہ سے نکال دوں گا۔"

یہ سن کر سب اپنی قیامگاہ چلے گئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یہ فقیر احمق ہے۔ ہم اس کو بادشاہ بنالیں گے تو بن جائے گا۔ دل تو اس کا چاہتا ہوگا' مگر ظاہر میں انکار کرتا ہے۔ پھر یہ طے ہوا کہ سب لوگ کل رات پھر ملیں اور مشورہ کرکے کوئی دن مقرر کرلیں۔ اس روز محل پر حملہ کرکے جلال الدین کو قتل کردیں اور سیدی مولا کو تخت پر بٹھا دیں۔

دوسرے دن یہ جاسوس خانقاہ میں آئے اور وہاں کیقباد کے تمام ملازموں سے ملے۔ جلال الدین کا بیٹا ارکلی خاں بھی بھیس بدل کر وہاں آیا اور جلسے میں شریک ہوا۔ وہاں انقلاب اور قتل و خوں ریزی کے سارے منصوبے تیار ہوگئے۔ اس وقت سیدی مولا خانقاہ میں موجود نہ تھے۔ کچھ دیر بعد وہ اس مکان کے پاس سے گزرے اور سب لوگوں کو وہاں بیٹھا دیکھا تو چلتے چلتے رک گئے اور مہمان نوازی کے طور پر کہا:

"آپ لوگوں کا آنا مبارک ہو اور آپ کی امیدیں پوری ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تو اپنے حجرے کی طرف چلے گئے مگر ارکلی خاں کو سیدی مولا کے الفاظ سن

کر یقین ہوگیا کہ وہ اس سازش میں شریک ہیں۔ چنانچہ واپس جا کر اس نے سارا حال جلال الدین کو کہہ سنایا۔ دوسری رات جب کیقباد کے سارے لوگ اور جلال الدین کے جاسوس انقلاب کی تاریخ مقرر کرنے کے لئے جمع ہوئے تو بادشاہ نے فوج بھیج کر سب کو گرفتار کرا لیا۔ ان میں سیدی مولا بھی تھے۔

دوسرے دن دربار عام میں تمام ملزموں کو پابجولاں لایا گیا۔ بادشاہ اونچی جگہ پر بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے ارکلی خاں اور دوسرے امراء اور وزراء کھڑے تھے۔ تب جلال الدین نے سیدی مولا سے کہا:

"میں نے کیا برائی تیرے ساتھ کی تھی جو تو نے میرے مارنے کی سازش کی۔"

سیدی مولا نے جواب دیا:

"میں بے گناہ ہوں اور میرا کوئی تعلق اس سازش سے نہیں ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"میدان میں آگ جلاؤ۔ اگر یہ سچا ہے تو آگ میں کود جائے۔"

سیدی مولا نے کہا:

"میں اس کے لئے راضی ہوں۔"

یہ باتیں سن کر دربار کے مفتیوں نے کھڑے ہو کر بادشاہ سے کہا:

"آگ کا کام جلانا ہے۔ وہ گناہگار اور بے گناہ دونوں کو جلا ڈالتی ہے۔ لہٰذا آگ میں ڈالنا خلاف شرع ہے۔"

مفتیوں کی بات سن کر جلال الدین سوچنے لگا کہ آخر کیا فیصلہ کیا جائے۔ تب اس نے دائیں جانب کھڑے وزیر سے کہا:

"سیدی مولا آگ میں گرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ میں اس بڑھاپے میں ایک سید درویش کا خون اپنی گردن پر کیوں لوں۔"

وزیر نے بھی سلطان کی مرضی دیکھ کر ہاں میں ہاں ملائی۔ دونوں کی بات سن کر ارکلی خاں کو اندیشہ ہوا کہ سیدی مولا اور اس کے ساتھی چھوٹ جائیں گے تو بڑا فساد برپا ہوگا۔ بادشاہ کمزور طبیعت کا ہے اور رات خود میں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سنا ہے اور آنکھوں سے دیکھا ہے۔ قیدیوں کے پیچھے جنگی ہاتھیوں کی صف کھڑی تھی۔ چنانچہ ارکلی خاں جو بادشاہ کے پیچھے کھڑا تھا ہاتھی والوں کو اشارہ کیا کہ سب قیدیوں پر ہاتھی چڑھا دو۔

فیل بان سمجھے کہ بادشاہ کے حکم سے ولی عہد نے یہ اشارہ کیا ہے' چنانچہ انہوں نے قیدیوں پر ہاتھی دوڑا دیئے۔ وحشی جانوروں نے آن کی آن میں سب قیدیوں کو روند ڈالا اور ایک ہاتھی نے سیدی مولا کو چیر پھاڑ ڈالا۔ جوں ہی ایسا ہوا' ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ دن کو رات ہو گئی۔ زور کی آندھی چلی۔ دربار کے خیمے اڑ گئے۔ بادشاہ اور سارے امیر وزیر جان بچانے کے لئے محل کے اندر بھاگ گئے۔ اس آندھی نے سارے شہر میں تباہی مچائی۔ ایک برس تک جلال الدین کی یہ حالت رہی کہ سوتے میں اٹھ کر چیخنے لگتا کہ سیدی مولا مجھے مارنے آیا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنے بھتیجے سے ملنے کڑا مانک پور گیا اور وہاں علاء الدین کے آدمیوں نے اسے قتل کردیا۔

☆ ☆ ☆

ہردیو! تم یہ قصہ سننے کے بعد کیا اس بات کو نہیں مانو گے کہ ارکلی خاں نے جو کچھ کیا' اپنی اور باپ کی بادشاہی کی حفاظت کے لئے کیا۔ اور اس نے فیل بانوں کو انصاف کے موافق اشارہ کیا کیونکہ رات سب کچھ دیکھ سن لیا تھا۔ قدرت نے جو آندھی بھیجی وہ بھی انصاف کے مطابق تھی اس لئے کہ سیدی مولا بے گناہ تھے۔ اور علاء الدین نے اپنے پالن ہار' چچا اور سسر کو جو مار ڈالا تو اس نے بادشاہی قانون کے مطابق بے انصافی نہیں کی کیونکہ اگر وہ جلال الدین کو نہ مار ڈالتا تو ہندوستان کی بادشاہی اس کو نہ ملتی اور وہ بڑے بڑے اور اچھے اچھے کام نہ کر سکتا۔

امیر خسروؔ کی یہ باتیں سن کر میں نے حیرت سے ان کے چہرے پر نظر ڈالی۔ مجھے ساری دنیا تاریک معلوم ہوتی تھی۔ مگر ان کا چہرہ چمک رہا تھا۔ مجھے سارا سنسار روتا ہوا دکھائی دیتا تھا' مگر امیر خسروؔ کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ مجھے سری کرشن جی کی گیتا یاد آئی اور میں سمجھ گیا کہ امیر خسروؔ جو کچھ کہہ رہے ہیں گویا مجھے گیتا سنا رہے ہیں۔

# دلی کا بازار

میں رات امیر خسرو کے مکان پر دیر تک جاگتا رہا' لہٰذا صبح آنکھ دیر میں کھلی۔ خادموں سے معلوم ہوا کہ امیر خسرو اور خواجہ حسن دونوں سویرے سویرے دربار میں چلے گئے کہ آج کوئی خاص جشن تھا اور دیر سے آئیں گے۔ میں نے واپس اپنی قیام گاہ جانا مناسب سمجھا۔ چنانچہ چھاؤنی کی جانب روانہ ہوگیا۔

راستے میں دلی کا بازار ملا۔ یہاں بخارا' ترکستان اور ایران کا سامان بکتا ہے۔ میں آہستہ آہستہ ان دکانوں کو دیکھتا جاتا تھا۔ ہر قسم کے کپڑے' پوستین' کمبل' قالین' کمانیں' ڈھالیں' تیر' تلواریں اور خنجر ان میں نظر آئے۔ دکان دار بھی اکثر انہی ملکوں کے تھے۔

میں ایک دکان پر کھڑا ہوگیا اور دیکھنے لگا۔ یہ دکان کسی ترک کی تھی' مگر وہاں سامان فروخت کرنے والا ایک ہندوستانی نوکر تھا۔ اس سے میں نے ان ہتھیاروں کی قیمت پوچھی اور یہ معلوم کیا کہ یہ کن کن ملکوں کے بنے ہوئے ہیں۔ وہ بہت اخلاق سے ملا اور میرے سوالوں کا جواب دیتا رہا۔ اس نے میرا حال دریافت کیا۔ میں نے اسے حقیقت بتائی۔ جب اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور امیر خسرو کا نام سنا تو خفا ہوگیا۔ کہنے لگا کہ "یہ دونوں بے دین ہیں۔ علانیہ گانا سنتے ہیں اور قوالوں کی مجلسوں میں ناچتے ہیں حالانکہ اسلامی شریعت میں مسلمانوں پر گانا اور باجا سننا حرام ہے۔ امیر خسرو کے پیر' لوگوں سے اپنی تعظیم کرواتے ہیں۔ انہوں نے مکر اور فریب کا جال بچھا رکھا ہے۔"

مجھے اس کی باتیں سن کر بہت غصہ آیا۔ میں نے کہا:

"بس! اپنی زبان بند کرو۔ میں اس سے زیادہ ان کے خلاف سننا نہیں چاہتا۔"

دکاندار نے تعجب سے مجھ کو دیکھا' پھر کہنے لگا:

"تم ابھی کہتے تھے کہ تم ہندو ہو۔ پھر تمہیں ایک مسلمان فقیر سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟"

میں نے اسے جواب دیا:

"میں دکن سے محض انہی کی زیارت کرنے کے لئے دلی آیا ہوں۔ میں نے ان کی مجلس کو دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں۔ ان کے مقبول مرید امیر خسرؔو کے یہاں کل رات کو میں رہا تھا۔ میں نے ان سب میں کوئی بات مکر و فریب کی نہیں دیکھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ لوگ امیر خسرؔو کے پیر کے سامنے اپنا سر تعظیم کیلئے جھکاتے ہیں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے' کیونکہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اور گانے کی نسبت بھی مجھے خبر نہیں کہ وہ اسلامی شریعت میں اچھا ہے یا برا۔ مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ امیر خسرؔو اور ان کے پیر میں کوئی بات مکر و فریب کی نہیں ہے۔"

پھر میں نے اس دکاندار سے سوال کیا:

"کیا تم کبھی امیر خسرؔو کے پیر کے پاس گئے ہو اور تم نے ان کی مجلس کو دیکھا ہے؟"

دکاندار نے میرا یہ سوال سن کر کہا:

"میں ایسے شخص کی مجلس میں جانا گناہ سمجھتا ہوں جو لوگوں سے اپنی تعظیم کراتا ہو اور گانا اور باجا سنتا ہو۔"

میں نے اس دکاندار سے کہا:

"تم وہاں ایک دفعہ جاؤ اور ان کو دیکھو۔ سنی سنائی باتوں پر رائے قائم کرنا عقلمندی نہیں۔ مجھے دیکھو۔ میں ہندو ہوں اور اتنی دور سے ان کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ میرا گھر دلی سے ہزار کوس کے قریب ہے۔"

دکاندار نے مجھ سے پوچھا:

"تم نے انہیں بغیر دیکھے اتنا بڑا سفر کیوں کیا؟"

میں نے اسے جواب دیا:

"ان کے ایک مرید سے حالات سنے اور میرے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی۔"

دکاندار نے میری یہ بات سن کر کہا:

"گویا تم نے بھی محض سنی سنائی بات پر یقین کرلیا' حالانکہ ابھی مجھ سے کہتے تھے کہ سنی سنائی بات پر رائے قائم کرنا عقلمندی نہیں۔"

اس بات سے میں کچھ لاجواب سا ہوگیا' مگر فوراً ہی اس سے کہا:

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں ہندو ہوں' مسلمان نہیں! مگر امیر خسرو کے پیر کے ذکر میں کچھ ایسا اثر تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ یہ مجھے ہزار کوس سے کھینچ لایا۔"

تب' دکاندار نے مجھ سے یوں کہا:

"اب تم بتاؤ کہ تم نے امیر خسروؔ کے پیر کی مجلس دیکھی۔ ان کی باتیں سنیں۔ کیا تم نے اپنے ہندو مذہب کے موافق کوئی بات وہاں پائی۔"

میں نے دکاندار کو جواب دیا:

"وہاں ہندو مذہب کے موافق کوئی بات پائی نہ مخالف۔ لیکن انہیں دیکھنے کے بعد دل پر اتنا اثر ہوگیا کہ میں سمجھتا ہوں سفر کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔"

دکاندار بولا:

"امیر خسروؔ کی ماں ہندو ہے' اس لئے وہ ہندوؤں کی بہت حمایت کرتا ہے۔ اس نے ایک شعر میں کہا ہے:

خلق می گوید کہ خسروؔ بت پرستی می کند
آرے آرے می کنم با خلق و عالم کار نیست

(خلق کہتی ہے کہ خسروؔ بت پرستی کرتا ہے۔ ہاں' ہاں میں ایسا کرتا ہوں۔ مجھے دنیا والوں سے کوئی کام نہیں ہے۔)

تم بھی بت پرست ہو' تمہارا دوست خسروؔ بھی بت پرست ہے اور اس کا پیر بھی کچھ ایسا ہی ہوگا۔ اس لئے تم اس کے گرویدہ ہوگئے۔"

اب میں اپنے غصے کو نہ دبا سکا۔ دکاندار سے کہا:

"میں زیادہ ٹھہرنا نہیں چاہتا۔ مجھے بہت صدمہ ہوا کہ میں یہاں کیوں ٹھہرا۔ نہ ٹھہرتا' نہ تم سے ایسی باتیں سننی پڑتیں۔"

دکاندار ہنس کر کہنے لگا:

"میں صاف اور کھرا آدمی ہوں۔ تم مسافر اور اجنبی ہو۔ پھر مسلمان حکومت کے ذمی ہو لہٰذا تمہیں برائی سے بچانا ضروری سمجھا۔"

میں نے اس کی بات سن کر پوچھا کہ "ذمی کا کیا مطلب ہے؟" اس نے بتایا کہ "غیر مسلم

شخص جو اسلامی حکومت میں رہتا ہو اور اس کی حفاظت حکومت پر فرض ہو۔"

تب میں نے دکاندار سے کہا:

"میں نے لفظ ذمی آج تم سے سنا اور اس کا مطلب سمجھا اس واسطے تم میرے استاد ہوئے۔ چلتے چلتے میں تم سے دوبارہ درخواست کرتا ہوں کہ تم ایک دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مجلس میں جاؤ۔ چونکہ تم نے مجھے ذمی سمجھ کر نیک نیتی سے مجھے فائدے کی بات بتائی لہٰذا اس کی شکرگزاری میں ضروری سمجھتا ہوں کہ تمہیں بھی غلط فہمی سے بچاؤں۔"

"اچھا' میں شام کو ضرور جاؤں گا۔ مگر تم اس کا وعدہ کرو کہ اگر مجھ سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو میری مخالفت کا ذکر نہ کرنا تاکہ میں دیکھوں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو میرے خیالات کی خبر ہوتی ہے یا نہیں۔"

"میں شام تک تمہارے پاس ٹھہرتا ہوں۔ پھر اکٹھے ہم دونوں وہاں چلیں گے اور میں ایسی جگہ بیٹھوں گا کہ حضرتؒ کی نگاہ مجھ پر نہ پڑے اور تم مجھے دیکھتے رہو۔" میں نے دکاندار سے کہا اور وہیں ٹھہر گیا۔

# حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کی کرامت

شام کے وقت ہم دونوں خانقاہ میں داخل ہوئے۔ بہت بھیڑ تھی۔ مجلس میں جگہ نہ تھی۔ میں سب کے پیچھے بیٹھ گیا۔ مگر دکاندار سیدھا حضرتؒ کے سامنے گیا اور سلام کرکے بیٹھ گیا۔ مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ دوسرے لوگوں نے بھی برا محسوس کیا۔ مگر حضرتؒ نے نہایت محبت سے اسے پاس بلا کر بٹھایا اور فرمانے لگے:

"تم غالباً اسی شہر کے رہنے والے ہو؟"

دکاندار نے کہا:

"حدیث میں آیا ہے یہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور ہر مسلمان اس دنیا میں مسافر ہے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا:

"ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے تم نے حدیث یاد دلائی' بڑا احسان کیا۔ میں بھی جب گانا سنتا ہوں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث یاد آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ دو لڑکیوں کا گانا سن رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں آئے اور انہوں نے ان لڑکیوں کو گانے سے روکا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور آج ان لڑکیوں کی عید کا دن ہے۔"

جب حضرتؒ نے یہ بات پوری کی تو دکاندار نے مجھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر خوف طاری تھا۔ اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ اور اس کے رسولؐ کے کلام کو یاد رکھے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ قرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ

حضرت یوسفؑ کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا۔ مگر ایسا کوئی حکم قرآن میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی آدمی کے سامنے ایسا **تعظیمی** سجدہ نہ کرنا چاہیے جیسا کہ فرشتوں نے آدم کو کیا تھا اور حضرت یعقوبؑ پیغمبر نے اپنے بیٹے کو کیا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عبادت کے سجدے میں اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہے۔ اگر فرشتوں کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہوتا تو خدا فرشتوں کو حکم دے کر شرک نہ کراتا۔ اگر تعظیم کا سجدہ ناجائز ہوتا تو یعقوبؑ پیغمبر اپنے بیٹے کو سجدہ نہ کرتے۔ ہم درویشوں کے مسلک میں ادب اور تعظیم ہی سب سے بڑی چیز ہے۔ اس سے اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحب امر ہوں، ان کی اطاعت کرو۔ پس جو لوگ اپنے پیروں کے آگے تعظیماً" جھکتے ہیں، وہ عبادت نہیں کرتے، بلکہ تعظیم کا اظہار کرتے ہیں جس سے ان میں اطاعت پیدا ہوتی ہے۔ پیر کی اطاعت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پیدا ہوتی ہے، رسولؐ اللہ کی اطاعت سے خدا کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور خدا کی اطاعت سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔"

حضرت" کی یہ باتیں سن کر دکاندار نے ایک چیخ ماری۔ وہ آپ کے قدموں میں سر رکھ کر چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ روتا تھا اور کہتا تھا کہ "میں بڑی گمراہی میں تھا، مجھے معاف کیجئے۔"

حضرت" نے اپنے پیر زادے خواجہ سید محمد سے جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے، فرمایا:

"ان کو اٹھاؤ۔ انہیں پانی پلاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ ان کے واسطے حلوا لاؤ۔ انہوں نے ہم کو حدیث یاد دلائی، قرآن یاد دلایا اور ہم پر بہت احسان کیا ہے۔"

آپ نے اس کے بعد فرمایا کہ "وہ ہندو مہمان ہردیو کہاں ہے؟" میں یہ سن کر پچھلی قطار میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا "غلام یہاں حاضر ہے۔"

حضرت" نے میری طرف دیکھا۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ مجھ سے آپ نے فرمایا:

"ہم سب خدا کے ذمی ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا ذمی نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کی ویسی حفاظت کرسکے جیسی خدا! اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔"

دکاندار نے پھر ایک چیخ ماری۔ وہ ایک مرغ بسمل کی طرح صحن میں لوٹنے لگا۔ اتنے میں خواجہ سید محمد کچھ کھانا، پانی اور حلوا لے کر آگئے۔ حضرت" نے دکاندار کو قریب بلایا اور اپنے ہاتھ سے روٹی کا ایک نوالہ اس کے منہ میں دیا۔ پھر دکان دار نے وہیں کھایا پیا اور دونوں ہاتھ

باندھ کر کہا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"یہ محمد میرے پیر کا نواسہ ہے اور میرا بیٹا ہے۔ تم اس سے بیعت کرو۔"

پھر آپ نے خواجہ محمد کو حکم دیا کہ اپنے مہمان کو لے جاؤ اور رات اپنے یہاں ٹھہراؤ۔ اس کی بیعت قبول کرو اور تعلیم دو۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

"ہردیو! تم بھی محمد کے مہمان کے ساتھ آج رات محمد کے گھر میں قیام کرنا۔"

میں کھڑا ہوا اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ مخدوم کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ پھر ہم دونوں خواجہ سید محمد کے مکان پر گئے جو خانقاہ سے قریب ہی تھا۔

# چشتیہ سلسلہ کی وجہ تسمیہ

جب ہم خواجہ سید محمد کے گھر پہنچے تو شام کی نماز کا وقت ہوگیا۔ میزبان اور دکاندار نے مل کر نماز پڑھی۔ پھر خواجہ صاحب نے مہمان کو مرید کر لیا۔ بعد ازاں، ہمیں بتایا کہ یہ سلسلہ چشتیہ کیوں کہلاتا ہے:

"ہمارا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت ظاہری کی تعلیم تو سب کو دی مگر باطنی روحانیت کی تعلیم صرف حضرت علیؓ کو دی۔ حضرت علیؓ کے روحانی جانشین حضرت خواجہ حسن بصریؒ تھے۔ ان کے جانشینوں کا سلسلہ (شجرہ) حسب ذیل ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی ابن ابی طالبؓ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ

حضرت فضیل بن عیاضؒ

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ

حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ

حضرت خواجہ ہبیرہ البصریؒ

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتیؒ

حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ

حضرت خواجہ محمد چشتیؒ

حضرت خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتیؒ

حضرت خواجہ محمد مودود چشتیؒ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی اجمیریؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ

حضرت خواجہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ

حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء سلطان المشائخؒ

گویا یہ خاندان حضرت خواجہ ابو اسحاق کے وقت سے چشتیہ مشہور ہوا کیونکہ وہ اور ان کے بعد کئی بزرگ چشت میں رہتے تھے۔ چشت ہرات کے پاس ایک مشہور مقام ہے۔ بلخ بھی اس کے قریب ہے۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے پہلے بزرگ حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ آئے تھے۔"

یہ سب تفصیل سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ پھر میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کہاں رہتے تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے جواب دیا:

"حضرت بابا فریدؒ میرے حقیقی نانا تھے اور اجودھن[1] میں رہتے تھے۔ ان کے بزرگ کابل کے حاکم تھے۔ وہ کابل سے ہندوستان آئے تھے۔"

میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا کہ آپ کے والد کون تھے؟ انہوں نے کہا:

"ان کا نام سید بدر الدین اسحٰق تھا۔ ان کے والد سید علی غزنی میں رہتے تھے۔ میرے والد غزنی سے پہلے دہلی آئے۔ اس کے بعد اجودھن میں جا کر حضرت بابا صاحبؒ کے مرید ہوئے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کی شادی ان کے ساتھ کر دی تھی۔"

پھر میں نے خواجہ صاحب سے کہا:

"یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضور سلطان المشائخ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ کے بزرگ کہاں سے آئے تھے اور کون تھے؟"

خواجہ صاحب نے مجھے حضرت کے متعلق پوری تفصیل بتائی۔

---

ا۔ آج کل اس مقام کو پاک پتن کہتے ہیں۔

# حضرت محبوب الٰہیؒ کا حال

حضرت بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے دادا اور نانا سید علی اور سید عرب دو بھائی تھے جو بخارا میں رہتے تھے۔ مغلوں کا حملہ ہوا تو ہندوستان آئے اور لاہور میں ٹھہرے۔ وہاں سید علی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔ سید عرب کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور زلیخا نام رکھا گیا۔ پھر یہ خاندان لاہور سے بدایوں میں آ کر آباد ہوا۔ وہاں سید احمد اور بی بی زلیخا کی شادی ہوئی۔ ان کے ہاں لڑکے کی ولادت ہوئی جن کا نام سید محمد رکھا گیا۔ انہی سید محمد کا نام سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ پانچ برس کی عمر میں یتیم ہوگئے۔ والدہ نے سوت کات کات کر بڑی مشکل سے حضرت کو اور ان کی بہن بی بی جنت کو پالا تھا۔ جب حضرت بدایوں میں فارغ التحصیل ہوگئے اور دستار بندی ہوگئی تو آپ کی والدہ نے ارادہ کیا کہ دہلی جا کر مولانا شمس الملک محدث سے آپ کو حدیث پڑھوائیں۔ اس وقت سولہ سال کے تھے۔ لہٰذا حضرت کو لے کر دہلی آگئیں۔ اور حدیث کی تکمیل کرائی۔

جب آپ کو حدیث کی سند مل گئی تو والدہ صاحبہ نے فرمایا:

"اب تم کو روزی کی تلاش کرنی چاہیے۔ شہر کے قاضی کا انتقال ہوگیا ہے۔ جاؤ، کوشش کرو کہ یہ عہدہ تم کو مل جائے۔ شیخ نجیب الدین متوکل[1] کے پاس جاؤ تاکہ وہ بادشاہ کے ہاں سفارش کر کے تم کو قاضی کا عہدہ دلوا دیں۔"

حضرت والدہ کے ارشاد کے بموجب میرے نانا کے پاس تشریف لے گئے۔ ان سے یہ نہیں کہا کہ نوکری کے لئے سفارش کردیجئے بلکہ یہ التجا کہ یہ "دعا فرمایئے، میں کسی جگہ کا قاضی بن جاؤں۔" حضرت متوکل نے انہیں غور سے دیکھا اور فرمایا:

"میاں قاضی نہ بنو، کچھ اور بنو۔ میرے بھائی فرید الدین شکر گنجؒ کے پاس اجودھن جاؤ۔"

تب، حضرت اپنی والدہ کے پاس آئے اور ان سے اجازت لے کر اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ میرے نانا کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر کھڑے ہوگئے، گلے لگا لیا اور یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیری جدائی کی آگ نے بہت سے دلوں کو کباب کر رکھا تھا اور تیرے اشتیاق کے سیلاب نے بہت سی جانوں کو خراب کر رکھا تھا۔)

اس کے بعد نانا نے میرے والد مولانا سید بدر الدین اسحٰق سے فرمایا:

"مولانا! تم بھی دہلی کے ہو، مولانا نظام الدین بھی دہلی کے ہیں۔ ان کو اپنا مہمان بناؤ اور پیر کے آداب سکھاؤ۔"

چنانچہ حضرت میرے مکان میں ٹھہرے۔ پھر تھوڑے عرصے کے بعد آپ کی بیعت ہوئی اور دہلی کی خلافت مل گئی۔

حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کی خدمت میں ملا یوسف نامی ایک شخص رہتے تھے جو بارہ سال سے آپ کی خدمت میں مصروف تھے۔ ان کو اب تک کہیں کی خلافت نہیں ملی تھی۔ جب بابا صاحب نے تھوڑی سی مدت میں حضرت محبوب الٰہیؒ کو خلافت دے دی تو ملا یوسف کو رشک پیدا ہوا اور شکایت کی کہ اس پردیسی کو اتنی جلدی نعمت مل گئی اور میں بارہ سال سے پڑا ہوا ہوں اور محروم ہوں۔ بابا صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ کے سامنے اینٹوں کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ایک چھوٹے سے بچے کو پاس بلا کر کہا کہ ان اینٹوں میں سے ایک اینٹ ہمارے لئے اٹھا لاؤ۔ وہ بچہ گیا اور ایک اچھی سی اینٹ اٹھا لایا اور آپ کے سامنے رکھ دی۔ پھر بابا صاحب نے کہا کہ ایک اینٹ مولانا نظام الدین دہلوی کے لئے بھی اٹھا لاؤ۔ وہ بچہ حضرت کے لئے بھی ایک اچھی سی اینٹ اٹھا لایا۔ تیسری مرتبہ بچے سے کہا کہ ایک اینٹ ملا یوسف کے لئے اٹھا لاؤ۔ وہ بچہ پھر گیا اور غور سے سب اینٹوں کو دیکھا۔ پھر ڈھونڈ کر ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ اٹھا لایا اور اسے ملا یوسف کے آگے رکھ دی۔ تب حضرت بابا صاحب نے فرمایا: "دیکھو! جس کا جتنا حصہ ہوتا ہے اتنا ہی پہنچتا ہے۔"

پھر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے مولانا نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی کی خلافت عطا فرمائی اور سند دی۔ پھر یہ فرمایا:

"میرے پہلے خلیفہ مولانا جمال الدین ہانسویؒ کے پاس جاؤ۔ جب تک وہ اس سند کی تصدیق نہیں کریں گے، تمہاری خلافت مکمل نہیں ہوگی۔"

چنانچہ حضرت اپنے پیر کے حکم سے اجودھن سے ہانسی آئے۔ مولانا نے سند دیکھی تو اس پر یہ فقرہ لکھ دیا: "گوہر سپردہ بگوہر شناس۔" (موتی اسے سونپا گیا ہے جو اس کی قدر جانتا ہے۔) وہاں سے ہمارے حضرت دہلی آئے۔ آپ پہلے والدہ کے ساتھ ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے رہتے تھے۔ جب خلافت لے کر آئے تو سینکڑوں لوگوں نے بیعت کی۔ ان میں امیر خسروؒ بھی تھے۔ مرید ہونے کے بعد امیر خسروؒ نے حضرت کو اپنے نانا کے مکان میں رہنے کی دعوت دی جسے آپ نے قبول کرلیا۔

امیر خسروؒ پٹیالی اپنی جاگیر پر گئے ہوئے تھے۔ ان کے غیاب میں ان کے ماموں نے حضرت سے مکان خالی کردینے کو کہا۔ چنانچہ حضرت سب کو لے کر ایک مسجد میں آگئے۔ وہاں سعد کاغذی آیا اور حضرت کو اپنے مکان میں لے جانے کی درخواست کی۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے جواب دیا:

"تم بھی کسی جاگیر پر جاؤ گے اور تمہارے رشتہ دار مجھ کو تمہارے گھر سے نکال دیں گے۔ اب تو میں ایسے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی نکالا نہیں جاتا۔"

جس وقت خواجہ سید محمد نے یہ فقرہ کہا تو دکان دار نے ایک چیخ ماری اور رونے لگا۔ اس پر حضرت کے مذکورہ جملے کا بہت اثر ہوا تھا۔

خواجہ سید محمد نے بتایا کہ حضرت نے سعد کاغذی کی درخواست قبول فرمائی اوراس کے مکان میں آکر کچھ دن ٹھہرے۔ جب یہ خانقاہ بن گئی تو آپ یہاں تشریف لے آئے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے مجھے اور ہتھیار فروش (دکاندار) کو حضرت کے بارے میں بہت سی باتیں بتائیں۔

---

۱۔ شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا شکر گنجؒ کے بھائی تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔ ان کا بادشاہ کے یہاں بہت اثر و رسوخ تھا۔

# حضرت کے بچپن کے واقعات

حضرت کی والدہ نے ایک رات خواب دیکھا۔ کوئی کہتا ہے کہ بیٹا چاہتی ہے یا خاوند؟ والدہ نے جواب دیا بیٹا چاہتی ہوں۔ یہ خواب دیکھتے ہی آنکھ کھل گئی۔ حضرت سید احمد یعنی حضرت کے والد اسی مکان میں سو رہے تھے۔ یکایک ان کی آواز سے ایسا معلوم ہوا کہ وہ کچھ بیمار ہیں۔ حضرت کی والدہ فوراً اٹھ کر ان کے پاس گئیں۔ دیکھا کہ شدت کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ فوراً اپنے خواب کا خیال آیا اور افسوس کرنے لگیں کہ میں نے کیوں کہہ دیا کہ بیٹا چاہتی ہوں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ خواب کی باتیں کسی کے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ جو مشیت کو منظور تھا وہی جواب منہ سے نکلا۔ اس خیال سے آپ کو تسلی ہوگئی۔

حضرت کے والد دو تین دن بیمار رہے۔ پھر ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت حضرت کی عمر پانچ برس کی تھی۔ گھر میں چار آدمی کھانے والے تھے' ایک حضرت' ایک آپ کی والدہ' ایک بہن اور ایک ملازمہ۔ خرچ کا کوئی ساز و سامان نہ تھا۔ لہٰذا حضرت کی والدہ' بہن اور ملازمہ تینوں چرخہ چلا کر سوت کاتا کرتیں۔ اس طرح گزارہ ہوتا۔

ایک دن جب حضرت مکتب جانے لگے تو والدہ نے فرمایا:

والدہ : دیکھو محمد! آج ہم خدا کے مہمان ہیں۔

حضرت: خدا کی مہمانی کا کیا مطلب ہے؟

والدہ : جب کسی گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں ہوتی اور گھر والوں کو فاقہ ہوتا ہے' اس دن وہ سب خدا کے مہمان ہوتے ہیں۔

حضرت : کیا ایسے گھر میں خدا کھانا بھیجتا ہے۔

والدہ : ہاں! خدا کے ہاں سے روح کی غذائیں آتی ہیں مگر وہ دنیا کے کھانوں کی طرح

نہیں ہوتیں۔ وہ غذا باطن میں نور پیدا کرتی ہے۔ اس سے دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ آج جب تم مکتب جاؤ اور امیروں کے بچے اپنا کھانا کھانے لگیں جو ان کے ملازم گھر سے لائے ہیں' اس وقت تم ان سب سے الگ اس طرح بیٹھ جانا کہ نہ تم ان کے کھانے کو دیکھ سکو اور نہ وہ تم کو دیکھ سکیں کہ تم کھانا نہیں کھا رہے ہو۔

چنانچہ حضرت نے ایسا ہی کیا۔ مگر بدایوں کے کوتوال کا لڑکا مکتب میں آپ کے برابر بیٹھا کرتا تھا۔ اس سے حضرت کی بہت دوستی تھی۔ اس نے جب آپ کو سب کے ساتھ کھانے میں شریک نہ دیکھا تو ڈھونڈتا ہوا اس جگہ آیا جہاں حضرت چھپے بیٹھے تھے۔ اس نے کہا "چلو محمدؐ! کھانا کھا لو۔ کیا تمہارے گھر سے اب تک کھانا نہیں آیا۔" حضرت نے جواب دیا کہ "میں اس وقت کھانا نہیں کھاؤں گا۔ یہ بات والدہ کو معلوم تھی' یہی وجہ ہے کہ گھر سے کھانا نہیں آیا۔" کوتوال کا لڑکا یہ سن کر واپس اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا۔

گھر آ کر حضرت نے والدہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے آپ کو گلے لگایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا:

"بیٹا! تم سید ہو اور سید بھوک میں صبر کرتے ہیں' اپنا کھانا بھوکوں کو کھلا دیتے ہیں اور اپنا کپڑا ننگوں کو دے دیتے ہیں۔"

جب دوسرے دن حضرت مکتب جانے لگے تو تیسرا فاقہ تھا۔ اس روز بھی گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہ تھی۔ والدہ نے پھر چلتے وقت فرمایا:

"بابا محمدؐ! آج بھی ہم خدا کے مہمان ہیں۔"

اس کے بعد کا واقعہ خواجہ سید محمد نے خود حضرت کی زبانی بیان کیا:

"والدہ کی یہ بات سن کر بھوک کی تکلیف جاتی رہی۔ اس وقت میری عمر چھ برس کی تھی۔ میں مکتب میں کھانے کے وقت آج بھی دوسرے بچوں سے الگ جا بیٹھا۔ کوتوال کا لڑکا پھر مجھے بلانے آیا اور کھانے کے لئے اصرار کیا۔ میں آج کوئی عذر نہ کر سکا۔ خاموش رہا۔ مگر بھوک کی تکلیف کے سبب میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کوتوال کا لڑکا سمجھا کہ میں اپنے گھر سے خفا ہو کر آیا ہوں' اس لئے اس نے کہا کہ آج میری اماں نے بڑا اچھا حلوہ پکا کر بھیجا ہے۔ چلو میں تم کو کھلاؤں گا۔ میرے منہ سے بے اختیار یہ بات نکل گئی کہ جب میرے ابا زندہ تھے تو میری اماں بھی بڑا اچھا حلوہ بنایا کرتی تھیں۔ کوتوال کے لڑکے نے پوچھا کہ جب سے تمہارے ابا مرے ہیں تمہاری اماں نے کبھی حلوہ نہیں بنایا؟ یہ سوال سن کر میں نے خود کو سنبھالا اور چاہا کہ ایسا

جواب دوں کہ جھوٹ بھی نہ ہو اور فاقے کا پردہ بھی فاش نہ ہو۔ اس لئے میں نے کہا کہ تم ان سوالوں کو چھوڑو اور کھانا کھاؤ۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔ کوتوال کا لڑکا نہ مانا اور مجھے زبردستی کھینچ کر لے گیا۔ اس کے اصرار کرنے پر میں نے اس کے ساتھ روٹی حلوہ کھایا۔ مگر مجھے اس بات کا صدمہ تھا کہ میری والدہ اور بہن وغیرہ نے کل سے کچھ نہیں کھایا اور میں نے یہاں کیوں کھا لیا۔"

جب شام کو حضرت گھر آئے تو والدہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"کچھ حرج نہیں! تم نے اگر اپنے دوست کے اصرار سے کھانا کھا لیا تو کچھ برا کام نہیں کیا۔ خدا نے آج ہم کو رزق بھیج دیا ہے۔ ملازمہ بازار میں سوت بیچ کر لائی ہے۔ اب ہمارے پاس اتنا خرچ ہوگیا ہے کہ ہم کل تمہارے لئے حلوہ بھی بنائیں گے۔ تم اپنے ساتھ مکتب لے جانا اور کوتوال کے لڑکے کو بھی کھلانا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں کوتوال کے آدمی حضرت کے گھر غلہ، کپڑا، شکر اور گھی لے کر آئے اور کہا کہ کوتوال صاحب نے نذر بھیجی ہے۔ والدہ یہ دیکھ کر رونے لگیں اور فرمایا:

"یہ سب چیزیں واپس لے جاؤ۔ مجھے ایسی نذر کی ضرورت نہیں۔"

کوتوال کے آدمیوں نے ہرچند اصرار کیا مگر حضرت کی والدہ نے وہ چیزیں قبول نہ کیں اور واپس کردیں۔ جب آدمی سامان لے کر چلے گئے تو والدہ صاحبہ نے حضرت اور ان کی بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہدیہ لینا سنت ہے مگر میں نے نذر واپس کردی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے خیال آیا کہ کوتوال کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا ہوگا کہ ہم روزی کی تکلیف میں ہیں۔ لہٰذا میں نے سیدوں کی غیرت کے خلاف سمجھا کہ کوتوال کی امداد قبول کروں۔ اگر میں چاہتی تو اپنے باپ کے ہاں سے کچھ منگا لیتی مگر جب سے تمہارے باپ کا انتقال ہوا ہے میں نے کبھی اپنے والدین کے گھر سے کچھ نہیں منگایا۔ میں چاہتی ہوں کہ سیدوں کی طرح صبر و شکر سے زندگی بسر کروں، اپنی محنت کی روزی کھاؤں اور تم بچوں کو کھلاؤں۔ اگر کوتوال سے میں یہ چیزیں لے لیتی تو کل میرا بچہ محمد کوتوال کے لڑکے کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتا اور وہ یہ سمجھتا کہ آج محمد جو حلوہ اور کھانا لایا ہے، یہ میرے گھر کی خیرات کا ہے۔"

دوسرے دن حضرت کھانا اور حلوہ لے کر مکتب گئے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ بھی

بچوں کے ساتھ شریک ہوئے اور اصرار کر کے کوتوال کے لڑکے کو حلوہ کھلایا۔ اس نے آہستہ سے آپ کے کان میں کہا:

"تمہاری اماں نے ہماری نذر کیوں واپس کر دی؟"

حضرت نے جواب دیا:

"تم نے شاید اپنے ابا سے ہماری غریبی کا حال بیان کیا ہوگا۔ اس واسطے والدہ کو غیرت آئی۔"

☆ ☆ ☆

## پیر کا ذکر

ایک دن حضرت کے استاد کے پاس ملتان سے ایک قوال آیا۔ اس نے حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی سہروردیؒ کی بہت تعریف کی اور کہا کہ وہ ایسے عابد ہیں کہ ان کے گھر کی لونڈیاں بھی چکی پیتے وقت ذکر الٰہیؒ کرتی ہیں۔ اس کے بعد قوال نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کا ذکر کیا، مگر ان کی کچھ زیادہ تعریف نہ کی۔

لیکن عجیب بات یہ کہ حضرت کے دل میں بابا صاحب کی محبت پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ جب مکتب کے لڑکے آپ سے کہتے کہ قسم کھاؤ اور آپ قسم کھاتے تو دوسرے بزرگوں کی قسم کھاتے۔ آپ حضرت بابا صاحب کی قسم نہ کھاتے۔ لڑکوں کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی، اس لئے وہ اصرار کرتے تھے کہ آپ حضرت بابا فریدؒ کی قسم کھائیں۔ مگر حضرت جواب دیتے:

"یہ قسم تو میں ہرگز نہ کھاؤں گا۔"

☆ ☆ ☆

## حاکم کا جلوس

حضرت جب مکتب میں پڑھتے تھے تو بدایوں میں نئے حاکم کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ سب لوگ حاکم کے استقبال کے لئے شہر سے باہر گئے۔ آپ بھی گئے۔

حضرت نے دیکھا کہ حاکم کے گھوڑے کے آگے آگے بہت سے غلام لوگوں کو کوڑے مار مار کر ہٹاتے اور حاکم کی سواری کے لئے راستہ بناتے جاتے تھے۔ حضرت کو یہ بات اچھی نہیں

معلوم ہوئی۔ آپ نے اپنے ہم مکتب لڑکوں سے کہا:

"جیسا کہ یہ حاکم ایک آدمی ہے، ہم سب بھی ویسے ہی آدمی ہیں۔ اگر ہم اس کو دیکھنے آتے ہیں تو یہ غلام کوڑے کیوں مارتے ہیں۔ اگر حکومت ایسی ہی ہوتی ہے تو یہ بہت بری چیز ہے۔ اسلام نے تو سب مسلمانوں کو برابر کا بھائی بنایا ہے۔"

☆ ☆ ☆

## ہندو قیدی

ایک دن حضرت مکتب سے اپنے گھر جا رہے تھے۔ کوتوالی کے سامنے بہت سے آدمیوں کا مجمع دیکھا۔ آپ نے حقیقت معلوم کی۔ کہا گیا کہ قریب کے کسی ہندو راجہ نے مسلمان آبادی پر حملہ کیا تھا۔ ساری آبادی کو لوٹا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی مار ڈالا۔ شاہی فوج نے وہاں جا کر اس ہندو راجہ کو اس کی عورتوں اور بچوں سمیت پکڑ لیا۔ اب انہیں کوتوالی میں لا کر تحقیقات کر رہے ہیں۔ اس پر آپ نے پوچھا:

"کیا مسلمان بھی قیدیوں کی عورتوں اور بچوں کو مار ڈالیں گے؟"

کسی نے جواب دیا:

"نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ اسلام نے قیدی عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا ہے۔ دیکھو، اس راجہ کی بیوی اور لڑکا سامنے موجود ہیں۔"

تب، حضرت نے دیکھا کہ ایک عورت گھونگھٹ نکالے کھڑی تھی۔ آپ کی عمر کا ایک بچہ اس کے پاس کھڑا تھا۔ اس کے کانوں میں سونے کا بالا تھا۔ اس دن بہت سردی تھی۔ آپ روئی کا فرغل پہنے ہوئے تھے۔ مگر اس بچے کے پاس کوئی روئی دار کپڑا نہیں تھا۔ اس واسطے وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔ آپ نے بچے کے پاس جا کر فارسی زبان میں پوچھا:

"کیا تم کو سردی معلوم ہوتی ہے؟ میں اپنا فرغل تم کو دوں؟"

اس لڑکے نے حضرت کی بات نہیں سمجھی اور ڈر کے مارے اپنی ماں کے سہارے کھڑا ہوگیا۔ تب آپ نے ایک آدمی سے کہا:

"کیا تم ان ہندوؤں کی زبان جانتے ہو؟"

اس نے کہا کہ "ہاں میں کچھ بات کرلیتا ہوں۔"

تب حضرت نے اس آدمی سے کہا:

"اس ہندو عورت کو سمجھاؤ کہ تمہارے بچے کو سردی لگ رہی ہے۔ میرا فرغل اس کو پہنا دو۔"

اس آدمی نے عورت سے یہ بات کہی۔ اس نے جواب دیا:

"میں رانی ہوں اور یہ راجکمار ہے۔ ہم کسی کا دان (خیرات) نہیں لیتے۔"

یہ سن کر آپ کو بہت تعجب ہوا۔ پھر خیال آیا:

"میری والدہ نے بھی تکلیف کے باوجود کوتوال کا ہدیہ واپس کردیا تھا۔ اور یہ عورت بھی قیدی ہونے کے باوجود اپنے آپکو رانی سمجھتی ہے اور خیرات نہیں لیتی۔"

حضرت کو بچے پر بہت ترس آیا اور اپنا فرغل اتار کر اسے اوڑھا دیا۔ ہرچند اس کی ماں نے روکا، مگر آپ نہ مانے۔ بچے نے بھی سردی کی شدت کے سبب زیادہ انکار نہ کیا اور آپ کا دیا ہوا فرغل اوڑھ لیا۔

جب حضرت گھر واپس آئے تو والدہ نے فرمایا:

"محمد! تم نے اپنا فرغل کہیں گم کردیا۔"

آپ نے جواب دیا:

"نہیں اماں! میں نے وہ فرغل ایک ہندو قیدی بچے کو دے دیا جو سردی میں کانپ رہا تھا۔"

والدہ نے آپ کو شاباش دی اور فرمایا:

"سیدوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مگر بیٹا! تم کو یہ خیال نہ آیا کہ تمہارے پاس اس فرغل کے سوا اور کوئی گرم کپڑا نہ تھا۔ تم رات کو بھی وہی اوڑھتے تھے۔اب رات کو کیا اوڑھو گے؟"

کمسن نظام الدین نے جواب دیا:

"اماں ! مجھے اس وقت اس بچے کی تکلیف کے سوا اور کوئی بات یاد نہ تھی۔"

والدہ نے فرمایا:

"خدا تجھ کو سب کی تکلیفوں کا دور کرنے والا بنائے۔"

# دکھ بھری کہانیاں

ایک رات خواجہ مبشر نے آ کر کہا کہ حضرت نے خواجہ محمد اور مجھے طلب فرمایا ہے۔ میں آپ کی خانقاہ میں پہنچا۔ میرے ساتھ خواجہ سید محمد تھے۔ وہاں ہم دونوں کے علاوہ سید رفیع الدین ہارون' خواجہ حسن علاء سنجری اور خواجہ امیر خسرو بھی موجود تھے۔ اس رات حضرت کو بہت تیز بخار تھا اور آپ تکلیف میں تھے۔ ہم نے یہ طے کیا کہ اپنی اپنی زندگی کا کوئی قصہ سنائیں گے تاکہ حضرت کا جی بہل جائے۔ آپ نے اس عرض کو قبول فرمایا اور یہ ہدایت کی کہ کہنے والا اپنے کسی دکھ کا حال بیان کرے۔ پھر آپ نے مجھے ابتدا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے جھک کر تعظیم ادا کی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنا شروع کیا:

"جب ہندوستان کی فوج نے میرے ملک دیوگیر پر حملہ کیا تو ہمارا گھربار لوٹ لیا اور ہم سب کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اس زمانے میں میری عمر کم تھی۔ مگر سپاہیوں کو ہم پر رحم نہ آتا تھا۔ وہ ہم کو قید کی حالت میں بہت تکلیف دیتے تھے۔ ہم کو کھانا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتا تھا۔ مخدوم کے قدموں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو دکھ مجھے تین چار دن کی قید میں خلجی کے سپاہیوں کے ہاتھ سے اٹھانا پڑا' وہ میری ساری زندگی کے دکھوں سے بڑا دکھ تھا۔ اگرچہ صلح ہوجانے کے بعد ہم کو چھوڑ دیا گیا' لیکن مجھے جب اس قید کا خیال آتا ہے تو میں دنیا کی ہر خوشی کو بھول جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ خدا کسی کو کسی کا قیدی نہ بنائے۔" اتنا کہہ کر میں جھکا اور تعظیم ادا کر کے بیٹھ گیا۔

حضرت نے فرمایا:

"ہردیو! اس زندگی میں دکھ اسی واسطے آتے ہیں کہ آدمی سکھ کے وقت دکھ کو بھول نہ جائے اور سکھ کی کثرت سے اس میں گھمنڈ پیدا نہ ہو جائے۔"

اس کے بعد حضرت نے فرمایا:

"اب خواجہ محمد بیان کریں گے۔"

میری طرح خواجہ محمد نے بھی پہلے تعظیم ادا کی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے۔ پھر یوں عرض گزار ہوئے:

"جب اجودھن میں میرے نانا حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور میرے والد حضرت مولانا سید بدر الدین اسحٰقؒ کا انتقال ہوگیا اور مخدوم نے ہم دونوں بھائیوں اور ہماری والدہ کو اجودھن سے دلی بلوایا اور ہمیں یہاں ٹھہرانے کے بعد اجودھن تشریف لے گئے تو یہاں کے بعض آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ مخدوم اپنے پیر کی بیٹی یعنی تمہاری والدہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس واسطے تم سب کو بلوایا ہے۔ میں نے یہ بات اپنی والدہ سے جا کر کہی۔ وہ یہ سن کر رونے لگیں اور ان کو بخار ہوگیا۔ وہ کئی دن بیمار رہیں۔ ہم دونوں بھائی ان کی خدمت کرتے تھے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ اگرچہ مخدوم کے خادم خواجہ اقبال نے ہمارے کھانے پینے کا اچھا انتظام کیا تھا، مگر مجھے نانا یاد آتے تھے، باپ یاد آتے تھے اور ماں یاد آتی تھیں۔ آخر اس خیال سے ڈھارس بندھی تھی کہ اب ہمارے وارث مخدوم ہیں۔ اپنے پیر کے مزار کی زیارت کرکے واپس آئیں گے تو ہمیں تسلی دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب مخدوم واپس آئے تو ہم دونوں بھائیوں کی ایسی دلجوئی فرمائی کہ اب ہم کو نہ ماں باپ یاد آتے ہیں نہ نانا یاد آتے ہیں۔ البتہ وہ دکھ کا زمانہ گرچہ بہت تھوڑا تھا مگر کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتا ہے۔" یہ کہہ کر خواجہ سید محمد جھکے، تعظیم ادا کی اور دو زانو بیٹھ گئے۔

حضرت نے فرمایا:

"محمد! اس دنیا میں جب تعلقات ٹوٹتے ہیں تو خدا ایک ایسا تعلق عطا فرماتا ہے جو مشکلوں کو آسان کردیتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت نے اپنی بہن کے پوتے سید رفیع الدین ہارون کی طرف دیکھا۔ وہ بھی کھڑے ہوئے اور دست بستہ عرض کی:

"خدا مخدوم کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ مجھے تو آپ کے سائے میں کبھی کوئی دکھ پیش نہیں آیا۔ نہیں جانتا کہ کس دکھ کو مخدوم کی خدمت میں عرض کروں۔" اتنا کہہ کر تعظیم ادا کی اور بیٹھ گئے۔

حضرت نے فرمایا:

"تم جوان ہو۔ اور جوان کو ہر وقت نفسانی خواہشات سے بچنے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اور وہ خیال اتنا مضبوط ہو کہ سکھ کی زندگی میں یہ خیال ایک دکھ بن جائے۔"

اس کے بعد حضرت نے خواجہ حسن علاء سنجری کو دیکھا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر ہاتھ جوڑے اور عرض کی:

"مخدوم کی خدمت میں بچپن سے آتا ہوں۔ جوانی کے شروع میں بری صحبت کے سبب شراب پینے کی عادت ہوگئی تھی۔ اس زمانے میں جب یہاں حاضر ہوتا تو ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ مخدوم کا ضمیر روشن ہے، انہیں میرا عیب معلوم ہے اور جب مخدوم محبت سے میری طرف دیکھتے تو میں خیال کرتا کہ مخدوم آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے ملامت کر رہے ہیں۔ آخر سالہا سال کے بعد ایک دن مخدوم نے حوض شمسی کے کنارے مجھے شراب پیتے دیکھ لیا۔ میں نے نشے میں بے خود ہو کر عرض کیا کہ اگر اچھوں کی صحبت میں اچھا اثر ہوتا ہے تو وہ کہاں ہے۔ مجھ پر تو آپ کی اچھی صحبت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بھائی خسرو بھی حضور کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ پانی ہر بدبو دار چیز کی بدبو دور کر دیتا ہے مگر پانی مچھلی کی بو دور نہیں کرتا حالانکہ مچھلی ہر وقت پانی کے اندر رہتی ہے۔ اس میں قصور پانی کا نہیں مچھلی کی ذات کا ہے۔ یہ گفتگو سن کر آپ نے فرمایا: بابا حسن! صحبت میں تو بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ فقرہ سنتے ہی میں مخدوم کے قدموں میں گرا اور شراب سے توبہ کی اور اس وقت اپنا یہ شعر عرض کیا:

اے حسن توبہ آں زماں کردی
کہ ترا طاقت گناہ نماند

(اے حسن تو نے اس وقت توبہ کی جب تجھ میں گناہ کرنے کی طاقت نہ رہی۔)

پس مجھے اپنی زندگی میں سب سے بڑا دکھ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کا کتنا بڑا حصہ ایسے گناہ میں بسر ہوا۔" یہ کہہ کر حسن نے بھی تعظیم ادا کی اور بیٹھ گئے۔

حضرت نے فرمایا:

"ہاں، بڑا دکھ تھا۔ اور ہم کو تم سے زیادہ دکھ تھا۔ مگر حسن، اب جو معرفت کی شراب تم کو خدا نے مرحمت کی ہے، وہ سب سے بڑا سکھ ہے۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا:

"میرا ترک اب تک کچھ نہیں بولا۔"

خسرو بھی جھکے اور تعظیم بجا لا کر کھڑے ہوئے اور عرض کی:

"بول تو بس ایک ہی کا ہے اور وہی سب میں بول رہا ہے۔"

حضرت نے فرمایا:

"اور تجھ میں وہ کیوں کر بولا؟"

امیر خسرو نے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

"جب مخدوم کی غلامی کا شرف حاصل ہوا اور مخدوم نے میری درخواست پر میرے نانا کے مکان میں اپنے رفیقوں کے ساتھ رہنا قبول فرمایا اور میں پٹیالی اپنے نانا کی جاگیر پر کسی کام سے گیا تو میرے ماموں نے مخدوم کو مجبور کیا کہ ان کے گھر سے چلے جائیں۔ چنانچہ مخدوم اپنے سب رفیقوں کو ساتھ لے کر مسجد تشریف لے گئے۔ وہاں سعد کاغذی نے آ کر التجا کی کہ مخدوم اس کے مکان میں تشریف لے چلیں۔ تو مخدوم نے فرمایا کہ "تم بھی خسرو کی طرح اپنی کسی جاگیر پر چلے جاؤ گے اور تمہارے رشتہ دار مجھ کو گھر سے نکال دیں گے۔ اب تو میں ایسی ذات کے گھر میں آیا ہوں جو کسی کو اپنے دروازے سے نہیں ہٹاتی۔" بس یہ دکھ میری زندگی کا گھن بنا ہوا ہے۔ غیاث الدین بلبن' اس کے ولی عہد محمد خاں شہید' اس کے پوتے معز الدین کیقباد' سلطان جلال الدین خلجی اور سلطان علاء الدین خلجی کے درباروں میں میری ایسی عزتیں ہوئیں کہ دوسرے بڑے بڑے امیران پر رشک کرتے ہیں۔ مگر یہ ذلت سب سے بڑی اٹھانی پڑی کہ حضور کو میرے ماموں نے میرے گھر میں رہنے نہ دیا۔"

یہ سن کر حضرت کو جوش آگیا۔ آپ پلنگ پر بیٹھ گئے اور ہنس کر فرمایا:

"ہم سب کو اپنے نفس کی شرارتیں خانۂ تن سے نکال دینی چاہئیں۔ تیرے ماموں نے مجھے نہیں نکالا بلکہ میرے نفس کی اس برائی کو نکالا جو لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے سے میرے اندر پیدا ہوتی چلی تھی۔ اب جب بادشاہ اور امراء میرے آگے آ کر اپنا سر زمین پر رکھتے ہیں تو مجھے یاد آ جاتا ہے کہ میں وہی ہوں جس کو ایک ہندو نے اپنے گھر سے ذلیل حقیر سمجھ کر نکال دیا تھا۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا:

"آج کی ایک بات سنو۔ کوئی اجنبی میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ "دنیا میں سب سے زیادہ خوش نصیب آپ ہیں کہ جو نعمتیں بادشاہوں کو میسر نہیں ہیں' وہ سب لوگ آپ کے قدموں میں لا کر رکھتے ہیں۔ دنیا کے ہر آدمی کو طرح طرح کی فکریں لگی رہتی ہیں۔ مگر آپ کو نہ کھانے کی فکر ہے نہ کپڑے کی' نہ مکان کی فکر ہے نہ خدمت گاروں کی۔ بغیر فکر کے آپ

کے لئے ہر چیز گھر بیٹھے میسر ہے۔" مجھے اجنبی کی یہ بات سن کر رونا آگیا۔ میں نے اس سے کہا۔

"یہ سب نعمتیں اس واسطے لوگ مجھے دیتے ہیں کہ وہ کسی نہ کسی دکھ میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ لے کر آتے ہیں کہ میری دعا سے ان کا دکھ درد دور ہو جائے گا۔ اس طرح صبح سے شام تک اگر پچاس دکھیا بھی میرے پاس آئیں تو مجھے ان کے پچاس دکھ سننے پڑتے ہیں۔ اور جب میں ان کے دکھ دور ہونے کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں تو ہر ایک کا دکھ اپنے اوپر طاری کرتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی۔ پس جو آدمی رات دن سو پچاس دکھوں میں مبتلا رہتا ہو' اس کو نہ نعمتوں میں مزا آ سکتا ہے' نہ خدمتوں میں نہ اور کسی چیز میں۔"

حضرت نے یہ بات ایسے درد بھرے لہجے میں فرمائی کہ ہم پانچوں رونے لگے۔ اور حضرت بھی آبدیدہ ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"جاؤ۔ میرا بخار جاتا رہا۔ تم سب اپنے گھروں کو جاؤ۔"

# صبح کی باتیں

چونکہ رات خاصی دیر تک جاگتا رہا تھا اس لئے بہت دیر میں بیدار ہوا۔ دیکھا کہ خواجہ سید محمد عبادت میں مصروف ہیں۔ میں نے لیٹے لیٹے پوچھا کہ "کیا آپ رات کو بالکل نہیں سوئے؟" انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھی۔ میں سمجھا وہ مجھے بات کرنے سے منع کرتے ہیں' اس لئے میں چپکا ہوگیا۔ مگر ان کو دیکھتا رہا۔

وہ جانماز پر آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ ان کے سر پر لمبے بال تھے۔ کانوں کے پاس رخسار کی طرف چھوٹی چھوٹی زلفیں تھیں۔ وہ دونوں آنکھیں بند کئے دو زانو خاموش بیٹھے تھے۔ ان کی یہ ہیئت دیکھ کر مجھ پر بہت اثر ہوا۔ اس کے بعد خواجہ سید محمد نے کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کی۔ وہ جب نماز میں جھکتے تھے تو بہت دیر تک جھکے رہتے تھے۔ میں خیال کرتا کہ شاید وہ جھکے ہی رہیں گے۔ جب وہ اپنا سر زمین پر رکھتے تو بھی بہت دیر لگاتے۔ مجھے خیال آتا کہ شاید وہ سر نہیں اٹھائیں گے۔ جب تک وہ نماز پڑھتے رہے' میں ان ہی کو دیکھتا رہا اور اپنی ضروریات سے بالکل بے خبر رہا۔

نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے خود ہی مجھ سے بات کی۔ ان کی آنکھوں میں سرخی تھی اور چہرے پر بڑا نور تھا۔ سر کے بال بہت خوبصورت اور پیچ دار تھے۔ داڑھی مونچھ ابھی نہ نکلی تھی۔ انہوں نے کہا:

خواجہ محمد: ہردیو! تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے تھے' اب پوچھو۔

ہردیو: یہ پوچھنا تھا کہ کیا آپ ساری رات جاگتے رہے؟

خواجہ محمد: جب تک تم جاگے میں بھی جاگتا رہا۔ تم سوئے میں بھی سو گیا۔ مگر میں صبح کی نماز کے وقت اٹھ گیا۔

ہردیو: اب تو سورج بہت اونچا ہو گیا ہے۔ کیا صبح کی نماز آپ نے دیر سے پڑھی؟

خواجہ محمد: نہیں! صبح کی نماز تو میں نے وقت پر پڑھی تھی۔ اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی جو سورج نکلتے ہی پڑھی جاتی ہے۔ اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھی جو سورج چڑھ جانے کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ میرے حضرت نے مجھے یہ تین نمازیں سکھائی ہیں۔ دو صبح کی اور ایک شام کی جو مغرب کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اسے اوآبین کہتے ہیں۔

ہردیو: آپ آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے اور اسی حالت میں انگلی ہونٹوں پر رکھی تھی۔ مگر میں نے سنا ہے کہ نماز میں ایسا نہیں کرتے۔

خواجہ محمد: (ہنستے ہوئے) وہ نماز نہ تھی، مراقبہ تھا۔

ہردیو: مراقبہ کس کو کہتے ہیں؟

خواجہ محمد: عربی زبان میں رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ اور گردن جھکا کر خیال اور دل میں خدا کی یاد کو مراقبہ کہتے ہیں۔

ہردیو: ہم ہندوؤں میں اس کو سمادھی کہتے ہیں۔

خواجہ محمد: سمادھی کیا ہوتا ہے؟

ہردیو: گیتا میں لکھا ہے کہ ہمارے اوتار سری کرشن جی نے اپنے چیلے راجکمار ارجن کو بھگوان کی یاد کے چند طریقے بتائے تھے جس کو سمادھی کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ سمادھی کرنے والا اپنا منہ بند کر لیتا ہے، زبان تالو سے لگا لیتا ہے اور ناک سے اندر سانس لیتا ہے اور اس میں اوم کہتا ہے۔ پھر سانس کو کچھ دیر اندر روکے رکھتا ہے اور اوم کہہ کر سانس ناک سے باہر لاتا ہے۔

خواجہ محمد: ہمارے مراقبے بھی اسی قسم کے ہیں۔ ہم بھی سانس اور خیال کے اندر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ (پھر پوچھا) تمہارے سری کرشن جی کب تھے اور کون تھے؟

ہردیو: وہ ہزاروں برس پہلے تھے مگر ٹھیک ٹھیک مدت نہیں معلوم۔ وہ متھرا میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا ماموں کنس متھرا کا راجہ تھا۔ اس کی بہن دیو کی کرشن جی کی ماں تھیں۔ نجومیوں نے راجہ کنس سے کہا تھا کہ تیرا قاتل تیری بہن کا بیٹا ہوگا۔ لہٰذا کنس نے اپنی بہن اور ان کے خاوند کو نظر بند کر دیا تھا۔ جب اس کی بہن کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، کنس اس کو مروا دیتا تھا۔ جب سری کرشن پیدا ہوئے تو برسات کا

موسم تھا۔ بھادوں کی آٹھ تاریخ تھی۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور بارش ہو رہی تھی۔ آدھی رات کے وقت سری کرشن پیدا ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے خاوند داس دیو سے کہا کہ یہ بچہ بہت پیاری صورت کا ہے۔ سویرے میرا بھائی اس کو بھی مار ڈالے گا۔ لہٰذا تم اسے جمنا دریا کے پار گوکل میں لے جاؤ۔ وہاں گوپ اور گوپیاں رہتی ہیں۔ وہاں جسودھا نام کی ایک عورت رہتی ہے اور میرے پاس آیا کرتی ہے۔ اس سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب کے میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا تو تیرے پاس بھیج دوں گی۔ تو اسے پال لینا۔ لہٰذا تم یہ بچہ جسودھا کے پاس لے جاؤ۔ کرشن جی کے والد نومولود بچے کو گود میں لے کر باہر نکلے۔ بادل گرج رہا تھا' بجلی چمک رہی تھی اور پہرے والے سب بے خبر سو رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ دریا کے پار گئے اور جسودھا کو جگا کر بچہ اس کو دے دیا۔ بھگوان کی قدرت جسودھا کے یہاں بھی اسی روز لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے وہ لڑکی داس دیو کو یہ کہہ کر دی کہ دیوکی کو دے دینا تاکہ وہ اپنے بھائی سے کہہ سکے کہ میرے ہاں لڑکا نہیں' لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ راجہ کنس سے چونکہ نجومیوں نے کہا ہے کہ اس کا قاتل داس دیو کا لڑکا ہوگا' لہٰذا اس لڑکی کو نہیں مارے گا۔ چنانچہ داس دیو لڑکی کو لے کر گھر آئے اور بیوی کو دے دیا۔ صبح کو راجہ کنس نے سنا کہ میری بہن کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ تیرا قاتل آج رات کو پیدا ہونے والا ہے' لہٰذا اس کو شبہ ہوا کہ لڑکی کی خبر جھوٹی ہے۔ لڑکا پیدا ہوا ہوگا۔ خود بہن کے پاس آیا۔ جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ لڑکی ہی ہے تو پریشان ہوگیا۔ فوراً نجومیوں کو بلوایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ تو کہتے تھے کہ آج رات لڑکا پیدا ہوگا مگر وہ تو لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ نجومیوں نے کہا کہ ہمارا حساب غلط نہیں ہوسکتا۔ ہم دوبارہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے راجہ کے سامنے دوبارہ نجوم کا حساب کیا اور یہ کہا کہ حساب میں پھر لڑکا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ یہ بات سن کر کنس کو غصہ آگیا۔ بہن کی گود سے لڑکی کو چھین لیا اور دونوں پاؤں پکڑ کر ہوا میں چکر دیا' پھر پوری قوت سے زمین پر دے مارا۔ لڑکی گرتے ہی مر گئی۔ اس کا سر پاش پاش ہوگیا تھا۔ اس کے بعد راجہ کنس نے کہا کہ بے شک یہ لڑکی تھی مگر میرے دل کا وہم دور ہوگیا۔

ادھر کرشن جی جسودھا کی گود میں پلتے رہے یہاں تک کہ وہ بڑے ہوگئے۔ پھر گوپوں کی جماعت کو ساتھ لے کر اپنے ماموں پر حملہ کیا۔ راجہ کنس ان کے ہاتھ سے مارا گیا اور وہ خود متھرا کے راجہ بن گئے۔

اس کے بعد کنس کی بیوی کے بھائی راجہ جراسندہ نے اپنے بہنوئی کا بدلہ لینے کے لئے متھرا پر حملہ کیا۔ وہ بہت بڑا راجہ تھا۔ اس کی حکومت اودھ میں تھی۔ کرشن جی کو کبھی فتح ہوتی تھی کبھی شکست۔ اس طرح بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ آخر راجہ یدھشتر کے بھائی راجکمار بھیم اور راجکمار ارجن کے ساتھ کرشن جی بھیس بدل کر جراسندہ کو ملنے گئے۔ وہاں بھیم کی راجہ جراسندہ سے کشتی ہوئی جس میں بھیم نے راجہ کو مار ڈالا۔ اس کے بعد ہندوستان کی وہ مشہور لڑائی ہوئی جس کو مہا بھارت کہتے ہیں۔ اس لڑائی کے وقت کرشن جی نے اپنے چیلے ارجن کے سامنے جو تقریریں کیں ان کو ایک کتاب میں جمع کیا گیا ہے جس کا نام گیتا ہے۔ یہ کتاب ہم ہندوؤں میں مقدس مانی جاتی ہے۔

خواجہ محمد: تم نے ابھی کہا تھا کہ تم کرشن جی کو اوتار مانتے ہو۔ اوتار کس کو کہتے ہیں؟

ہردیو: ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جب دنیا میں کوئی خرابی پیدا ہو جاتی ہے تو بھگوان کسی انسان یا حیوان کی شکل میں ظاہر ہو کر ان خرابیوں کی اصلاح کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ہندو کرشن جی کو مانتے ہیں کہ بھگوان کی ذات نے ان کے اندر ظہور کیا تھا۔

خواجہ محمد: ہندو لوگ خدا کو ایک مانتے ہیں یا نہیں؟

ہردیو: وہ خدا کو ایک مانتے ہیں البتہ صفات کی نسبت ان کے آپس میں اختلافات ہیں۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب وید میں لکھا ہے کہ بھگوان ایک ہے، دوسرا نہیں۔ مگر ہندوؤں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ بھگوان میں صفات بھی ہیں اور اس کی شکل بھی ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہ بھگوان میں صفات ہیں نہ اس کی کوئی شکل ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ بھگوان کی صفات پیدائش، پرورش، ہلاکت ایک وجود میں جمع تھیں جس کو وہ شیو جی کہتے ہیں۔ اسی طرح جتنی دیویاں اور دیوتا ہیں ان میں کسی نہ کسی صفت یا طاقت کا ظہور مانتے ہیں۔ مثلاً مینہ برسانے کی طاقت اندر دیوتا میں، دولت دینے کی طاقت لکشمی دیوی میں، علم دینے کی طاقت گنیش دیوتا میں۔ اسی واسطے ہندوؤں کی کتابیں گنیش کے نام سے شروع ہوتی ہیں، یعنی کتاب شروع کرنے سے

پہلے وہ سری گنیش لکھتے ہیں۔

خواجہ محمد: ہندو لوگ کتنے دیوتا اور دیویاں مانتے ہیں؟

ہردیو: مجھے زیادہ تو نہیں معلوم، مگر سنا ہے ایسے کروڑوں دیوتا اور دیویاں ہیں۔

خواجہ محمد: جب بھگوان نے اپنی تمام صفات دیویوں اور دیوتاؤں کو بانٹ دی ہیں تو خود اس کے اختیار میں کیا چیز باقی رہی ہے؟

ہردیو: میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ مجھے اپنے مذہب کی بہت کم معلومات ہیں۔

خواجہ محمد: میرے حضرت نے حکم دیا تھا کہ میں تم کو مسلمان بزرگوں کے حالات سناؤں اور تم مجھ کو ہندو بزرگوں کے حالات سناؤ۔ اسی لئے میں پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں میں جو فقیر ہوتے ہیں کیا وہ بھی دیوی دیوتا سمجھے جاتے ہیں؟

ہردیو: میں اس بارے میں بھی بہت کم جانتا ہوں۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ ہم لوگ اپنے پیروں کو گرو کہتے ہیں۔ وہ سادھو بھی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا داری سے الگ رہتے ہیں۔ روپے پیسے کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ شادی بیاہ نہیں کرتے۔ اپنے چیلوں کو بھگوان کو یاد کرنے کے طریقے بتاتے ہیں۔ گناہ کی باتوں سے انہیں روکتے ہیں۔ ہم ان کی برکت اور دعا لینے کے لئے ان کی خدمت کرتے ہیں۔

ابھی یہ باتیں ختم نہیں ہوئی تھیں کہ خواجہ مبشر آئے اور انہوں نے کہا کہ تم دونوں کو حضرت نے یاد فرمایا ہے۔ یہ حکم سنتے ہی ہم دونوں خانقاہ جانے کی تیاری کرنے لگے۔

---

ا۔ گائے پالنے والے لوگ۔ ان کو گوپ کہا جاتا تھا، یعنی گائے پال اور ان کی عورتوں کو گوپیاں کہتے تھے۔

# حضرت چراغ دہلیؒ کا عارفانہ کلام

ہم دونوں جب حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے' وہاں بہت لوگ جمع تھے۔ اس وقت آپ اپنے خاص مرید اور خلیفہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے مخاطب ہو کر کچھ فرما رہے تھے۔ جب ہم دونوں سامنے حاضر ہوئے تو دیکھ کر تبسم فرمایا اور ہاتھ کے اشارے سے قریب بٹھایا۔ پھر حضرت نے چراغ دہلی سے ارشاد فرمایا:

"خدا کی صفات عین ذات ہیں۔ ہم مسلمان صفات کو ذات سے جدا نہیں سمجھتے۔"

تب نصیر الدین محمود نے اپنا ایک شعر سنایا اور عرض کیا کہ غلام نے بھی اس بات کو اس طرح ادا کیا ہے:

اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در او چوں بو بہ گلاب اندر

حضرت نے فرمایا:

"ہاں' ٹھیک ہے۔ اس غزل کے کچھ اور بھی اشعار سناؤ۔"

مولانا نصیر الدین محمودؒ نے چند اشعار سنائے جو مجھے پورے یاد نہیں رہے۔ جو یاد رہے وہ یہ تھے:

بے کارم و باکارم چوں مد بہ حساب اندر
گویانم و خاموشم چوں خط بہ کتاب اندر
گہہ شادم و گہہ غمگیں از حال خودم غافل
می گریم و می خندم چوں طفل بہ خواب اندر

در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد

ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

یہ کلام سن کر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے خواجہ سید محمد کی طرف دیکھا۔ انہوں نے دست بستہ عرض کیا:

"آج ہردیو نے ہندو عقائد اور خیالات کا ذکر مجھ سے کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں خدا نے اپنی سب صفات دیوتاؤں اور دیویوں میں تقسیم کردی ہیں۔"

حضرت نے فرمایا:

"نصیر الدین نے جو کلام سنایا اس میں بہت اچھی مثالیں ہیں۔ ہم لوگوں کو اتنی فرصت کہاں ہے کہ اس بات پر غور کریں کہ ہندوؤں کا عقیدہ کیا ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ کیا ہے۔ ہم تو اسی حیرت میں سرشار ہیں کہ دریا حباب کے اندر کیونکر سما گیا اور نصیر الدین کے سینے میں عشق کے سوا اور کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ ہم اس میں ہیں اور وہ ہم میں ہے۔ جیسے خوشبو کہ گلاب کے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے۔ خوشبو گلاب کے پھول سے جدا نہیں ہے مگر جدا ہے۔ حساب کے اندر جو مد کی لکیر کھینچی جاتی ہے وہ بے کار بھی ہے اور باکار بھی ہے۔ خط جو کتاب میں لکھا جاتا ہے وہ بولتا بھی ہے اور خاموش بھی ہے۔ ہم اس زندگی کے دکھ سے روتے ہیں اور سکھ سے ہنستے ہیں۔ مگر ہمارا یہ رونا اور ہنسنا بچے کی طرح ہے جو نیند کی حالت میں کبھی روتا ہے، کبھی ہنستا ہے۔ یا روتا ہنستا دکھائی دیتا ہے۔ مگر حقیقت میں نہ روتا ہے اور نہ ہنستا ہے۔

ہردیو ! اصل چیز اپنی پہچان ہے۔ ہم باہر کی پہچان میں مصروف رہتے ہیں اور خود اپنے اندر کی پہچان کو بھول جاتے ہیں۔ ہم اختیار والے بھی ہیں اور بے اختیار بھی ہیں۔ ہم موجود بھی ہیں اور بے وجود بھی۔ بس ٹھیک کہا نصیر الدین نے ہم باکار بھی ہیں اور بیکار بھی ہیں۔ ہردیو! ایک ہی ذات کی یہ سب تجلیاں ہیں، سب روشنیاں ہیں، یہ سب گہما گہمیاں ہیں۔"

حضرت کے یہ ارشاد سن کر تمام حاضرین رونے لگے۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ ان پر ایک وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ حضرت نے میری طرف نظر اٹھائی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا ان آنسوؤں میں ساری کائنات مجھ کو جھولے کھاتی دکھائی دے رہی ہے۔ حضرتؒ نے مجھے فقط دیکھا، کچھ فرمایا نہیں، مگر میں کانپنے لگا۔ میں نے حضرتؒ کے آنسوؤں کے اندر سب کچھ دیکھا اور بے خود ہو کر آپ کے قدم چومنے کے لئے آگے بڑھا۔

مگر جوں ہی کھڑا ہوا کسی چیز نے میرے اندر ناچنا شروع کردیا۔ بجائے اس کے کہ میں حضرتؒ کے قدموں پر سر رکھتا' مجلس میں ناچنے لگا۔ ہر چند چاہتا تھا کہ خود کو سنبھالوں اور اس گستاخی اور بے ادبی کی حرکت سے باز رہوں مگر مجھے خود پر اختیار اور قابو نہیں رہا تھا۔ مجھے آسمان و زمین حرکت اور رقص کرتے نظر آتے تھے۔ میں بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ مگر میرے اندر کیا ہو رہا تھا اور میں کیوں ناچ رہا تھا' اس کی وجہ میں نہیں لکھ سکتا کیونکہ اس کا سبب مجھے معلوم نہ تھا۔

مجھے رقص میں دیکھ کر میرے حضرتؒ کھڑے ہوگئے اور مجلس کے سارے حاضرین بھی۔ خواجہ محمد نے نہایت خوش الحانی سے شیخ نصیرالدین محمودؒ کا مقطع گانا شروع کیا:

در سینہ نصیر الدین جز عشق نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

خواجہ محمد "جز عشق نمی گنجد" کی بار بار تکرار کرتے تھے۔ مجھے اس سے پہلے معلوم نہ تھا کہ ان کی آواز ایسی اچھی ہے اور وہ اتنا اچھا گاتے ہیں۔ حضرتؒ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میری ٹکٹکی آپ ہی کے مبارک چہرے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ مجھے آپ کے ہر آنسو میں ایسے تماشے نظر آ رہے تھے جنہیں میں الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا۔ میں نے ان آنسوؤں میں اپنے ملک کو دیکھا۔ اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ کرشن جی کی مورتی کو دیکھا۔ بنسری بجاتے دیکھا۔ بنسری کے سُر خواجہ محمد کے گانے کی آواز سے ملے ہوئے سنائی دیتے تھے۔ ایسا سمجھ میں آتا تھا کہ کرشن جی بنسی بھی بجا رہے ہیں اور میرے ساتھ ناچ بھی رہے ہیں۔ میں بھی حضرتؒ کے آنسوؤں کے اندر سری کرشن کے ساتھ ناچ رہا ہوں اور "جز عشق نمی گنجد" کی تکرار کررہا ہوں۔ کرشن جی بھی "جز عشق نمی گنجد" کی تکرار کر رہے ہیں۔

پھر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو مجلس برخاست ہوچکی تھی۔ خواجہ محمد اور شیخ نصیرالدین محمودؒ میرے پاس بیٹھے تھے۔ میرا سر خواجہ محمد کے زانو پر تھا اور وہ آہستہ آہستہ مقطع گا رہے تھے: در سینہ نصیرالدین...... الخ

جب ہوش آیا تو یوں محسوس ہوا جیسے میں نے بہت سا نشہ پیا ہے۔ میرے اندر عجیب سرور تھا۔ میں اٹھ بیٹھا اور پھر کھڑا ہوگیا۔ دونوں نے میرے بازو تھام لئے اور مجھے قیام گاہ تک لائے۔ وہاں جا کر بھی مجھے چاروں طرف سے یہی آوازیں آتی رہیں جیسے در و دیوار گا رہے ہوں۔ جز عشق نمی گنجد۔

کچھ دیر کے بعد شیخ نصیرالدین محمودؒ چلے گئے۔ خواجہ سید محمد کے چھوٹے بھائی خواجہ سید موسیٰ میرے قریب بیٹھ گئے اور قرآن مجید بہت اچھی آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ یہ دونوں بھائی قرآن مجید کے حافظ ہیں اور ان کی آوازیں بہت سریلی ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کا مطلب تو میں نہیں سمجھا مگر قوالی کا ایسا اثر میرے اندر تھا کہ ان آیات کے سننے سے میری کیفیت بہت دیر تک قائم رہی۔

پھر میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا کہ خواجہ موسیٰ نے جو آیتیں پڑھیں ان کا مطلب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے بھائی نے قرآن مجید کی سورۃ یوسف کا ایک حصہ پڑھا ہے جس میں حضرت یوسفؑ اور مصر کی زلیخا کی محبت کا ذکر ہے۔ چونکہ تم کو عشق کے مضمون پر کیفیت ہوئی تھی، اس واسطے میرے بھائی نے حضرتؒ کے حکم کے بموجب وہ آیات پڑھیں جن میں عشق کا بیان تھا تاکہ تمہاری کیفیت دگرگوں نہ ہو جائے۔

قوالی میں اگر کسی کو کسی خاص مضمون پر کیفیت ہو اور قوال اس مضمون کے خلاف کوئی دوسرا مضمون گانے لگے تو صاحب حال کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے، بلکہ بعض لوگ اس صدمے سے مر جاتے ہیں۔

خواجہ سید موسیٰ نے کہا کہ جب تم میرے بھائی اور شیخ نصیرالدین محمودؒ کے ساتھ حضرتؒ کی خانقاہ سے یہاں آنے لگے تو مجھے حضرتؒ نے حکم بھیجا کہ میں تمہارے سامنے سورۃ یوسف کی آیات کی تلاوت کروں۔

# شیخ نصیرالدینؒ محمودؒ کا ذکر

سورۃ یوسف کی تلاوت کے بعد جب میری طبیعت بحال ہو گئی اور دل کو سکون میسر ہوا تو میں نے خواجہ سید محمد سے دریافت کیا:

"یہ نصیر الدین محمود کون شخص ہیں؟ میں نے ان کو اپنے حضرتؒ کی مجلس میں پہلے بھی دیکھا ہے۔ مگر مجھے یہ خشک ملا معلوم ہوتے تھے۔ میرے دل کو کوئی رغبت ان کی طرف نہیں ہوتی تھی۔ حضرتؒ کی مجلس میں یہی ایک ایسے شخص تھے جنہوں نے نہ کبھی مجھ سے بات کی' نہ کسی سے میرا حال پوچھا نہ میری طرف مخاطب ہوئے۔ میں ایسا محسوس کرتا تھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر ان کا کلام سن کر اب معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عارف اور کامل درویش ہیں۔"

خواجہ سید محمد نے جواب دیا:

"حضرتؒ کی مجلس میں ہر شخص علمیت اور درویشی میں کامل ہے۔ سب خلیق اور ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے ہیں۔ شیخ نصیر الدین محمود بھی ایسے ہی اچھے آدمی ہیں اور میرے حضرتؒ کی ان پر خاص عنایت ہے۔ مگر ان کی عادت ہی کچھ ایسی ہے کہ سب سے الگ تھلگ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ شہر میں رہتے ہیں اور ایک مدرسے میں درس دینے کا مشغلہ ہے۔ اودھ ان کا وطن ہے۔ شیخ نصیر الدین محمود بعض اوقات مجلس سماع سے الگ بیٹھ جاتے ہیں۔ لوگ حضرتؒ سے شکوہ کرتے ہیں کہ نصیر الدین اودھی شاید سماع (قوالی) کے منکر ہیں۔ مگر حضرتؒ ہر ایک کا حال اچھی طرح جانتے ہیں' اس لئے کسی کی شکایت پر توجہ نہیں فرماتے۔ شکایت کرنے والوں کو یہ فرما کر روک دیتے ہیں کہ "تم نصیر الدین محمود کو پہچان نہیں سکتے۔"

اور جیسا کہ انہوں نے اپنی غزل کے مقطع میں کہا ہے کہ نصیر الدین کے سینے میں سوائے

عشق کے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اگرچہ ان کی صورت اور لباس مولویانہ ہے اور میل جول میں بھی وہ روکھے پھیکے معلوم ہوتے ہیں، مگر وہ سر سے پاؤں تک عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس غزل میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے، اپنا ذاتی حال بیان کیا ہے۔"

---

نوٹ : (ا) حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آئے۔ تہجد کی نماز کے وقت اپنے کپڑے رکھ کر وضو کرنے چلے گئے۔ واپس آئے تو کپڑے غائب تھے۔ تلاش میں شور و شغب کرنے لگے۔ حضرت چراغ دہلی بھی ایک گوشے میں عبادت میں مشغول تھے۔ انہیں خیال ہوا کہ شور سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا، چنانچہ اپنے کپڑے اتار کر خواجہ گازرونی کو دے دیئے۔ صبح کو جب یہ واقعہ حضرتؒ کو معلوم ہوا تو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کو بالا خانے پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی اور ان کے لئے دعائے خیر کی۔ (سیر الاولیاء)

# بارہ لائیو رام منائیو

خواجہ سید محمد نے حضرت محبوب الٰہیؒ کا ایک قصہ بیان کیا۔

ایک دفعہ میرے حضرت غیاث پور سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی زیارت کو جا رہے تھے۔ میں اور میرے بھائی سید موسیٰ بھی ہمراہ تھے۔ امیر خسرو، خواجہ حسن سنجری اور مولانا نصیر الدین محمود اودھی بھی ساتھ تھے۔ راستے میں ایک کنواں ملا جس سے کھیت میں پانی دیا جا رہا تھا۔ دو بیل چرخی گھما رہے تھے جس کی مدد سے چرڑے کا بڑا ڈول کنویں سے پانی لے کر اوپر آ جاتا تھا۔ چرخی کے پاس ایک ہندو کھڑا تھا۔ جب ڈول کنویں کے اندر سے باہر آتا تو وہ آدمی نالیوں میں پانی بہا دینے کے ساتھ ساتھ بلند آواز سے یہ گاتا تھا:

"بارہ لائیو رام منائیو"

یہ ہندی الفاظ تھے۔ میرے حضرتؒ نے یہ آواز سنی تو مجھ سے اور امیر خسرو سے پوچھا کہ تم دونوں ہندی زبان جانتے ہو۔ کنویں والا کیا گاتا ہے اور کیا کہتا ہے۔ ہم دونوں نے اس کا مطلب بیان کیا کہ "پانی نکالو اور خدا کو مناؤ۔"

حضرتؒ نے یہ مطلب سن کر زور سے نعرہ لگایا اور اللہ کہا۔ اس کے بعد حضرتؒ کو وجد آگیا اور آپؒ رقص کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر میں، بھائی خسرو اور بھائی حسن نے مل کر "بارہ لائیو رام منائیو" گانا شروع کیا۔ ہم تینوں اس کے ساتھ عربی اور فارسی کے اشعار جو ہندی فقرے کے ہم مطلب تھے، ملاتے جاتے تھے۔ حضرتؒ کو بہت دیر تک وجد رہا۔ مولانا شیخ نصیر الدین کو بھی وجد رہا۔ اور بھی کئی ساتھیوں پر کیفیت طاری ہوئی۔ حضرتؒ اس کنویں کے پاس ٹھہر گئے۔ آپ کے خادم خواجہ اقبال فوراً خانقاہ واپس گئے اور وہاں سے فرش فروش، کھانے کا سامان اور خانقاہ کے بہت سے قوال ساتھ لے کر آگئے۔ کھانے اور نماز کے لئے مجلس ملتوی ہو جاتی تھی، پھر شروع ہو جاتی تھی اور گانے کا سلسلہ جاری ہو جاتا تھا۔

امیر خسروؒ اور خواجہ حسن شاہی نوکری کے سبب حضرتؒ سے اجازت لے کر چلے گئے، مگر ہم سب آپ کے ساتھ رہے۔ تین دن اور تین رات حضرتؒ اسی جگہ ٹھہرے رہے۔ "بارہ لائیو رام منائیو" پر وجد اور رقص کی گرما گرمی رہی۔ پھر تین دنوں کے بعد حضرتؒ روانہ ہوئے اور حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار کی زیارت کرکے واپس غیاث پور تشریف لائے۔

# قطب صاحب کے مزار پر

کنویں کا واقعہ سنانے کے بعد خواجہ سید محمد نے مجھ سے پوچھا:

"ہردیو! تم کبھی خواجہ صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے ہو؟"

"ابھی تک محروم ہوں" میں نے جواب دیا۔

خواجہ محمد نے مجھ سے کہا:

"میں تم کو وہاں لے چلوں گا اور وہ جگہ دکھاؤں گا جہاں حضرتؒ نماز پڑھا کرتے ہیں۔ یہ جگہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے پائیں ہے۔ اس کے برابر وہ چبوترہ ہے جس پر حضرت خواجہ صاحب کے رفیق خاص اور استاد حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار ہے۔"

جب ہمارے حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کنویں کی مجلس کے بعد مزار شریف پر حاضر ہوئے اور حسب معمول آپ کی جانماز قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے چبوترے کے نیچے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار کے پائیں بچھائی گئی اور آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ہم سب ذرا فاصلے پر حضرتؒ کے پیچھے دست بستہ کھڑے ہوگئے۔ حضرتؒ نے نماز ختم کی۔ اس کے بعد مجھے اور میرے بھائی سید موسیٰ کو آواز دی۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو فرمایا:

"پڑھو۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب○"

ہم دونوں بھائیوں نے یہ آیت خوش الحانی سے پڑھنی شروع کی۔ تب حضرتؒ نے فرمایا:

"بارہ لائیو۔ رام منائیو' بھی اس کے ساتھ ملاؤ۔"

چنانچہ ہم نے آپ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا۔ حضرتؒ کو پھر وجد آگیا اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ جب سکون ہوا تو آپ شمال کی طرف حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار

مبارک کی جانب رخ کر کے دو زانو بیٹھ گئے۔ ہم سب آپ کی پشت کے پیچھے دست بستہ کھڑے رہے۔ پھر حضرتؒ نے مجھے اور بھائی موسیٰ کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا:

"کنویں والا کنویں کی گہرائی سے پانی اوپر لاتا تھا اور باہر کے سوکھے کھیتوں کو اس پانی سے زندہ کرتا تھا۔ ایسے ہی ہم کو بھی اپنے سانس کے اندر خدا کا ذکر کرنا چاہیے۔ جب ہم اندر سے سانس باہر لائیں اور باہر سے اندر لے جائیں تو اس میں خدا کا ذکر کریں۔ اور یہ سمجھیں کہ اندر سے خدا کے ذکر کے ساتھ جو سانس باہر آتا ہے وہ سوکھے کھیتوں کو ہرا کرتا ہے۔"

یہ کہہ کر حضرتؒ نے ہم دونوں بھائیوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت قطب صاحبؒ کے مزار کے قریب لے گئے۔ حضرتؒ کے دائیں جانب میں تھا اور بائیں طرف بھائی موسیٰ تھے۔ حضرتؒ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ہم دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ مزار مبارک کے پائیں کھڑے ہو کر آپ کچھ دیر روتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا:

"یہ دونوں آپ کے مقبول مرید شیخ العالم (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) کے نواسے ہیں۔ ان کے باپ نے میری تربیت کی تھی اور مجھے شیخ کی رضامندی کے راستے بتائے تھے۔ ان کے مجھ پر بہت احسان تھے۔ میں ان دونوں کو مخدوم کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ دونوں حافظ قرآن ہیں اور سعادت خاص اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اب حضور کی نظر شفقت کے یہ بھی امیدوار ہیں اور میں بھی امیدوار ہوں۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ لئے اور مزار شریف کی طرف رخ کئے ہوئے پچھلے قدم ہٹنا شروع کیا۔ اس کے بعد باہر آ گئے۔ اس وقت جو کیفیت ہم دونوں بھائیوں کی تھی، اس کو الفاظ میں ادا کرنا ناممکن ہے۔

# طرغی مغل کا حملہ

کئی دن سے یہ چرچا ہو رہا تھا کہ مغلوں کا بہت بڑا لشکر آ رہا ہے۔ جس نے ملتان' لاہور اور سرہند کی فوجوں کو شکست دی۔ اب وہ دلی کی طرف چلا آتا ہے۔ اس کا سردار طرغی ہے جو بہت خونخوار مغل ہے۔ ان خبروں سے سارے شہر میں گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ علاء الدین کی اچھی فوجیں دکن کی طرف گئی ہوئی تھیں۔

آج سنا کہ مغلوں کا لشکر دہلی کے قریب پہنچ گیا۔ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور شہر کے چاروں طرف ان کی فوجیں پھیل گئی ہیں۔ میں غیاث پور میں رہتا تھا جو سلطان علاء الدین کے شہر سیری سے تین کوس دور شمال میں ہے۔ تاہم غیاث پور' کیلوک ہری اور اطراف کی سب آبادیوں میں جو شہر کے باہر واقع ہیں' مغلوں کے محاصرے کی وجہ سے بہت زیادہ پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔

آج صبح میں حضرتؒ کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان علاء الدین خلجی کا ولیعہد شہزادہ خضر خاں' ملک نصرت اور امیر خسرو کے ساتھ وہاں آیا اور تعظیم کرکے بیٹھ گیا۔ امیر خسرو نے حضرتؒ سے دست بستہ عرض کیا:

"سلطان نے تعظیم بجا لایا ہے اور یہ عرض کیا ہے کہ حضرتؒ کو معلوم ہوگا کہ مغلوں نے سارے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ملتان' لاہور اور سرہند کی کامیابیوں سے ان کے دل شیر ہو گئے ہیں۔ ہماری اچھی فوج دکن گئی ہوئی ہے۔ اگرچہ دلی شہر کے لاکھوں باشندے ہتھیار بند ہیں اور کچھ فوج بھی موجود ہے' تاہم حالات خطرے سے خالی نہیں۔ جو کچھ ہم سے ہو سکے گا کریں گے' مگر ہم سب کا بھروسہ اللہ کی مدد پر ہے اور وہ آپ کی دعا پر منحصر ہے۔"

حضرتؒ نے یہ تقریر سن کر تبسم فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد کیا:

"سلطان سے میری دعا کہنا اور یہ کہہ دینا کہ وہ اطمینان رکھے۔ مغل کل واپس چلے جائیں گے۔"

امیر خسروؒ نے یہ ارشاد سن کر تعظیم کی۔ مگر میں نے دیکھا کہ ملک نصرت اور خضر خان دونوں نے ایک دوسرے کو حیرت اور تعجب سے دیکھا۔ تاہم امیر خسرو کے بعد انہوں نے بھی جھک کر حضرتؒ کی تعظیم کی۔ پھر تینوں باہر چلے گئے۔ میں نے خیال کیا کہ ملک نصرت اور خضر خاں کو حضرتؒ کے اس ارشاد پر تعجب ہوا ہو گا کہ مغل کل چلے جائیں گے۔ آپ نے یہ کیسے فرما دیا۔ مگر نہ ان دونوں کو کچھ پوچھنے کی جرات ہوئی نہ امیر خسروؒ نے کچھ دریافت کیا۔

جب تینوں چلے گئے تو حضرتؒ یکایک کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ ہم سب بھی کھڑے ہو گئے۔ مگر ہم لوگ حیران تھے کہ کوئی آنے والا دکھائی نہیں دیتا۔ حضرتؒ کس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؒ بیٹھ گئے تو ہم بھی بیٹھ گئے۔ مگر چند ساعت گزری ہو گی کہ آپ پھر کھڑے ہو گئے۔ ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر حضرتؒ کھڑے رہے، پھر بیٹھ گئے۔ اس طرح سات دفعہ آپ کھڑے ہوئے اور بیٹھے۔

ہم سب آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے کہ اس میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔ مگر کسی کی مجال نہ تھی کہ حضرتؒ سے اس کی وجہ پوچھتا۔ آخر کچھ دیر ہوگئی تو میں نے جرأت کی۔ حضرتؒ کے سامنے آیا اور تعظیم بجا لا کر دست بستہ عرض کیا:

"ہم کو یہ حق نہیں ہے کہ مخدوم سے غیبی رازوں کا حال دریافت کریں۔ مگر مخدوم کی جو عنایتیں مجھ پردیسی کے حال پر ہیں انہوں نے مجھے ہمت دلائی ہے کہ یہ دریافت کروں کہ مخدوم کس کی تعظیم کے لئے سات بار کھڑے ہوئے تھے کیونکہ ہماری آنکھوں نے کسی آنے والے کو نہیں دیکھا۔"

حضرتؒ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"ہردیو! جب میں نے امیر خسروؒ اور ان کے ساتھیوں سے یہ کہا کہ مغل کل چلے جائیں گے تو اس وقت حضرت شیخ العالم (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) کی روح پُر فتوح کی طرف میری توجہ ہوئی کہ میں آپ کی برکت سے ان مغلوں کو کل تک یہاں سے روانہ کر دوں اور میرا وعدہ پورا ہوجائے۔ یکایک میں نے باہر صحن میں ایک کتے کو دیکھا جس کا ہم شکل کتا میں نے اجودھن میں

دیکھا تھا۔ میں اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوگیا۔ جب وہ ہٹ گیا تو میں بیٹھ گیا۔ وہ کتا پھر آیا اور میں پھر کھڑا ہوگیا۔ اس طرح وہ کتا سات دفعہ آیا اور گیا۔ میں نے سات بار اس کی تعظیم کی۔ اگرچہ وہ کتا اجودھن کا نہیں تھا' لیکن اجودھن کے کتے سے مشابہ تھا اس لئے میں نے اس کی تعظیم کی۔ اب میرے دل کو اطمینان ہوگیا ہے کہ جو وعدہ میں نے سلطان علاء الدین خلجی سے کیا ہے وہ پورا ہو جائے گا کیونکہ مجھے اجودھن کے کتے کا ہم شکل کتا دکھایا گیا ہے۔ چونکہ یہ دنیا اور اس کے طالب کتوں کے مشابہ قرار دیئے گئے ہیں' اس واسطے میں نے سمجھا کہ اجودھن کے کتے سے مشابہ کتا مجھے اس لئے دکھایا گیا ہے کہ جو دنیا کے کتے باہر سے آئے ہیں وہ باہر چلے جائیں گے۔"

اس کے بعد حضرت" نے اہل مجلس کو غور سے دیکھا۔ ان میں حضرت" کا ایک مغل مرید بھی بیٹھا تھا جو عرصہ دراز سے آپ کی خدمت میں رہتا ہے۔ حضرت" نے اسے قریب بلایا اور اپنا وہ رومال جس سے آپ وضو کرنے کے بعد اپنا مقدس چہرہ خشک کیا کرتے ہیں' اسے دے کر فرمایا:

"اس کو مغلوں کے سردار طرغی کے پاس لے جا۔ اسے میرا سلام کہہ دے اور یہ رومال دے کر کہہ کہ وہ تیرے سامنے اسے اپنے چہرے پر ڈالے اور جو کچھ دیکھے وہ تجھ سے بیان کر دے۔"

مغل مرید نے جھک کر تعظیم ادا کی اور کہا کہ "میں ابھی مخدوم کے حکم کی تعمیل کر کے آتا ہوں۔" پھر مجلس برخاست ہوگئی۔

شام کو جب ہم دوبارہ حضرت" کی مجلس میں حاضر ہوئے تو آپ کا مغل مرید طرغی کا جواب لایا۔ تعظیم بجا لا کر اس نے دست بستہ عرض کیا:

"جب میں مغل لشکر میں گیا تو سپاہیوں نے مجھے روکا۔ مگر میں نے مخدوم کا نام لیا تو ہر ایک نے میری تعظیم کی اور طرغی تک جانے کا راستہ دیا۔ جب میں اس مغل سردار کے سامنے گیا تو اسے نہایت خونخوار اور بدمزاج صورت کا آدمی پایا۔ اس نے نہایت نخوت اور تکبر سے پوچھا:

طرغی : کیا تو مغل ہے؟

مغل مرید : ہاں!

طرغی : دلی میں کیا کرتا ہے؟

مغل مرید: حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا غلام ہوں اور آپ کی خدمت میں رہتا ہوں۔ اور حضرتؒ کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

طرغی: (ادب سے کھڑے ہو کر) میری عزت آسمان تک پہنچ گئی کہ آسمان سے اونچے پہنچے ہوئے بزرگ نے مجھے مخاطب کرنے کے قابل سمجھا۔

اس کے بعد میں نے مخدوم کی دعا اس کو پہنچائی اور رومال پیش کیا۔ اس نے دعا کے جواب میں مخدوم کی جانب تعظیماً سر جھکایا' پھر رومال اپنے چہرے پر ڈال لیا۔ طرغی کے چاروں طرف بڑے بڑے مغل سردار تلواریں لئے کھڑے تھے۔ کمانیں ان کی پشت پر تھیں اور تیروں کے ترکش بغل میں تھے۔ وہ سب طرغی کے اس عمل کو حیرت کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

طرغی نے کچھ دیر تک رومال اپنے چہرے پر ڈالے رکھا۔ پھر اتار کر مجھ سے تاتاری زبان میں کہا:

"میری طرف سے مخدوم کی خدمت میں تعظیم بجا لانا اور کہنا کہ میں مخدوم کا احسان مانتا ہوں کہ انہوں نے دلی میں مجھے اپنا ملک دکھا دیا۔ میں نے دیکھا کہ دشمن میرے ملک پر چڑھ آئے ہیں۔ میرے اہل و عیال اور اہل وطن بیتاب ہو ہو کر مجھے پکار رہے ہیں۔ مخدوم سے یہ بھی عرض کر دینا کہ میں نے رومال ڈالنے کے بعد اجودھن کو بھی دیکھا اور مخدوم کے شیخ حضرت شیخ العالم (بابا فرید گنج شکرؒ) کی آواز بھی سنی۔ وہ مجھے حکم دے رہے ہیں کہ میں ابھی یہاں سے اپنے وطن واپس چلا جاؤں۔ لہٰذا میں اس حکم کی تعمیل میں ابھی واپس جانے کی تیاری کرتا ہوں۔ مگر کیا مخدوم کا یہ رومال تبرک سمجھ کر اپنے پاس رکھوں؟"

میں نے کہا:

"مخدوم نے مجھے اس کی بابت کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن چونکہ واپس لانے کا بھی کوئی حکم نہیں تھا' لہٰذا آپ اس تبرک کو اپنے پاس رکھیں۔"

طرغی نے مجھے چلتے وقت اشرفیوں کی ایک تھیلی دی کہ "یہ میری طرف سے مخدوم کی نذر کر دینا۔" یہ کہہ کر مغل مرید نے وہ تھیلی حضرتؒ کے قدموں میں رکھ دی۔ آپ نے تبسم کے بعد فرمایا:

"یہ تیرا حق ہے۔ میں نے تجھے بخشی۔"

مرید نے تعظیم ادا کی اور تھیلی اٹھا کر صف میں آ کر بیٹھ گیا۔ حضرتؒ کچھ دیر سکوت میں رہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

"وہ سب جا رہے ہیں۔ ان کا جانا ضروری تھا۔ ان کو تو حضرت شیخ العالمؒ نے حکم دیا تھا۔"

اس کے بعد مجلس برخاست کردی گئی۔ ہم سب اپنی اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ دوسرے دن صبح یکایک شہرہ ہوا کہ رات کو طرغی مغل کی فوجیں محاصرہ اٹھا کر واپس چلی گئیں۔ ایک مغل سپاہی بھی دہلی کے اطراف میں باقی نظر نہیں آتا تھا۔

# موتیوں کے تھال

جب ہم حضرتؒ کی مجلس میں پہنچے' وہاں آدمیوں کا خاصا ہجوم تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد خضر خاں' ملک نصرت اور امیر خسرو حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ دو غلام تھے جن کے سروں پر تھال رکھے ہوئے تھے۔ وہ زر بفت کے خوان پوش سے ڈھکے ہوئے تھے۔ تینوں آدمیوں نے جھک کر حضرتؒ کی تعظیم کی اور مودب ہو کر بیٹھ گئے۔ دونوں غلام پیچھے کھڑے رہے۔

تب امیر خسرو کھڑے ہو کر یہ عرض کرنے لگے:

"سلطان علاء الدین خلجی نے سلام پیش کیا ہے اور یہ نذر بھیجی ہے۔ ساتھ ہی یہ عرض کیا ہے کہ مخدوم کے ارشاد کے مطابق مغل رات محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے۔ جب حضرتؒ کا یہ پیغام ملا کہ مغل چلے جائیں گے تو نہ میرا دل اسے مانتا تھا اور نہ درباری اور فوجی اس پر یقین کرتے تھے۔ ہم سب کو حالت بہت نازک معلوم ہوتی تھی لیکن اب ہم یہ دیکھ کر حیران ہیں کہ وہ کس طرح چلے گئے جب کہ واپس جانے کی کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی۔"

حضرتؒ نے جلال کے لہجے میں فرمایا:

"سلطان علاء الدین سے کہہ دینا کہ خدا نے اسے رعایا کی حفاظت کے لئے چوکیدار بنایا ہے۔ جب چوکیدار پر مشکل وقت آتا ہے تو چوکیدار کا مالک اس کی مدد کو آ جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر حضرتؒ خاموش ہوگئے۔ امیر خسرو سامنے سے ہٹ گئے۔ خضر خان اور ملک نصرت نے غلاموں کے سروں سے تھال اتار کر حضرتؒ کے سامنے رکھے اور خوان پوش ہٹائے۔ دونوں تھال آب دار موتیوں سے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے ان دونوں تھالوں کو دیکھا اور خاموش رہے۔ پھر تینوں تعظیم بجا لا کر مجلس سے باہر چلے گئے۔ تب خادم اقبال اپنے آدمیوں کو لے کر آئے تاکہ تھال اٹھوا کر لنگر کے ذخیرے میں رکھوا دیں۔

مجلس کی ایک صف میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ایک فقیر بیٹھا تھا۔اس نے بلند آواز سے کہا:

"بابا نظام! الہدایا مشترک۔"

(ان ہدیوں میں میرا بھی ساجھا ہے۔)

حضرتؒ نے جواب میں فرمایا:

"بل تنہا خوشترک۔"

(یہ ہدیے تجھ اکیلے ہی کے لئے ہیں۔)

فقیر حضرتؒ کے اس فقرے کا مطلب نہیں سمجھا بلکہ یہ خیال کیا کہ حضرتؒ فرما رہے ہیں کہ یہ ہدیے ان کے لئے ہیں۔ فقیر نے آپ سے کہا کہ "آپ مجھے مایوس کر رہے ہیں۔"

حضرتؒ نے اسے جواب دیا:

"نہیں! میں مایوس نہیں کرتا۔ موتیوں کے یہ دونوں تھال تنہا تجھ کو دیتا ہوں۔ ان کو لے جا۔" پھر آپ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ اس قلندر سے تنہا یہ بوجھ نہیں اٹھے گا لہٰذا اس کی مدد کریں تاکہ یہ دونوں تھال گھر لے جائے۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؒ کے اس حکم سے اقبال کے چہرے پر کدورت سی پیدا ہوئی۔ وہ ان موتیوں کو خانقاہ کا حق سمجھتے تھے۔ لیکن مجال نہ تھی کہ سرتابی کرتے۔ فوراً آدمیوں سے تھال اٹھوائے اور قلندر کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ فقیر اٹھ کر تعظیم بجا لایا' دعائیں دیں اور باہر چلا گیا۔

مجھے وہ فقیر صورت آشنا معلوم ہوا۔ مگر یاد نہ آتا تھا کہ کہاں دیکھا ہے۔اس کی حالت بہت خراب تھی۔ سر کے بال لانبے اور گرد آلود تھے۔ داڑھی الجھی ہوئی اور مٹی سے پُر تھی۔ جسم پر پیوند لگی ہوئی گدڑی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ یہ فقیر ان موتیوں کی قدر و قیمت کیا سمجھے گا۔ لاکھوں روپے کے اس مال کو اونے پونے بیچ دے گا۔ اس خیال سے میں اٹھا اور فقیر کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔

باہر آ کر دیکھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے' اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں۔ ان دونوں کی حالت بھی ویسی ہی خراب اور خستہ ہے۔ وہ فقیر خواجہ اقبال سے کہہ رہا تھا:

"میں پردیسی ہوں۔ دہلی میں میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ یہ دو آدمی میرے ساتھ ہیں۔ یہ موتی ہم تینوں کو دے دیجئے۔ ہمارے پاس کپڑے ہیں۔ ان میں باندھ لیں گے۔"

میں فقیر کے پاس گیا اور اس سے پوچھا:

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

یہ بات سن کر اس فقیر نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا:

"تم مجھے ہردیو معلوم ہوتے ہو؟"

میں نے حیران ہو کر جواب دیا:

"ہاں! میں ہردیو ہوں۔ مگر میں نے تم کو اب تک نہیں پہچانا۔ البتہ یہ خیال آتا ہے کہ تم کو کہیں دیکھا ہے۔"

فقیر نے مجھ سے کہا:

"میں تمہارا رشتہ دار ستیل دیو ہوں۔ دیوگیر پر علاء الدین خلجی کا جب پہلا حملہ ہوا تھا' ہمارے خاندان والوں کا راجہ رام دیو سے جھگڑا ہوگیا اور ہم جلا وطن کردیئے گئے۔ میں سادھو بن گیا۔ یہ دونوں میرے بھائی سنبھل دیو اور جیتل دیو ہیں۔ ہم تینوں ایک مہینے سے دہلی آئے ہوئے ہیں۔ مسلمان فقیروں کا لباس اختیار کرلیا ہے۔ ہم نے سنا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ ایسے درویش ہیں کہ ان کے پاس جو مراد لے کر جاؤ پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم تینوں بھائی اپنی مصیبت دور ہونے کی نیت سے یہاں آئے تھے۔ جب ہم نے ملک نصرت کو دیکھا جس نے ہمارے ملک تلنگانہ کو لوٹا تھا تو ہمیں پچھلا زمانہ یاد آگیا۔ جب تھال میں موتی دیکھے تو خیال آیا کہ یہ وہی موتی ہیں جنہیں علاء الدین نے ہمارے ملک سے لوٹا تھا۔ لہٰذا میں نے ہمت کرکے حضرتؒ سے کہا کہ اس مال میں میرا بھی ساجھا ہے۔ میں حیران رہ گیا کہ حضرتؒ نے ایک موتی بھی اپنے لئے نہیں رکھا' سب مجھے دے دیئے۔ اب میں دہلی میں اچھا سا مکان لوں گا اور ان موتیوں کو فروخت کرکے کوئی کاروبار شروع کروں گا تاکہ ہماری مصیبت دور ہوجائے۔"

اس کے بعد ستیل دیو نے میرا حال پوچھا۔ اب ہم دونوں کی باتیں دکنی زبان میں ہو رہی تھیں جسے خواجہ اقبال نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے ستیل دیو سے کہا:

"میں حضرتؒ کے ایک فوجی مرید کے ساتھ یہاں آیا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ میں مجلس سے اٹھ کر تمہارے پاس اس لئے آیا تھا کہ تم بھکاری فقیر معلوم ہوتے تھے' لہٰذا موتیوں کی قدر نہیں جانتے ہوگے۔ میں تمہاری مدد کرسکوں۔ مگر آج معلوم ہوا کہ میرے حضرتؒ کتنے بڑے صاحب کرامت ہیں کہ انہوں نے ہمارے خاندان کی لوٹی ہوئی چیز علاء الدین سے لے کر پھر ہم کو دلوا دی۔ اب تم کو بھی چاہیے کہ حضرتؒ کی غلامی اختیار کرو۔ ایسا گرو ہم کو کہیں میسر نہیں آئے گا۔"

ستیل دیو نے جواب دیا:

"سچ کہتے ہو ہردیو! میں نے ایسا بڑا گیانی کوئی نہیں دیکھا۔ مکان کا انتظام کرنے کے بعد دو چار دن میں پھر یہاں آؤں گا۔ پھر تم کو اپنے مکان پر لے جاؤں گا۔ ہم تینوں بھائیوں کو آج حضرتؒ نے خرید لیا ہے۔ ہم دل سے آپ کے غلام ہو گئے ہیں۔"

خواجہ اقبال نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کیا باتیں تم سے کیں۔ تب میں نے سارا حال انہیں بتایا۔ اس واقعہ کا ان پر بہت اثر ہوا۔ وہ اپنی کدورت پر نادم ہوئے۔

# حضرتؒ کی عارفانہ باتیں

سیتل دیو کو رخصت کرنے کے بعد میں حضرتؒ کی مجلس میں آکر بیٹھا تو آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

"ہردیو! میرے حضرت شیخ العالمؒ کی خدمت میں اچھ کے حاکم نے مسجد کے امام کے ہاتھ سو اشرفیاں نذر بھیجیں۔ امام کی نیت میں فتور آیا اور انہوں نے پچاس اشرفیاں حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ حضرت شیخ العالمؒ نے تبسم کر کے فرمایا کہ تم نے آدھا حصہ رکھ لیا' خوب کیا۔ یہ سن کر امام صاحب نے فوراً بقیہ پچاس اشرفیاں بھی حضرتؒ کے قدموں میں رکھ دیں' بہت معذرت کی اور توبہ کر کے آپ کے مرید ہو گئے۔ آپ نے امام صاحب کو نعمت خاص اور اپنی خلافت سے سرفراز فرما کر اچھ واپس بھیج دیا۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"سنو ہردیو! اللہ تعالیٰ کی ہر روز ایک نئی شان ہوتی ہے۔ ایک شان کے ظہور کے وقت ایک شخص کو دوسرے سے دلواتا ہے۔ دوسری شان کے ظہور کے وقت پھر وہ چیز پہلے شخص سے دوسرے کو واپس دلوا دیتا ہے۔ موتی سیپ میں پیدا ہوتے ہیں۔ ابرنیساں برستا ہے تو اس کا قطرہ سیپ کے منہ میں جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے اور سانپ کے حلق میں جاتا ہے تو زہر بن جاتا ہے۔ سیپ کا ظرف موتی پیدا کرنے اور سانپ کا ظرف زہر بنانے کے قابل بنایا گیا ہے۔ آج جو موتی آئے تھے وہ سیپ نے ابر نیساں کے قطروں سے بنائے تھے۔ سمندر کے غوطہ خوروں نے سیپوں سے ان موتیوں کو چھینا۔ پھر ان کو سوداگروں کے ہاتھ بیچا جنہوں نے امیروں کے ہاتھ بیچا۔ امیروں سے بادشاہوں نے چھینا۔ بادشاہوں سے یہ موتی درویشوں تک آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان موتیوں کی ان کے دل میں کہیں جگہ نہیں ہے کیونکہ وہاں خدا کی محبت کے بہت سے

آبدار موتی بھرے ہوئے ہیں۔ لہٰذا درویشوں نے ان موتیوں کو ان کے حوالے کردیا جو ان کے ضرورت مند تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ موتی ہمارے ہیں' ہم ان موتیوں کے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں کی آواز سنی۔ ہم نے ان کے دلوں سے کہا موتی تمہارے ہوں گے' مگر تم موتیوں کے ہرگز نہیں ہو۔ کیونکہ ہر آدمی خدا کے لئے پیدا ہوتا ہے اور دنیا اس کے لئے پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے موتی دے دیئے۔ اب وہ موتی جہاں سے آئے تھے وہیں چلے گئے۔ مگر ان کے بدلے خدا نے تین دل ہم کو دیئے تاکہ ہم ان میں خدا کی محبت کو روشن کرکے تاریکی دور کریں۔"

میں نے حضرتؒ کی یہ گفتگو سن کر اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کیا:

"مخدوم کا ضمیر روشن ہے۔ میں مخدوم کی ذات میں وہ سب کچھ پاتا ہوں جس کی مختلف شانوں کا مخدوم ذکر فرما رہے ہیں۔"

یہ سن کر آپ نے تبسم فرمایا اور خواجہ سید محمد کی طرف دیکھ کر ارشاد کیا:

"پرسوں تمہارے ہاں تین ہندو مہمان آنے والے ہیں۔ ان کی دعوت کا انتظام کرنا۔"

پھر مجلس برخاست ہوگئی۔

وہاں سے آنے کے بعد میں نے خواجہ سید محمد سے سیتل دیو' جیتل دیو اور سنبھل دیو کا سارا قصہ سنا کر کہا کہ حضرتؒ نے ان ہی تین ہندو مہمانوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

# حضرتؒ کے پیروں کا حال

آج میں نے خواجہ سید محمد صاحب سے گزارش کی۔

"آپ نے حضرتؒ کے سب پیروں کا مختصر تذکرہ مجھ سے کیا تھا۔ مگر جن پیروں کے مزارات ہندوستان میں ہیں' ان کے حالات معلوم ہوں تو مجھے بتا دیجئے۔"

خواجہ محمد صاحب نے تفصیل سے حالات بتائے جو درج ذیل ہیں۔

## ۱۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ

حضرتؒ کے پیر حضرت شیخ العالم فرید الدین مسعود گنج شکرؒ تھے جن کا مزار اجودھن (پاک پتن) میں ہے۔ ان کے پیر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے جن کا مزار دہلی میں قطب مینار کے پاس ہے۔ ان کے پیر حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتیؒ تھے جن کا مزار اجمیر میں ہے۔

حضرت خواجہ اجمیریؒ سب سے پہلے ہندوستان آئے تھے۔ آپ غزنی سے لاہور آئے اور حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) کے مزار پر چلہ کیا۔ ان کی کتاب "کشف المحجوب" اہل سلوک میں بہت بڑے اعتبار کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور عارف درویش تھے۔ خواجہ صاحبؒ نے آپ کے مزار سے بہت سے فیوض حاصل کئے۔[1] لاہور سے دہلی' دہلی سے ہوتے ہوئے اجمیر تشریف لے گئے۔

آپ سجستان (ایران) میں پیدا ہوئے اور خراسان میں پرورش پائی۔ آپ کے والد کا

نام سید غیاث الدین حسن تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ خواجہ صاحب کو ایک مجذوب ابراہیم قندوزی نے کچھ تبرک کھلایا۔ اس کے اثر سے آپ نے اپنے باغ اور املاک فروخت کرکے رقم خیرات کردی اور تارک الدنیا ہوگئے۔ پھر تعلیم کے لئے سمرقند اور بخارا تشریف لے گئے۔ تحصیل علم سے فارغ ہو کر عراق گئے۔ وہاں قصبہ ہارون میں پہنچے جو نیشاپور کے قریب ہے۔ وہاں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے بیعت کی اور دو سال مرشد کی خدمت میں رہے۔ خلافت ملنے کے بعد سبخان چلے گئے۔ وہاں سے بغداد پہنچے پھر ہمدان آئے۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے اور ہر علاقے کے بزرگوں سے مستفیض ہوتے ہوئے آپ تبریز' اصفہان' خرقان' استرآباد' ہرات اور پھر سبزوار پہنچے۔

سبزوار کا حاکم یادگار محمد بڑا ظالم اور متعصب شخص تھا۔ اس کا ایک خوبصورت باغ تھا جس میں ایک نفیس حوض بنا ہوا تھا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور حوض میں غسل کرکے اس کے کنارے بیٹھ گئے اور قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔ اسی درمیان حاکم آیا اور نوکروں سے چیخ کر کہا کہ یہ کون فقیر بیٹھا ہے' اسے یہاں کیوں آنے دیا۔ خواجہ صاحبؒ نے تلاوت کرتے کرتے حاکم کی طرف نظر اٹھائی۔ وہ چیخ مار کر گرا اور بیہوش ہوگیا۔ جب نوکروں نے منت سماجت کی تو آپ نے حوض کا پانی منگوایا اور اس کا چھینٹا اس کے منہ پر مارا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے گناہوں سے توبہ کی اور آپ کا مرید ہوگیا۔ پھر اپنی ساری دولت حضرت کی نذر کی۔ آپ نے فرمایا۔

"یہ دولت جو ظلم سے جمع کی گئی ہے' میرے لئے بیکار ہے۔ جس جس کا مال لیا ہے' اسے واپس دو۔"

چنانچہ حاکم یادگار محمد نے ایسا ہی کیا۔ اپنے سب غلاموں کو آزاد کردیا اور حکومت چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہولیا۔ آپ اسے حصار شادمان تک لائے پھر حکم دیا کہ "تم حصار شادماں اور سبزوار کے حاکم رہو اور یہاں ٹھہرو۔" پھر آپ بلخ تشریف لائے۔ قریب کے ایک گاؤں میں مولانا ضیاء الدین حکیم نامی ایک فلسفی رہتے تھے۔ وہ درویشوں کے خلاف تھے اور تصوف کو ہذیان کہتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کی عادت تھی کہ تیر کمان لے جا کر جنگل میں جانور کا شکار کرتے اور وہ غذا نوش فرماتے۔ چنانچہ فلسفی ضیاء الدین کے گاؤں کے قریب آپ نے ایک

کلنگ کا شکار کیا۔ حضرت کے ساتھی نے اس کے کباب بنانے شروع کئے اور آپ عبادت میں مصروف ہوگئے۔ اسی درمیان مذکورہ فلسفی وہاں آگئے۔ آپ نے کچھ کباب ان کے آگے رکھے۔ مولانا کباب کھاتے ہی کباب ہوگئے۔ اپنے عقائد سے توبہ کی اور مرید ہوگئے۔

آپ بلخ سے روانہ ہو کر غزنی آئے۔ پھر وہاں سے لاہور کا سفر کرتے ہوئے دہلی پہنچے۔ جب یہاں معتقدوں کا ہجوم بڑھا تو آپ اجمیر تشریف لے گئے۔ وہاں سید وحید الدین محمد مشہدی ایک بزرگ تھے جو "خنگ سوار" کہلاتے تھے۔ ان کے چچا سید حسین مشہدی کی لڑکی سے آپ کا عقد ہوا۔ ان سے کئی اولادیں بھی ہوئیں۔

آپ کے پاس بے شمار ہندو مسلم باشندے جوق در جوق آتے تھے اور رشد و ہدایت حاصل کرتے تھے۔ یہ خبر اجمیر اور دہلی کے راجہ پرتھوی راج (رائے **پتھورا**) کو ہوئی۔ اس نے آپ کو اس علاقے سے چلے جانے کا حکم دیا۔ آپ نے جواب دیا۔

> "ملک خدا کا ہے۔ اور خدا کا بندہ اس ملک میں آیا ہے۔ بغیر حکم خدا یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

راجہ پرتھوی راج کا ایک ملازم مسلمان بھی تھا۔ راجہ نے اسے مجبور کیا کہ آپ کو یہاں سے ہٹا دے۔ ملازم نے تعمیل حکم سے انکار کیا تو پرتھوی نے اس پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو راجہ کو کہلا بھیجا۔

> "بے گناہ پر ظلم نہ کر، ورنہ میں تجھے باندھ کر کسی دوسرے بادشاہ کے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

پرتھوی راج نے اس پیغام کی کچھ پرواہ نہ کی اور آپ کی شان میں گستاخانہ الفاظ زبان پر لایا۔ پھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری بہت بڑی فوج لے کر ہندوستان پر چڑھ آیا ہے۔ پرتھوی راج فوج لے کر مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ ہندوستان کے ڈیڑھ سو راجہ بھی اس کی مدد کو آئے۔ تراوڑی (ضلع کرنال) کے میدان میں بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں پرتھوی راج اور اس کے ساتھی راجے مارے گئے۔ سلطان غوری اپنے ملک واپس چلا گیا۔ اس کا غلام قطب الدین ایک فوج لے کر اجمیر آیا اور اس پر قبضہ کرکے ڈھائی دن میں ایک مسجد بنوائی۔ پھر دہلی آیا اور ایک سخت جنگ کے بعد لال کوٹ قلعہ پر

قابض ہوگیا۔ پھر میرٹھ اور کول (علی گڑھ) وغیرہ مقامات کو سر کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور تمام ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔ پھر لال کوٹ دہلی میں اپنا پایہ تخت بنایا۔ وہاں ایک مسجد تعمیر کرائی اس کا نام قوت اسلام رکھا اور اس کا ایک مینار بنوایا جو آج تک قطب مینار کے نام سے مشہور ہے۔

ایبک نے حضرت خواجہ صاحب ؒ کو اجمیر میں گاؤں دیئے تھے۔ آپ اہل و عیال کے ساتھ اجمیر میں رہتے تھے اور لوگوں کی ہدایت کا کام کرتے تھے۔

قطب الدین ایبک کے مرنے پر اس کا ترک غلام شمس الدین التتمش ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ وہ آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ بہت چاہتا تھا کہ قطب صاحب اسے اپنی خدمت میں حاضری کی اجازت دیں۔ مگر آپ نہ خود اس کے پاس جاتے تھے نہ اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے تھے۔

اسی زمانے میں التتمش کے نائب حاکم اجمیر نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کی جاگیر ضبط کرلی۔ آپ کے صاحبزادوں نے مجبور کیا کہ جاگیر کی واگزاری کے لئے آپ خود دہلی جائیں اور کوشش کریں۔ چنانچہ حضرتؒ اجمیر سے دہلی آئے اور اپنے خلیفہ بختیار کاکیؒ کے پاس ٹھہرے اور آنے کا مقصد بیان کیا۔ قطب صاحبؒ اپنے پیر کی ضرورت کا حال سنتے ہی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا۔

"آپ وہاں نہ جایئے۔ میں خود بادشاہ کے پاس جاتا ہوں۔"

چنانچہ قطب صاحبؒ التتمش کے پاس گئے۔ سلطان کو خبر ہوئی تو دربار سے اٹھ کر دروازے پر استقبال کے لئے آیا اور نہایت عزت کے ساتھ اندر لے گیا۔ آپ نے بادشاہ سے کہا۔

"تمہارے حاکم اجمیر نے میرے پیر کی جاگیر ضبط کرلی ہے۔ میں اس کے لئے آیا ہوں۔"

سلطان نے فوراً جاگیر واگذاشت کرنے کا فرمان لکھوایا اور اشرفیوں کی چند تھیلیاں حضرت خواجہ اجمیریؒ کی نذر کے لئے پیش کیں۔

اسی ملاقات کے دوران ایک عجیب لطیفہ پیش آیا۔ اودھ کا حاکم رکن الدین حلوائی

بھی سلطان کے پاس آیا اور قطب صاحبؒ سے اونچی جگہ پر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ قطب صاحب نے سلطان کی ناراضگی کو محسوس فرمایا اور ہنس کر اس سے کہا۔

"یہ کوئی ناراضگی کی بات نہیں ہے۔ میں کاکی ہوں اور رکن الدین حلوائی ہے۔ اور حلوا کاک کے اوپر ہی رکھا جاتا ہے۔ پس رکن الدین مجھ سے اونچی جگہ پر بیٹھ گیا تو کچھ حرج نہیں۔"

حضرت خواجہ اجمیریؒ جب عراق میں تھے تو مولانا نجم الدین صغریٰ سے دوستی ہوگئی تھی۔ جب حضرت دہلی آئے تو معلوم ہوا مولانا اسی شہر میں ہیں اور بادشاہ نے انہیں شیخ الاسلام کا عہدہ دیا ہے۔ چنانچہ آپ مولانا نجم الدین سے ملنے کے لئے گئے۔ وہ اس وقت اپنے مکان میں ایک چبوترہ بنوا رہے تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے بے رخی کا برتاؤ کیا۔ یہ بات حضرت کو ناگوار ہوئی اور ان سے کہا۔

"کیوں جناب! کیا شیخ الاسلام بن جانے سے تمہارے اندر غرور پیدا ہوگیا ہے؟"

مولانا نجم الدین صغریٰ نے حضرت خواجہ صاحبؒ کو جواب دیا۔

"نہیں! میں تو ویسا ہی نیاز مند ہوں۔ مگر آپ کے ایک مرید نے میری شیخ الاسلامی کی شان کو بیکار کردیا ہے۔ سارا شہر ان ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مجھے کوئی بھی نہیں پوچھتا۔ اگر آپ اس مرید کو اپنے ساتھ اجمیر لے جائیں تو بہت عنایت ہوگی۔"

حضرت کو اس بات سے ہنسی آگئی اور آپ نے فرمایا کہ "اچھا مولانا! میں اپنے بختیار کو اجمیر لے جاؤں گا۔"

جب خواجہ صاحبؒ قطب صاحبؒ کے گھر واپس آئے تو فرمایا۔

"بختیار! یہ تو نے کیا کر رکھا ہے۔ سارا شہر تیری طرف متوجہ ہے اس سے لوگوں کو رشک و حسد ہوتا ہے۔ چل میرے ساتھ اجمیر چل۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی ایک مسلمان کا دل بھی تیرے یہاں رہنے سے رنجیدہ ہو۔"

چنانچہ دوسرے دن جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ دہلی سے اجمیر روانہ ہوئے تو قطب

صاحبؒ بھی ساتھ تھے۔ یہ خبر دہلی میں مشہور ہوئی تو سارے شہر کے ہزاروں لوگ دوڑے ہوئے آئے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی آیا۔ سبھوں نے حضرت خواجہ غریب نوازؒ سے عاجزانہ درخواست کی کہ قطب صاحبؒ کو دہلی میں چھوڑ جایئے ورنہ ہم سب یہیں حضورؒ کے قدموں میں بیٹھے رہیں گے۔ خلقت کی یہ عاجزی اور محبت دیکھی تو حضرت نے اپنے مرید و خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے فرمایا۔

"بابا بختیار! ایک دل کے مقابلے میں ہزاروں دلوں کی خواہش مقدم ہے۔ جاؤ'
تم واپس جاؤ اور دہلی میں رہو۔"

چنانچہ قطب صاحب اپنی قیام گاہ واپس آگئے اور حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیر روانہ ہوگئے۔

## ۲۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اوش کے رہنے والے تھے جو ترکستان کے شہر فرغانہ توقند کے قریب واقع ہے۔ آپ کے والد کا نام سید کمال الدین تھا۔ آپ ڈیڑھ برس کے تھے جب والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ نے آپ کی بہت اچھی تعلیم و تربیت کی۔ جب حضرت خواجہ غریب نوازؒ اصفہان تشریف لائے تو خواجہ بختیارؒ نے آپ سے بیعت کی۔ پھر حضرت نے انہیں خرقہ اور خلافت دے کر حکم دیا کہ ہندوستان جاؤ اور دہلی میں قیام کرو۔

اپنے مرشد کے حکم سے آپ دہلی تشریف لائے اور بیوی بچوں کے ساتھ یہاں مستقل قیام کیا۔ یہ زمانہ سلطان شمس الدین التمش کی حکومت کا تھا۔ آپ پر ہر وقت استغراق کی حالت طاری رہتی تھی۔ جب اہل دنیا آپ کے پاس آتے تو حضرت کبھی کبھی عالم استغراق سے باہر آکر ان سے بات کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر آپ پر محویت کی حالت طاری ہو جاتی تھی۔

## زیارت رسول ﷺ کا قصہ

ایک شخص حضرت کے پاس آیا اور اس نے کہا۔

"آپ کو رسول اللہ ﷺ نے سلام کہا ہے۔"

آپ یہ بات سن کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور پوچھا۔

"حضرتؐ نے اور کیا ارشاد فرمایا ہے؟"

اس شخص نے آپ کو تفصیل بتائی۔

"میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گنبد ہے۔ چھوٹے قد کا ایک شخص اندر جاتا ہے، پھر باہر آ جاتا ہے۔ بہت سے لوگ باہر کھڑے ہیں اور اپنی آرزوئیں اس شخص کے ذریعے گنبد کے اندر بھجواتے ہیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ گنبد کس کا ہے اور یہ شخص کون ہے۔ لوگوں نے کہا یہ گنبد رسول اللہ ﷺ کا ہے اور یہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سن کر میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی زیارت کا شوق ہے۔ آپ میرے لئے اندر جانے کی اجازت مانگئے۔ آپ اندر گئے اور تھوڑی دیر میں واپس آ کر مجھ سے یہ کہنے لگے۔

> "آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم قطب الدین بختیار کے پاس جاؤ اور ان سے میرا سلام کہو۔ یہ بھی کہو کہ تم جو تحفہ ہر رات مجھے بھیجا کرتے تھے وہ تین دن سے نہیں آیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر نیند سے بیدار ہوگیا اور صبح ہوتے ہی آپ کے پاس یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں۔"

حضرت خواجہ بختیارؒ نے فرمایا۔

"میں آنحضرت ﷺ کے پیغام کا مطلب سمجھ گیا۔ تین دن ہوئے میں نے شادی کی تھی۔ اس سے میرے کام میں غفلت پیدا ہوگئی اور جو تحفہ[2] میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا وہ نہ بھیج سکا۔"

اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ جس عورت سے میں نے نکاح کیا تھا اس کا مہر ادا کردو اور کہہ دو میں نے اس کو طلاق دی۔ وہ جہاں چاہے چلی جائے۔

## کاکی کی وجہ

میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا۔

"حضرت" کو کاکی کیوں کہتے ہیں؟"

خواجہ محمد نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے حضرت (سلطان المشائخؒ) سے سنا ہے کہ حضرت قطب صاحب" کو غیب سے کاک (روغنی روٹی) ملا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کاکی مشہور ہوگئے۔"

## قطب صاحب کے مزار پر حاضری

خواجہ سید محمد نے مجھ سے کہا۔

"حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب صاحب" کے مزار پر حاضری دینے کے لئے روانہ ہوا۔ راستے میں یہ خطرہ میرے دل میں آیا کہ خبر نہیں حضرت کو اپنے مزار پر آنے والوں کی اطلاع بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ جب میں مزار پر پہنچا تو میں نے وہاں یہ آواز سنی۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بہ جاں گر تو آئی بہ تن

(مجھ کو اپنی طرح زندہ سمجھ کیونکہ میں اپنی جان کے ساتھ تیرے پاس آ جاؤں گا اگر تو اپنے تن کے ساتھ میرے پاس آئے گا۔)

جب میں نے یہ آواز سنی تو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت سے آج تک جب وہاں حاضر ہوتا ہوں تو اسی آواز کے بموجب مجھے حضرت قطب صاحب" کی روح مبارک کی خاص حضوری میسر آتی ہے۔"

## عید کا واقعہ

خواجہ سید محمد نے مجھ سے کہا۔

"میرے حضرت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب صاحب اپنے سب قرابت داروں اور مریدوں کے ساتھ نماز عید پڑھ کر آ رہے تھے۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں حضرت کا مزار ہے تو وہاں خاموش کھڑے ہوگئے۔ قرابت داروں نے عرض کی کہ آج عید کا دن ہے۔ بہت لوگ حضور سے ملنے اور کھانا کھانے حاضر ہوں گے۔ آپ یہ سن کر عالم استغراق سے باہر آئے اور فرمایا کہ مجھے اس زمین سے اہل کمال کی خوشبو آتی ہے۔"

اس کے بعد حضرت مکان پر آئے اور کھانے کے بعد حکم دیا کہ اس زمین کا جو مالک ہے اسے میرے پاس لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے وہ زمین اس سے خرید لی۔ آپ کو وفات کے بعد وہیں دفن کیا گیا۔"

## وفات

خواجہ سید محمد نے کہا۔

"میرے حضرت فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ قطب صاحب قوالی کی مجلس میں حضرت احمد جام کا یہ شعر بار بار سنتے تھے۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(جو لوگ رضا و تسلیم کے خنجر سے کشتہ ہو جاتے ہیں ان کو ہر وقت غیب سے ایک نئی زندگی ملتی رہتی ہے۔)

آپ پر اس شعر کا ایسا اثر تھا کہ تین چار دن لگاتار اس کو سنتے رہے۔ آپ پر ایک کیفیت طاری رہی یہاں تک کہ اسی حالت میں وفات پائی۔

# ۳۔ حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ

خواجہ سید محمد نے حضرت شیخ العالمؒ کے متعلق تفصیل کچھ اس طرح بتائی۔

"میرے نانا حضرت شیخ العالمؒ کے اجداد کابل کے بادشاہ تھے۔ فرخ شاہ کابلی میرے نانا کے جد اعلیٰ تھے۔ جب کابل پر مغلوں کا حملہ ہوا تو میرے نانا کے بزرگ لڑ کر شہید ہوگئے۔ ان کی اولاد وہاں سے ہجرت کرکے ہندوستان آئی۔ میرے نانا کے دادا قاضی شعیب اس خاندان کے سربراہ تھے۔ ان کے بیٹے قاضی سلیمان تھے۔ آپ کے فرزند قاضی مسعود تھے جو شیخ العالم بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔

قاضی شعیب ہندوستان آئے تو پہلے قصور (پنجاب) میں قیام کیا۔ شہر کے قاضی نے اس خاندان کی خاطر مدارت کی اور بادشاہ دہلی کو آپ کے ہندوستان آنے کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ اگر وہ مغلوں سے کابل واپس لینا چاہیں تو میں فوجی مدد مہیا کروں اور اگر ہندوستان میں رہنا ہے تو کوئی منصب یا جاگیر دی جائے۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ جو چیز چھن گئی' اسے واپس لینے کا خیال نہیں۔ اب صبر و توکل کے ساتھ یہیں رہنا چاہتے ہیں۔ تب' بادشاہ نے آپ کو کوٹھے وال کا قاضی مقرر کردیا۔

کوٹھے وال' ملتان کے قریب ایک خوبصورت شہر تھا۔ چنانچہ قاضی شعیب مع اہل و عیال کوٹھے وال آگئے۔ وہاں آپ کے بیٹے قاضی سلیمان جوانی میں وفات پاگئے اور ان کے بیٹے مسعود چھوٹی عمر میں یتیم ہوگئے۔ ان کی والدہ نے بچے کی تعلیم و تربیت شروع کی۔ نماز کی پابندی کرانے کے لئے آپ کی والدہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتیں اور بیٹے سے کہا کرتیں کہ جو بچے نماز پڑھتے ہیں' انہیں جانماز کے نیچے شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن والدہ شکر کی پڑیا رکھنا بھول گئیں۔ جب خیال آیا تو گھبرا کر بیٹے سے پوچھا۔

"مسعود! تم نے نماز پڑھی یا نہیں؟"

آپ نے جواب دیا۔

"ہاں اماں! نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔"

یہ سن کر والدہ کو بہت تعجب ہوا۔ انہیں خیال ہوا کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس وقت سے حضرت کو شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

والدہ نے آپ کو کوٹھے وال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی۔ مزید تعلیم کے لئے آپ کو ملتان بھیجا گیا۔ وہاں بڑے بڑے نامی گرامی علماء درس دیا کرتے تھے۔ آپ ایک مسجد میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ دن نہایت عسرت اور تنگی سے گزرتے تھے۔

آپ ایک دن مسجد میں کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے۔ آپ کو مطالعہ میں غرق دیکھ کر پوچھا۔

"یہ کیا پڑھ رہے ہو؟"

آپ نے کتاب سے نظر اٹھا کر ان درویش کو دیکھا اور جواب دیا۔

"نافع پڑھ رہا ہوں۔"

"کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟"

جونہی آپ کی درویش سے آنکھیں چار ہوئیں' ایک خاص اثر دل پر ہوا اور آپ نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"جی نہیں! مجھے اس کتاب سے نہیں' آپ کی نظر فیض سے نفع ہوگا۔"

یہ کہہ کر آپ نے ان درویش کے قدموں میں سر جھکا دیا۔ پھر ان سے باطنی رموز کے کچھ سوالات کئے جنہیں باتوں باتوں میں بزرگ نے حل کردیا۔ تب آپ نے ان درویش سے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"میرا نام قطب الدین بختیارؒ ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔"

آپ نے یہ سن کر درخواست کی۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیے۔"

حضرت قطب الدین بختیارؒ نے فرمایا۔

"چلو! میرے ساتھ چلو۔"

اسی اثناء میں ملتان کے نامور بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملنے اس مسجد میں تشریف لائے۔ بعد ازاں' میرے نانا اور خواجہ قطب صاحبؒ دونوں دہلی روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر خواجہ صاحب نے میرے نانا کو مشائخ دہلی کے مجمع میں مرید کیا اور پھر ان سے مجاہدے کرائے۔ پھر نانا ہانسی چلے گئے اور وہاں روحانی مجاہدہ کرتے رہے۔ اوچھ بھی گئے اور وہاں بھی مجاہدے میں مشغول رہے۔ جب دہلی آئے تو خواجہ قطب صاحبؒ نے میرے نانا کو خلافت عطا کی۔

مرشد کی اجازت کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ہانسی ہوتے ہوئے کھتوال واپس آئے۔ یہاں لوگوں کا ہجوم ہوا تو اجودھن تشریف لے آئے جو لب دریا ایک غیر معروف شہر تھا۔ آپ آخر عمر تک یہاں رہے، لیکن مرشد سے ملنے دہلی بھی جاتے رہے۔

ایک دفعہ جب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ دہلی میں تھے، حضرت خواجہ غریب نوازؒ وہاں تشریف لائے۔ آپ نے قطب صاحب سے فرمایا۔

"آؤ! ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں۔"

چنانچہ ان دونوں نے بابا صاحب کو بیچ میں کھڑا کیا اور خود دائیں بائیں کھڑے ہوگئے۔ پھر دونوں بزرگوں نے بابا صاحب کو توجہ دینا شروع کی اور باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔

حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی وفات کے وقت میرے نانا دہلی میں نہ تھے، ہانسی میں تھے۔ مگر قطب صاحب نے وصیت کی تھی کہ میرے سب تبرکات مسعود کو دیئے جائیں اور وہی میرے جانشین ہوں۔ چنانچہ میرے نانا دہلی آئے اور قطب صاحب کے تبرکات حاصل کئے اور ان کی جگہ پر بیٹھے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد خلقت کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی چلے گئے۔ وہاں سے اجودھن آگئے۔

حضرت بابا صاحبؒ کی کئی بیویاں تھیں اور ہر ایک سے اولاد تھی۔ آپ کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بڑے صاجزادے کا نام خواجہ نصیر الدین نصراللہ تھا۔ ان سے چھوٹے کا نام خواجہ شہاب الدین اور ان سے چھوٹے کا نام خواجہ بدر الدین سلیمان تھا۔ وہی حضرت کے بعد جانشین ہوئے تھے۔ ان سے چھوٹے خواجہ نظام الدین سپاہیانہ شان رکھتے تھے اور ایک جہاد میں شہید ہوگئے تھے۔ ان سے چھوٹے خواجہ یعقوب تھے۔ وہ حضرت کی وفات کے بعد اودھ کی طرف چلے گئے۔ واپسی میں امروہہ کے قریب کہیں غائب ہوگئے اور کچھ پتہ نہ چلا۔

حضرت بابا صاحبؒ کی صاجزادیوں میں بڑی کا نام مستورہ تھا۔ ان سے چھوٹی شریفہ اور سب سے چھوٹی فاطمہ تھیں جو میری والدہ تھیں۔

حضرت بابا صاحبؒ کو اہل و عیال کی کثرت خدا سے غافل نہیں کرتی تھی۔ آپ ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتے۔ آپ کی مجلس میں علمی اور روحانی باتیں ہوتی تھیں۔ گھر کا

دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت جاری رہتی۔ آپ کی علمیت نہایت اعلیٰ پائے کی تھی۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ میرے والد مولانا خواجہ سید بدر الدین اسحٰق فقراء کے خلاف تھے۔ مگر محض میرے نانا کی علمیت کی وجہ سے میرے والد آپ کے مرید ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخؒ نے مجھے یہ بتایا کہ ایک دفعہ حضرت بابا صاحب نے دہلی کے بادشاہ غیاث الدین بلبن کو کسی شخص کی سفارش کے سلسلے میں عربی میں یوں خط لکھا۔

**رفعت قصته الی اللہ ثم الیک فان اعطیته شیئا فالمعطی ھواللہ وانت المشکور وان لم تعطه شیئا فالمانع ھو اللہ وانت المعنور**

(میں نے اس شخص کی ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کیا۔ پھر تیرے پاس بھیجا۔ اگر تو اس شخص کو کچھ دے گا تو دین اللہ کی ہو گی اور یہ شخص تیرا شکر گزار ہو گا۔ اگر تو کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہو گی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔)

اس خط سے حضرت کی فصاحت و بلاغت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ان کی نظر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی تھی اور اہل دنیا کی کوئی ہیبت آپ کے دل میں نہ تھی۔

ایک دفعہ میرے نانا بیمار تھے اور لکڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ یکایک انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکڑی پھینک دی۔ حاضرین نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا۔

"میرے دل میں خیال آیا کہ میرا چلنا اس لکڑی کے بھروسے پر ہے۔ اس لئے میں نے اس کو پھینک دیا۔ انسان کا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔"

## ایک ملا کا قصہ

خواجہ سید محمد نے کہا کہ حضرت سلطان المشائخؒ میرے والد مولانا سید بدر الدین اسحٰق کے حوالے سے یہ قصہ بیان فرماتے تھے۔

اجودھن کے قریب ایک ملا رہتے تھے جنہیں اپنے علم پر بڑا ناز تھا۔ وہ درویشوں کو بے علم سمجھتے اور انہیں حقارت سے دیکھتے۔ ایک دن وہ حضرت بابا صاحب کے پاس آئے۔ اس وقت مجلس میں بہت لوگ موجود تھے۔ ملا صاحب نے اپنی علمیت اور ہمہ دانی کے قصے بیان کرنے شروع کئے۔ حضرت شیخ العالمؒ نے ان کے قصے سنتے سنتے ان سے پوچھا۔

"مولانا! اسلام کے کتنے رکن ہیں؟"

"پانچ ہیں۔ کلمہ' نماز' روزہ' زکواۃ اور حج۔" مولانا نے جواب دیا۔

"میں نے تو چھٹا رکن بھی سنا ہے۔" حضرت بابا صاحب نے فرمایا۔

ملا صاحب یہ سن کر بگڑ گئے۔ کہنے لگے۔

"چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ سنا غلط سنا ہے۔"

حضرت نے جواب دیا۔

"جی نہیں! میں نے معتبر اہل علم سے سنا ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔"

اس پر ملا صاحب کو غصہ آگیا اور انہوں نے کہا۔

"مجھے آپ لوگوں سے اسی لئے اختلاف رہتا ہے کہ آپ لوگ بے علم ہوتے ہیں' لیکن عالم بننے کی کوشش میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کرتے رہتے ہیں۔ میں نے جو پانچ رکن بیان کئے ہیں' یہ احادیث اور فقہ میں موجود ہیں۔ لیکن آپ جس چھٹے رکن کو بیان کرتے ہیں وہ نہ حدیث میں ہے نہ فقہ میں۔"

حضرت شیخ العالمؒ نے تبسم فرما کر کہا۔

"نہیں مولانا! وہ قرآن میں بھی ہے' حدیث میں بھی ہے اور فقہ میں بھی ہے۔"

یہ سن کر مولانا کو اتنا غصہ آیا کہ وہ کھڑے ہوگئے اور یہ کہا۔

"اللہ فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظلمین**○ (نصیحت کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھو۔) اس لئے میں یہاں سے جاتا ہوں۔"

حضرت بابا صاحب نے بہت نرمی کے ساتھ ان کو ٹھہرانا چاہا مگر ملا صاحب نہ ٹھہرے اور چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مولانا نے حج کا ارادہ کیا۔ پوری تیاری کے بعد روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں سات برس قیام کیا۔ پھر جہاز میں سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہوئے۔

بحری سفر کو دو چار دن ہوئے تھے کہ سمندر میں سخت طوفان آیا اور جہاز تباہ ہوگیا۔

مولانا جہاز کے ایک تختے پر بہتے ہوئے کنارے پہنچے۔ وہاں فقط سوکھے پہاڑ تھے۔ نہ درخت تھے نہ گھاس تھی۔ وہ تین دن بھوکے پیاسے ایک غار میں بیٹھے رہے۔ چوتھے روز یکایک وہاں ایک آدمی آیا۔ اس کے سر پر خوان تھے۔ وہ آواز لگا رہا تھا۔

آدمی۔ روٹی لے لو۔ روٹی لے لو۔ میں روٹی بیچتا ہوں۔

ملا۔ (قریب بلا کر) میں عالم ہوں۔ میں نے سات حج کیے ہیں۔ میرا جہاز تباہ ہو گیا ہے۔ میرے پاس ایک پیسہ بھی موجود نہیں ہے۔ میں تین رات دن سے بھوکا پیاسا ہوں۔

آدمی ۔ میرے پاس کھانا بھی ہے' اور پانی بھی ہے۔ مگر میں دکان دار ہوں۔ بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔

ملا ۔ کیا تم مسلمان ہو؟

آدمی ۔ ہاں' الحمدللہ۔

ملا ۔ اسلام میں مسافروں' مہمانوں اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا تم مجھ بھوکے پیاسے کو کھانا اور پانی دے دو۔

آدمی۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن میں بغیر قیمت کے کھانا پانی نہیں دے سکتا۔ (یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔)

ملا ۔ تو کیسا مسلمان ہے؟ تجھے رحم نہیں آتا۔

آدمی۔ (جاتے جاتے مڑ کر) اگر میں رحم کروں تو آج ہی میری دکان داری کا خاتمہ ہوجائے۔ (توقف کے بعد) اچھا' میں رحم کرتا ہوں۔ تم اپنی زبان سے یہ کہہ دو کہ سات حج کا ثواب تم نے مجھے دیا۔

ملا صاحب نے خیال کیا کہ زبان سے کہہ دینا کوئی چیز نہیں ہے' اور اس سے میرا ثواب نہیں جاسکتا۔ چنانچہ انہوں نے جواب دیا۔

میں نے تجھے روٹی اور پانی کے بدلے سات حج کا ثواب دیا۔

یہ سنتے ہی اس شخص نے خوان آگے رکھ دیا۔ مولانا نے پیٹ بھر کر روٹی کھائی اور ٹھنڈا پانی پیا۔ اس کے بعد پوچھا۔

ملا۔ تو کہاں رہتا ہے؟ کیا یہاں کوئی آبادی بھی ہے؟

آدمی۔ میں روٹی بیچتا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔

یہ کہہ کر اس نے اپنے خالی برتن اٹھائے اور غار سے باہر نکلا۔ ملا صاحب دوڑ کر اس کے پیچھے روانہ ہوئے کہ دیکھیں کدھر سے آیا تھا۔ مگر وہ پہاڑوں کے چکروں میں کہیں غائب ہوگیا۔ ہرچند تلاش کیا' وہ کہیں نہیں ملا۔ پھر مولانا سمندر کے کنارے آ کر بیٹھ گئے کہ شاید کوئی جہاز گزرے' مگر مایوسی ہوئی۔

اسی عالم میں تین دن گزر گئے۔ بھوک اور پیاس سے ان کی حالت پھر خراب ہوگئی۔ تب وہی آدمی سر پر خوان رکھے ادھر آیا اور اس شرط پر روٹی کھلائی کہ ساری عمر کے روزوں کا ثواب زبانی ان سے لے لیا۔ آج بھی جب وہ جانے لگا تو ملا صاحب اس کے پیچھے دوڑے۔ مگر وہ پھر کہیں غائب ہوگیا۔

جب تین دن گزر گئے اور مولانا کی حالت بھوک پیاس سے خراب ہوگئی تو وہ شخص پھر کھانا لے کر آیا اور ساری عمر کی زکواۃ کا ثواب لے کر چلا گیا۔ پھر تین دن کے بعد آیا اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب لے کر چلا گیا۔ آخر اب کے تین رات دن کی بھوک پیاس کے بعد وہ کھانا لے کر آیا تو ملا صاحب نے کہا۔

"میں تجھے سات حج کا ثواب' ساری عمر کے روزوں کا ثواب' ساری عمر کی زکواۃ کا ثواب اور ساری عمر کی نمازوں کا ثواب دے چکا۔ اب میرے پاس تجھے دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

اس شخص نے کہا۔

"میں یہ کاغذ اور قلم دوات لایا ہوں۔ اس پر لکھ دیجئے کہ میں نے ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے میں سات حجوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کے روزوں کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی زکواۃ کا ثواب فروخت کیا۔ پھر ساری عمر کی نمازوں کا ثواب فروخت کیا۔ اور آج ایک وقت کی روٹی اور پانی کے بدلے یہ تحریر دیتا ہوں۔"

چنانچہ ملا صاحب نے یہ عبارت لکھ دی اور اپنا نام و پتہ بھی کاغذ پر تحریر کردیا۔ پھر اس شخص کو دے دیا۔ اس نے کھانا پانی سامنے رکھ دیا۔ ملا صاحب نے کھانے کے بعد بڑی عاجزی سے کہا۔

"خدا کے لئے مجھے بتاؤ کہ تم کہاں رہتے ہو تاکہ میں تمہارے ساتھ وہاں چلوں اور

روزی کے لئے کچھ محنت مزدوری کروں۔ کیونکہ اب میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔"

اس شخص نے خفا ہو کر کہا۔

"میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

یہ کہہ کر اس نے کاغذ جیب میں رکھا' برتن اٹھائے اور پہاڑ کی طرف چلا۔ ملا صاحب دوڑے کہ اس کو پکڑ کر آبادی کا راستہ پوچھیں مگر ٹھوکر کھا کر گرے اور وہ شخص نظروں سے غائب ہوگیا۔ آخر مجبور ہو کر اٹھے اور سمندر کے کنارے آئے۔ یکایک دیکھا کہ دور ایک جہاز جا رہا ہے۔ اپنا عمامہ اتار کر ہوا میں ہلانے لگے اور ساتھ ہی زور زور سے مدد' مدد چیخنے لگے۔ جہاز والوں نے انہیں دیکھ لیا۔ چنانچہ جہاز روک کر کشتی ان کے پاس بھیجی۔ وہ اس کے ذریعے جہاز پر آئے۔ اس میں حاجی لوگ سوار تھے اور ہندوستان جا رہے تھے۔ ملا صاحب کی خوب خاطر کی۔ اس طرح وہ آرام سے وطن پہنچ گئے اور گھر آ کر بال بچوں کو دیکھا۔

کچھ دن بعد ملا صاحب حضرت شیخ العالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بڑے بڑے علماء اور مشائخ آپ کی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت کی نظر مولانا پر پڑی تو تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ پھر نہایت اخلاق کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

"آیئے ملا صاحب۔ بہت عرصے کے بعد آنا ہوا۔ ہم ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔ کہیے' کیا وجہ ہوئی جو اتنے عرصے تک آپ یہاں نہیں آئے؟"

ملا صاحب نے اپنی خشک عادت کے موافق حضرت سے مصافحہ کیا اور آپ کے قریب بڑی نخوت اور رعونت سے بیٹھ گئے۔ حاضرین مجلس کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزری کیونکہ وہ حضرت کے قریب اس طرح بیٹھے تھے گویا ان کے ہمسر ہیں یا حضرت سے بھی زیادہ ان کا درجہ اور مرتبہ ہے۔ مگر آداب مجلس کی وجہ سے سب خاموش رہے۔

آخر بابا صاحب نے خود ہی پوچھا۔

"ہاں' ملا صاحب! آپ نے بتایا نہیں کہ اتنی مدت کیوں نہیں آئے تھے۔"

ملا صاحب نے نہایت غرور اور تکبر کے انداز میں جواب دیا۔

"جناب! میں اس ملک میں موجود نہ تھا۔ حج کرنے گیا ہوا تھا۔ سات برس تک مکہ

معظمہ میں رہا۔ سات دفعہ مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ سات حج کئے۔ حرمین میں نمازوں اور روزوں کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے وہ سب حاصل کیا۔ اب سات برس کے بعد واپس آیا ہوں۔ واپسی میں جہاز کی تباہی کا صدمہ بھی اٹھایا۔ مگر اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے راستے کی مصیبتیں ختم ہوئیں اور میں بخیریت اپنے گھر پہنچ گیا۔ اہل و عیال کو سلامت دیکھ کر اللہ کا شکر بجا لایا۔"

حضرت بابا صاحب نے ملا صاحب کا بیان سن کر فرمایا۔

"آپ بڑے خوش نصیب ہیں۔ سات حج کئے۔ سات بار مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ سات برس تک حرمین میں نمازیں پڑھیں۔ وہاں سات رمضانوں کے روزے رکھے۔ سبحان اللہ! بڑی سعادتیں آپ نے حاصل کیں۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ اب تو ہم سے خفا نہیں ہیں؟"

ملا صاحب نے جواب دیا۔

"میں خفا ہی کب تھا۔"

حضرت نے فرمایا۔

"سات سال پہلے آپ یہاں سے ناراض ہو کر گئے تھے۔ میں اس خفگی کا ذکر کر رہا ہوں۔"

ملا صاحب نے کہا۔

"مجھے یاد نہیں کیا بات ہوئی تھی۔ آپ یاد دلایئے۔ شاید مجھے یاد آجائے۔"

حضرت نے فرمایا۔

"ہم نے آپ سے سوال کیا تھا کہ اسلام کے کتنے رکن ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا تھا کہ پانچ رکن ہوتے ہیں۔ کلمہ' نماز' روزہ' زکواۃ اور حج۔ تو ہم نے کہا تھا کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی بھی ہے۔ اس سے آپ خفا ہو کر چلے گئے تھے اور جاتے ہوئے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی تھی کہ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ گویا اس طرح آپ نے ہم کو ظالم قرار دیا تھا۔ ہمیں اس بات کا بڑا صدمہ تھا۔ اور ہم روزانہ آپ کو یاد کرتے رہتے تھے۔"

یہ سن کر مولانا ہنسے اور یہ کہا۔

"ہاں' ہاں! مجھے یاد آیا۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ درویش لوگ بے علمی کی وجہ سے ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں۔ اسلام کے رکن تو پانچ ہی ہیں۔ چھٹا رکن کوئی نہیں ہے۔"

حضرت نے فرمایا۔

"مولانا! میں اگرچہ بے علم یا کم علم ہوں۔ لیکن میں نے یہ بات لکھی ہوئی دیکھی ہے کہ اسلام کا چھٹا رکن روٹی ہے۔"

مولانا نے خفا ہو کر کہا۔

"اگر لکھا ہوا دیکھا ہے تو مجھے بھی دکھا دیجئے۔"

حضرت نے اپنے خادم کو آواز دی کہ میری فلاں کتاب لانا۔ وہ ایک موٹی کتاب لے کر آیا۔ تب حضرت نے حاضرین سے کہا کہ وہ ذرا دور ہٹ جائیں۔ سب لوگ دور ہٹ گئے۔ تب آپ نے مولانا کو اور قریب بلایا اور کتاب کے ورق الٹ الٹ کر وہ عبارت ڈھونڈنے لگے۔ یکایک آپ نے فرمایا۔

"لیجئے' یہ عبارت موجود ہے۔"

مولانا نے غور سے جھک کر کتاب کو دیکھا مگر کوئی حرف نظر نہ آیا۔ سادہ ورق تھا۔ چاہتے تھے کہ آپ سے کہیں کہ یہ ورق تو سادہ ہے۔ یکایک انہیں اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ عبارت نظر آئی جو انہوں نے غار میں کھانا کھلانے والے کو دی تھی۔ جونہی ملا صاحب کی نظر اس تحریر پر پڑی' زور سے ایک چیخ ماری اور آپ کے قدموں پر گر پڑے اور توبہ کی۔ اور اسی دن سے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ پھر ایسا سکوت اختیار کیا کہ کسی سے بات نہ کرتے۔ اکثر ان پر گریہ طاری رہتا۔

## افطار

خواجہ سید محمد نے بتایا کہ میرے نانا حضرت بابا صاحبؒ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ آپ کے افطار کے لئے گھی سے چپڑی ہوئی سیر بھر وزن کے آٹے کی دو روٹی پکائی جاتی تھی۔ ایک روٹی کے ٹکڑے کرکے حضرت تمام حاضرین میں تقسیم کر دیتے تھے اور ایک روٹی سے خود افطار کرتے تھے۔ افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھتے اور کچھ دیر عبادت میں مشغول رہتے۔

اس کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا تھا۔ اس پر نہایت عمدہ کھانے چنے جاتے تھے۔ حضرت سب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

## قلندروں کا قصہ

خواجہ سید محمد نے حضرت سلطان المشائخؒ کی زبانی بیان کیا کہ "ایک دفعہ میں حضرت بابا صاحبؒ کے حجرے کے باہر دربانی کررہا تھا۔ آپ کے صاحبزادے جو میرے ہم نام تھے' یعنی خواجہ نظام الدین بھی دروازے پر میرے ساتھ تھے۔ حضرت اندر عبادت میں مصروف تھے۔ اتنے میں دو قلندر آئے۔ ایک بوڑھا تھا اور ایک اس کا جوان بیٹا۔ انہوں نے اندر جانا چاہا مگر ہم نے روکا۔ وہ نہ مانے اور زبردستی اندر چلے گئے۔ ہم دونوں بھی ان کے پیچھے پیچھے اندر گئے۔ حضرت اس وقت سجدے میں تھے۔ بوڑھے نے حضرت سے کچھ مانگا۔ اس کے لڑکے نے چھری نکال کر آپ پر وار کرنا چاہا۔ یہ دیکھ کر بھائی نظام الدین اس لڑکے کو چمٹ گئے۔ پھر دونوں گتھم گتھا ہوگئے۔ نوجوان قلندر نے بھائی نظام کو دبا لیا۔ میں نے دوڑ کر ان کی مدد کی اور پھر ہم دونوں نے مل کر قلندروں کو باہر کیا۔ اسی دوران حضرت نے سجدے سے سر اٹھایا اور ہمیں حکم دیا کہ انہیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ جب میں نے بعد میں آپ سے قلندروں کا قصہ بیان کیا اور یہ کہا کہ بھائی نظام الدین کو نوجوان قلندر نے دبوچ لیا تو میں نے بھائی کی مدد کی اور قلندروں کو باہر نکال دیا۔ حضرت نے خوش ہو کر فرمایا۔"

"مولانا نظام الدین! تم نے بہت اچھا کیا کہ اپنے بھائی کو مدد دی۔ پھر کیا ہوا؟"

میں نے عرض کیا کہ مخدوم کے حکم سے ہم نے ان قلندروں کو کچھ دیا اور خوش کرکے روانہ کیا۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔

"مولانا۔ بہت اچھا کیا۔ بہت اچھا کیا۔"

## ایک اور قصہ

خواجہ سید محمد نے حضرت سلطان المشائخؒ کی زبانی ایک اور قصہ سنایا۔ ایک دفعہ ایک

شخص حضرت بابا صاحبؒ کے پاس آیا اور کہا کہ اس کی بیوی کو ڈاکو چھین کر لے گئے ہیں۔ اس وقت سے اس نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا۔

"میں دعا کروں گا تمہاری بیوی تم کو مل جائے۔ تم کھانا نہ چھوڑو۔"

اس شخص نے کھانا کھا لیا اور آپ کی خدمت میں چند دن رہا۔ ایک دن ایک شخص سپاہیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنے ہوئے آیا اور حضرت سے دعا کی درخواست کی اور یہ کہا۔

"یہ لوگ مجھے دہلی کے بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں۔ معلوم نہیں میرا کیا حشر ہو۔ میں ان سپاہیوں کو راضی کرکے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

حضرت نے جواب دیا۔

"ہم دعاء کریں گے۔ ہمارے اس مہمان کو بھی اپنے ساتھ دہلی لیتے جاؤ۔ اگر تم کو دہلی جا کر رہائی مل جائے تو ہمارے اس مہمان کو ایک لونڈی دلوا دینا۔"

اس شخص نے جواب دیا۔

"بسر و چشم! اس حکم کی تعمیل کروں گا۔"

وہ شخص ہمارے حضرت کے مہمان کو لے کر دہلی گیا اور بادشاہ کے سامنے اس کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ نے اسے بے قصور سمجھ کر رہا کردیا۔ اس نے وعدہ کے مطابق بازار سے ایک خوبصورت لونڈی خرید کر حضرت کے مہمان کے حوالے کردی۔ وہ اس کی بیوی نکلی جسے ڈاکوؤں نے یہاں فروخت کر دیا تھا۔

## وفات

خواجہ سید محمد نے سید حسین کرمانی کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت شیخ العالم بابا فرید گنج شکرؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ بار بار پوچھتے تھے۔

"مولانا نظام الدینؒ دہلی سے آئے یا نہیں؟"

جب حاضرین عرض کرتے کہ نہیں آئے تو آپ فرماتے۔

"میں بھی اپنے شیخ کی وفات کے وقت دہلی میں نہ تھا' ہانسی میں تھا۔"

اس کے بعد آپ نے خرقہ اور تبرکات حضرت سلطان المشائخ کے لئے امانت رکھوا دیے کہ جب مولانا نظام الدینؒ دہلی سے یہاں آئیں تو ان کو دے دیے جائیں۔

## خواجہ حسن نظامی کا حاشیہ

### ٹھیکری کا نقش

میں نے بعض پرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ سیاحت کے دوران جنگل سے گزر رہے تھے۔ سواری میں ایک گدھا تھا۔ یکایک بارش ہونے لگی۔ قریب میں کمہاروں کا مکان دکھائی دیا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اور گھر کے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے کہا کہ

"یہاں ایک عورت کے بچہ ہونے والا ہے۔ کئی دن سے دردِ زہ میں مبتلا ہے' مگر بچہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں ہم تم کو جگہ کہاں سے دیں۔"

حضرت نے جواب دیا۔

"مجھے جگہ دے دو۔ بچہ ابھی پیدا ہو جائے گا۔"

کمہاروں نے اجازت دے دی تو حضرت نے فرمایا کہ میرے گدھے کو بھی جگہ دے دو۔ انہوں نے کہا کہ یہاں آدمیوں کے لئے تو جگہ ہے نہیں' گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے' میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر انہوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی۔ تب حضرت نے کمہاروں کے آوے سے ایک ٹھیکرا اٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا

مرا جائے شد خر مرا جائے شد
تو خواہی بزائی نہ خواہی بزا

(مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی۔ اب اے عورت تو چاہے بچہ جن یا نہ جن۔)

اس کے بعد حضرت نے وہ ٹھیکری کمہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچہ پیدا ہوگیا۔ اس وقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے اور اس کی تاثیر کا عجیب تماشا دیکھا ہے۔ خود میں نے ہزاروں عورتوں کو ٹھیکری کا یہ تعویذ دیا اور اس کا بہت جلدی اثر ہوا۔

---

۱۔ اس حقیقت کا اظہار حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے اس شعر سے ہوتا ہے جو داتا صاحبؒ کے روضے پر کندہ ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما
(م ـ ر)

۲ ـ آپ کا معمول تھا کہ رات کو سوتے وقت تین ہزار مرتبہ درود طریقت پڑھا کرتے تھے۔ شادی کی وجہ سے تین شب یہ درود شریف نہ پڑھ سکے۔ (م۔ر)

# کرامت کا رومال

آج میں حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ علاء الدین خلجی کے کوتوال ملک علاء الملک وہاں آئے اور تسلیمات بجا لا کر ایک صف میں دو زانو بیٹھ گئے۔ تب حضرت نے ارشاد فرمایا:

"خدا علاء الملک کو جزائے خیر دے کہ اس نے بادشاہ کو بڑی گمراہی سے بچا لیا۔ سلطان خلجی کو نبوت کا دعویٰ کرنے کا خیال ہو گیا تھا۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی نامناسب باتیں اس کے دماغ میں پیدا ہو گئی تھیں۔ کسی مصاحب اور امیر کی جرأت نہ تھی کہ وہ سلطان سے ان خیالات کے خلاف کچھ کہتا۔ مگر علاء الملک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر نہایت جرأت اور بے باکی کے ساتھ سلطان سے باتیں کیں اور اس کے تمام فاسد خیالات کو دل و دماغ سے دور کر دیا۔"

ملک علاء الملک اپنی جگہ سے اٹھا اور تسلیم بجا لا کر دست بستہ عرض کیا:

"یہ سب مخدوم کی توجہ اور ہمت خاص کی تاثیر تھی اور جو کچھ حضرت نے مجھے تلقین فرمائی تھی' اس کی تعمیل میں نے کی تھی۔ خدا مخدوم کا سایہ اس شہر' اس ملک اور اس سلطنت میں قائم رکھے۔" یہ عرض کر کے وہ مودب اپنی صف میں آ کر بیٹھ گیا۔

حضرت سلطان المشائخ کچھ دیر زمین کی طرف غور سے دیکھتے رہے گویا کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"بادشاہ کو اپنی رعایا کی اندرونی حالت سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔ اگرچہ علاء الملک اسے ہر بات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں اور ملک خطیر الدین بھی اس فرض کو بخوبی انجام دیتے ہیں' پھر بھی یہ بہتر ہے کہ سلطان ان باتوں کو خود بھی جانتا رہے جو علاء الملک اور ملک خطیر الدین کے علم سے باہر ہیں۔"

اس کے بعد حضرت نے وہ رومال اٹھایا جس سے آپ وضو کرنے کے بعد اپنا چہرۂ مبارک صاف کیا کرتے ہیں اور علاء الملک کو دے کر یہ فرمایا:

"لو' یہ رومال سلطان کو دے دینا اور کہنا کہ روزانہ رات کو سوتے وقت اپنے چہرے پر ڈال لیا کرے۔"

علاء الملک نے نہایت ادب سے جھک کر یہ رومال حضرت سے لیا اور چوم کر اپنے سر پر رکھا اور پچھلے قدم ہٹتا ہوا مجلس سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت کچھ دیر تک حاضرین کو تلقین فرماتے رہے۔

میں دوسرے دن حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یکایک کوتوال شہر علاء الملک وہاں آیا۔ وہ آج بہت پریشان معلوم ہوتا تھا۔ اس نے تعظیم بجا لانے کے بعد یہ عرض کیا:

"رات کو سلطان نے حضرت کا رومال چہرے پر ڈالا۔ کچھ دیر کے بعد مجھے بلوا کر کہا کہ سارا ہندوستان میری آنکھوں کے سامنے آگیا۔ میں نے دہلی شہر کے ہر گھر کو اندر سے دیکھا۔ بہت سے جرم اور گناہ اس شہر میں ہو رہے ہیں۔ میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے کہ فلاں فلاں آدمیوں کو پکڑو اور انہیں چوری' قمار بازی' شراب خوری' فحاشی بدکاری وغیرہ کے جرم میں پکڑ کر سزائیں دو۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں اس قسم کے مجرم نہ پائے گئے ہوں۔ اس طرح ساری رات مجھے جاگنا پڑا۔ اب سارے شہر میں تہلکہ پڑ گیا ہے کہ بادشاہ کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ لوگوں میں گھبراہٹ اور سراسیمگی پھیل گئی ہے۔ لہٰذا یہ غلام اس لئے حاضر ہوا ہے کہ مخدوم سے شہر کی کیفیت عرض کرے۔ اس کے بعد حضرت کا جو حکم ہو اس پر عمل کرے۔"

حضرت کو یہ باتیں سن کر جلال آگیا۔ فرمایا:

"انسان غلط راستہ اختیار کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔ میں نے اس کو اپنا رومال اس لئے دیا تھا کہ وہ شہر کے مظلوموں اور مفلسوں کی تکلیفوں سے واقف ہو اور انہیں دوسروں کے ظلم و ستم سے بچائے۔ ان کی غربت اور مفلسی دور کرے۔ مگر اس نے اس طرف توجہ نہ کی اور لوگوں کے گناہوں کی طرف اس کا خیال گیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے۔ وہ اپنے بندوں کے عیبوں پر شان ستاری سے پردے ڈالتا رہتا ہے۔ اس نے دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کو اسی لئے بنایا ہے کہ بندوں کے عیب اور گناہ اس اندھیرے میں دوسروں کی نگاہوں سے چھپ جائیں۔"

اس کے بعد حضرت نے رسول اللہ ﷺ کا ایک واقعہ بیان فرمایا:

"ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چاروں اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے الگ

الگ سوالات کیے۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔

"اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے تو اس کا شکرانہ کس عمل سے ادا کرو گے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"اس نعمت کے شکرانے میں سچ بولا کروں گا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

"اس نعمت کے شکرانے میں انصاف کیا کروں گا۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

"اس نعمت کے شکرانے میں سخاوت کیا کروں گا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں جوابوں کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا:

"اس نعمت کی شکر گزاری میں خدا کے بندوں کے عیبوں کی پردہ پوشی کیا کروں گا۔"

یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"علی کا جواب تینوں جوابوں سے افضل ہے کیونکہ اس جواب میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔"

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا:

"علاء الملک ابھی سلطان کے پاس جائیں اور اس سے یہ واقعہ بیان کریں اور اسے یہ بھی کہہ دیں کہ بادشاہ اس رومال کے ذریعے جو کچھ معلوم کرے' اسے دل میں رکھے' کسی پر ظاہر نہ کرے۔ صرف مظلوموں اور مفلسوں کی مدد اس علم کے ذریعے کرتا رہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اتنا ظرف نہیں رکھتا۔ لہٰذا علاء الملک شہر کی خبریں اپنے عملے کے ذریعے بادشاہ کو روزانہ پہنچائیں۔ تمام ملک کی خبریں حاصل کرنے کا کام ملک خطیر الدین وزیر شروع کر دیں تاکہ بادشاہ ظاہری ذرائع کی خبروں پر متوجہ ہو اور ملک میں کوئی خرابی' بے انتظامی اور ظلم و ستم نہ ہونے پائے۔"

یہ سن کر ملک علاء الملک تعظیم بجا لایا اور مجلس سے واپس چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وضو کی برکت سے غیبی حالات دکھاتا رہتا ہے۔ مگر وہ انسانوں کے عیبوں کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ زبان بند رکھتے ہیں۔ گویا وہ دیکھتے ہیں مگر نہیں دیکھتے' سنتے ہیں

مگر نہیں سنتے، جانتے ہیں مگر نہیں جانتے۔" پھر آپ خواجہ سید محمد کی طرف مخاطب ہوئے اور یوں گفتگو ہوئی:

حضرت: تم ہر وقت باوضو رہتے ہو؟

خواجہ محمد: (ذرا رک کر) بعض اوقات غفلت ہو جاتی ہے۔

حضرت: اس غفلت سے بچنے کی کوشش کرو۔ جو بندہ چالیس دن تک باوضو رہنے کی کوشش کرتا ہے، اس کی نظروں میں باطنی آنکھوں کی روشنی آ جاتی ہے۔ وہ ہر آدمی کے دل کی بات صورت دیکھتے ہی معلوم کر لیتا ہے۔ وہ زمین کے اندر کی چھپی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ باوضو رہنے والے کی نظر میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ کثیف اور ٹھوس اجسام کو دیکھتا ہے تو ان کی کدورت اس کی نظروں سے دور ہو جاتی ہے۔ وہ زمین کی آخری حد تک ہر مدفون چیز کو دیکھنے لگتا ہے۔ ہزاروں میل دور کی چیز بھی اسے نظر آنے لگتی ہے چاہے راستے میں پہاڑ ہی کیوں حائل نہ ہوں۔

خواجہ محمد: کیا محض باوضو رہنے سے ایسا ہو جاتا ہے؟

حضرت: باوضو رہنا جسم کو پاک رکھتا ہے اور خیالات میں بھی پاکی پیدا کرتا ہے۔ جسم اور روح کی پاکیزگی اور خیالات کی یکسوئی سے انسان روشن ضمیر بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس کپڑے سے وضو کے بعد چہرہ صاف کیا جاتا ہے، اس کے اندر بھی باوضو رہنے کا اثر منتقل ہو جاتا ہے۔

خواجہ محمد: مخدوم کے رومال کی تاثیر طرغی مغل کے واقعہ میں سب نے دیکھی تھی۔ اور آج سلطان خلجی کی حقیقت سن کر زیادہ تصدیق ہوگئی۔ لیکن یہ بات مخدوم کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ ہم ناقصوں کے باوضو رہنے سے شاید یہ اثر پیدا نہ ہو۔ ہم ناقص لوگ تو اب تک مخدوم کے ارشاد کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکے کہ آیا محض باوضو رہنے سے انسان روشن ضمیر ہو جاتا ہے یا اور کوئی چیز بھی اس کے لئے ضروری ہے؟

حضرت: (تبسم فرما کر اور خواجہ سید محمد کے رخسار کی زلف چٹکی سے پکڑ کر) ہاں، شیخ کی محبت اور ہر وقت اس کے تصور میں رہنا اس کے لئے ضروری شرط ہے۔

حضرت نے خواجہ محمد کی زلف چٹکی سے پکڑ کر جونہی الفاظ زبان سے ادا کئے، انہوں نے

ایک چیخ ماری اور حضرت کے قدموں میں سر رکھ کر تڑپنے لگے۔ آپ نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ حضرت کی آنکھیں بھی اشک بار ہوگئیں۔ تمام اہل مجلس پر بھی گریہ طاری ہوگیا۔

کچھ دیر کے بعد مجلس برخاست ہوئی۔ میں خواجہ سید محمد کے ہمراہ ان کے مکان کی طرف روانہ ہوگیا۔

# ہندو مہمان

جب ہم دونوں واپس مکان پر آئے تو دیکھا کہ میرے قرابت دار سیتل دیو، سنبھل دیو اور جیتل دیو وہاں بیٹھے ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔ خواجہ سید محمد نے حضرت کے حکم کے بموجب لنگر خانے کے داروغہ خواجہ اقبال کو خبر دے دی تھی کہ پرسوں میرے یہاں تین مہمان آنے والے ہیں۔ اس لئے آج انہوں نے جب لنگر سے کھانا بھجوایا تو تین آدمیوں کا کھانا زائد تھا۔

حضرت کے جتنے اقرباء، پیر زادے اور پرانے رفیق یہاں رہتے ہیں، ان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔ ان سب کا کھانا لنگر میں تیار ہو کر پکا پکایا گھروں میں بھیج دیا جاتا ہے۔ لنگر خانے میں جو نئے مسافر اور مہمان کھانا کھاتے ہیں، ان کی تعداد بھی روزانہ ایک ہزار کے قریب ہو جاتی ہے۔ کبھی کم بھی ہوتے ہیں اور کبھی ایک ہزار سے بڑھ بھی جاتے ہیں۔

لنگر کے کھانے بہت اعلیٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ تین چار طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں نمکین اور میٹھے دونوں ہوتے ہیں۔ چونکہ ہمارے حضرت کے دادا پیر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کو اور حضرت کے پیر حضرت شیخ العالم بابا فرید گنج شکرؒ کو حلوا پسند تھا اس واسطے حضرت بھی حلوا پسند کرتے ہیں۔ شام کے افطار کے بعد بعض اوقات حلوا تناول فرماتے ہیں۔

## حلوے کا قصہ

خواجہ سید محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ "میری جاگیر کی سند گم ہو گئی ہے اور بادشاہ کے اہل کار نئی سند دینے سے انکار کرتے ہیں۔

حضرت نے از راہ خوش طبعی اس آدمی سے فرمایا:

"حلوا کھلاؤ تو تمہاری سند کے لئے دعا مانگوں۔"

وہ شخص فوراً کھڑا ہوگیا اور بولا کہ "میں ابھی بازار سے حلوا لاتا ہوں۔" پھر وہ باہر گیا اور تھوڑی دیر میں حلوا لے کر آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک کاغذ بھی تھا۔ وہ حلوا اور کاغذ حضرت کے سامنے رکھ کر کہنے لگا:

"جب میں نے حلوائی سے حلوا خریدا اور اس نے ردی کاغذ میں اسے رکھنا چاہا تو میں نے دور سے اس کاغذ کو پہچانا کہ یہ تو میری گم شدہ سند ہے۔ میں نے حلوائی سے کہا کہ یہ میرے کام کا کاغذ ہے۔ اس میں حلوا نہ رکھنا ورنہ یہ خراب ہو جائے گا۔ حلوائی نے وہ کاغذ مجھے دے دیا اور حلوہ دوسرے کاغذ میں باندھ دیا۔"

حضرت نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا اور اس شخص سے کہا:

"جاؤ۔ حلوا اپنے گھر لے جاؤ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی نیاز دے کر اپنے بچوں میں حلوا بانٹ دو۔ یہ بابا صاحب کی کرامت ہے جو اتنی جلدی کاغذ تم کو مل گیا۔ تم حلوہ لینے گئے تو میں نے شیخ العالمؒ کی طرف توجہ کی اور ان کی روح کی ہمت نے میری مدد فرمائی اور تمہیں تمہارا کاغذ مل گیا۔"

چونکہ لنگر سے کھانا آچکا تھا' لہٰذا دستر خوان بچھایا گیا۔ میں نے اپنے ہندو قرابت داروں سے پوچھا:

"کیا تم لوگوں نے مسلمانوں کا کھانا کھانے کا پرہیز توڑ دیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"مصیبت اور ضرورت سب کچھ کراتی ہے۔ جلاوطنی میں سب پرہیز ٹوٹ گئے۔ پھر بھی جہاں تک ہوتا تھا' مسلمانوں کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مگر یہ کھانا تو دھرم گرو کے گھر کا ہے۔ یہ تو ہمارے گھر کے کھانوں سے بھی زیادہ پاک ہے۔"

پھر ہم سب نے ایک ہی دستر خوان پر جمع ہو کر الگ الگ برتنوں میں کھانا کھایا۔ اس وقت دستر خوان پر چار ہندو اور چار مسلمان تھے۔ ہندوؤں میں میں اور میرے تینوں رشتہ دار۔ مسلمانوں میں خواجہ سید محمد' ان کے بھائی سید موسیٰ' دونوں کے استاد خواجہ احمد نیشاپوری اور گھر کا خادم ملیح۔ یہ لوگ نوکروں اور غلاموں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے ہیں کیونکہ ان کے مذہب نے انہیں یہی تعلیم دی ہے۔ مگر میرا دل اب تک اس رواج کی طرف راغب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس سے نوکروں اور غلاموں میں ہمسری کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

کھانے کے بعد میرے رشتہ داروں نے کہا کہ انہوں نے شہر میں ایک بہت اچھا مکان

لے لیا ہے۔ اور کچھ موتی فروخت کر کے کپڑے کی دکان کھولنے کا انتظام کیا ہے۔ ہم تینوں اس کام سے مطمئن ہو جائیں تو پھر روزانہ شام کو حضرت کی مجلس میں حاضر ہوا کریں گے۔

اس کے بعد دیر تک حضرت کی مجلس کا ذکر ہوتا رہا۔ میں نے اپنے رشتہ داروں سے کرامت کے رومال کا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا:

"عجیب بات ہے۔ کل ہمارے ہاں بھی کوتوال کا ایک آدمی آیا تھا اور کہتا تھا کہ بادشاہ کو معلوم ہوا ہے کہ جو موتی اس نے حضرت کی نذر کئے تھے وہ اس گھر کے ہندوؤں کے پاس رکھے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ انہوں نے کیوں کر یہ موتی حاصل کئے۔ ہم نے سپاہی سے ساری حقیقت حضرت کے موتی دینے کی بیان کردی۔ وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ اب کرامت کے رومال کا حال تم سے سن کر یہ بات سمجھ میں آئی کہ سلطان نے اس رومال کے ذریعے ہمارے گھر کا حال بھی معلوم کرلیا ہوگا۔ ورنہ ہم بہت پریشان تھے کہ بادشاہ دہلی کو ہمارے گھر کے اندر کی حالت کیونکر معلوم ہوگئی۔"

☆☆☆

خواجہ حسن نظامی کا حاشیہ

تاریخ فرشتہ (ص ۱۰۴) سے بھی راجکمار ہردیو کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ علاء الدین خلجی ۳ سال بے دغدغہ حکومت کرنے کے بعد بہک گیا تھا اور اس کے خیالات میں حسب ذیل فتور آگیا تھا:

۱۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چار یاروں کی مدد سے دین اسلام کی عظمت و شوکت قائم کی تھی، میں اپنے چار یاروں اور امیروں کی مدد سے ایک نیا دین قائم کرسکتا ہوں۔ یعنی الماس بیگ الغ خان (بھائی)، ملک ظفر خان (سپہ سالار)، ملک نصرت خان (بھانجہ) سنجر الپ خان (سالا)۔

۲۔ میرے پاس فوج اور خزانہ بہت ہے، اس واسطے دہلی میں اپنا ایک نائب مقرر کرکے سکندر کی طرح دنیا کو فتح کرنے جاؤں گا۔

چونکہ بادشاہ کی خدمت میں ہر وقت شراب کا دور رہتا تھا، لہٰذا خوشامدی نشے میں جھوم جھوم کر علاء الدین کے خیالوں کی تائید کرتے تھے۔ کسی میں بادشاہ سے اختلاف کرنے کی مجال نہ تھی۔ خلجی کے خیالات دن بدن طاقت پکڑتے جاتے تھے۔

آخر ایک دن حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید ملک علاء الملک کوتوال نے سر ہتھیلی پر رکھ کر

بادشاہ سے کہا:

"اگر مجلس سے شراب ہٹا دی جائے اور سب اہل مجلس باہر چلے جائیں تو میں ان دونوں امور کے متعلق حضور سے کچھ عرض کروں۔"

بادشاہ نے صراحی اور پیالہ مجلس سے ہٹوا دیا اور سوائے اپنے چار مذکورہ یاروں کے سب حاضرین کو باہر بھیج دیا۔ تب' علاء الملک نے کہا:

"رسول اللہ ﷺ نے نیا دین چار یاروں کی مدد سے نہیں' بلکہ خدا کی وحی کی مدد سے چلایا تھا۔ اور وہ آپ کو میسر نہیں۔ ذرا خیال کیجئے چنگیز خان کو کہ اس نے اور اس کی اولاد نے سب اسلامی ملکوں کو اسلام کے مٹانے کے لئے زیر و زبر کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کو مار ڈالا۔ پھر بھی وہ اسلام کو نہ مٹا سکا اور اپنا دین نہ چلا سکا۔ آخر اس کی اولاد نے مجبور ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ اور اسلام کی حمایت میں جہاد کرنے شروع کئے تب ان کی سلطنتیں مضبوط ہوئیں۔ پس اگر حضور کے یہ خیالات ہندوستان میں مشہور ہوں گے تو سارا ملک مخالفت کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ اور ایسی سخت بغاوت ہوگی جس کو کوئی طاقت نہ سنبھال سکے گی۔"

"تو سچ کہتا ہے۔ میں اپنے اس خیال سے توبہ کرتا ہوں۔ اب دوسری کی نسبت تیری کیا رائے ہے کہ میں سکندر کی طرح ساری دنیا کو فتح کروں؟"

علاء الملک نے بادشاہ کو جواب دیا:

"میں اس ارادے کی تائید کرتا ہوں کہ یہ عزم شاہانہ ہمت کو زیبا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ عرض کروں گا کہ جب حضور ہندوستان سے باہر دنیا کو فتح کرنے جائیں گے تو ہندوستان میں اپنا نائب کس کو بنائیں گے؟ یہاں تو ہر شخص مکر و دغا اور بغاوت و سرکشی سے لبریز دکھائی دیتا ہے۔ سکندر کے زمانے میں یونان کی یہ حالت نہ تھی۔ اور اس نے ارسطو جیسے عاقل' حکیم اور نیک نیت شخص کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ اگر آپ کے ہاں بھی کوئی ارسطو موجود ہو تو شوق سے اس کو نائب بنا کر دنیا کو فتح کرنے کے لئے باہر جایئے۔ ورنہ اس خیال کو چھوڑ دیجئے اور ہندوستان کے ان علاقوں کو فتح کیجئے جہاں ابھی مسلمانوں کا قدم نہیں پہنچا ہے۔"

علاء الدین نے اس بات کو بھی قبول کیا اور علاء الملک کو اس بے باکانہ اظہار خیال پر بہت تحسین و آفرین کی۔

# ایک نومولود بچہ[1]

آج میں حضرت سلطان المشائخؒ کی مجلس میں حاضر تھا۔ حضرت اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ اس وقت بادشاہ دہلی کا ایک بڑا امیر اپنے بچے کو گود میں لے کر آیا۔ وہ بچہ آج ہی پیدا ہوا تھا۔ حضرت نے اس امیر کو قریب بلایا اور یہ ارشاد فرمایا:

"اس مشہور و معروف آدمی (بچے) کو میرے پاس لاؤ۔"

جب وہ حضرت کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اپنے وضو کا پانی اس کے ہونٹوں کو لگایا۔

---

ا۔ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا شاہی ملک حاجب کا تھا۔ حضرت کی زبان سے مشہور و معروف لفظ سن کر بچے کا نام معروف خاں رکھا گیا تھا۔ جو آگے چل کر بہت بڑا اور شہرہ آفاق امیر بنا۔ (حسن نظامی)

# کرمانی خاندان

آج میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا:

"ہمارے حضرت کے رفیقوں میں کرمانی خاندان بھی ہے۔ لوگ اس خاندان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ حضرت بھی اس خاندان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ بتائیے' یہ کون لوگ ہیں؟"

خواجہ سید محمد نے مجھے ساری باتیں مفصل بتائیں:

"اس خاندان کے بزرگ خواجہ سید محمد کرمانی ہیں جو کرمان میں رہتے تھے۔ وہاں ان کی بہت بڑی جائیداد تھی۔ ان کے چچا سید احمد کرمانی ملتان میں ٹکسال کے افسر تھے۔ خواجہ سید محمد کرمانی تجارت کے لئے جب لاہور آتے تو چچا سے ملنے بھی ملتان آتے تھے۔ راستے میں اجودھن پڑتا تھا۔ وہاں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے۔

سید احمد کرمانی نے اپنی لڑکی کی شادی سید محمد کرمانی سے کردی اور چاہا کہ بیٹی داماد دونوں ملتان میں رہیں۔ مگر سید محمد کرمانی اپنے مرشد حضرت بابا صاحبؒ کے پاس اجودھن میں رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کرمان کی جائیداد فروخت کرکے اہل و عیال کے ہمراہ اجودھن میں سکونت اختیار کرلی۔

اسی زمانے میں حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ اجودھن تشریف لائے تو بابا صاحب نے ان دونوں کا بھائی چارہ کرا دیا۔ حضرت جب دہلی سے آتے تو میرے والد مولانا سید بدر الدین اسحٰق کے ہاں ٹھہرتے۔ مگر سید محمد کرمانی سے بھی دن رات کی ہم نشینی رکھتے۔

خواجہ سید محمد اٹھارہ برس اجودھن میں رہے۔ جب حضرت محبوب الٰہیؒ کو دہلی کی خلافت ملی تو ان ہی کے ساتھ وہ بھی اپنے اہل و عیال سمیت دہلی آگئے اور حضرت کی رفاقت میں رہنے لگے۔ چونکہ ابتداء میں حضرت کو فقر و فاقہ رہتا تھا' اس واسطے کرمانی بھی حضرت کے ساتھ بہت

عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک دفعہ سلطان جلال الدین خلجی نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں ایک گاؤں کی ملکیت کا فرمان بطور نذرانہ پیش کیا۔ حضرت نے اپنے عزیزوں سے صلاح لی۔ سب نے کہا کہ گاؤں قبول کرلینا چاہیے۔ لیکن جب حضرت نے سید محمد کرمانی سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

"اگر تم گاؤں قبول کرلو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے۔ ہم تو ترک دنیا کر کے یہاں آئے ہیں۔ کرمان میں ہماری بہت بڑی جائیداد تھی۔ اس کو چھوڑ دیا۔ ملتان میں اپنے خسر کے ساتھ نہ رہے۔ اگر تم شاہی گاؤں قبول کرلو گے تو دہلی میں تمہارے ساتھ کیونکر رہ سکتے ہیں۔"

یہ جواب سن کر حضرت نے گاؤں کا فرمان واپس کردیا اور خواجہ سید محمد کرمانی کی رائے کو اپنے عزیزوں کی رائے پر مقدم رکھا۔

جب میرے نانا (حضرت بابا فرید گنج شکرؒ) کا اجودھن میں انتقال ہوا اور والد بھی چل بسے تو حضرت سلطان المشائخؒ نے سید محمد کرمانی کو اجودھن بھیج کر ہم دونوں بھائیوں اور ہماری والدہ کو دہلی بلوا لیا تھا۔ سید محمد کرمانی کے چار بیٹے ہیں۔ سید نور الدین مبارک کرمانی۔ سید کمال الدین احمد کرمانی۔ سید قطب الدین حسین کرمانی۔ سید خاموش کرمانی۔ کرمانی صاحب کے تیسرے فرزند حسین کرمانی حضرت سلطان المشائخؒ کی مجلس میں بہت مقبول ہیں۔ حضرت انہیں اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جس طرح امیر خسروؒ' ہم دونوں بھائیوں اور اپنی بہن کے دونوں پوتوں کو عزیز رکھتے ہیں۔

جناب سید محمد کرمانی کے یہ حالات سن کر میں نے خواجہ سید محمد سے اشتیاق ظاہر کیا کہ مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ چنانچہ وہ راضی ہوگئے اور مجھے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

میں نے دیکھا کہ نہایت نورانی صورت' گورے رنگ' سفید داڑھی' صاف ستھرے لباس کے ایک بزرگ جانماز پر بیٹھے ہیں۔ ہم دونوں نے انہیں سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گئے۔ پھر خواجہ سید محمد نے میرا حال انہیں سنایا۔ فرمانے لگے کہ میں ان سے واقف ہوں اور انہیں اس دن بھی دیکھا تھا جب ان کو وجد آگیا تھا۔

سید صاحب تھوڑی دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر ایک خادم نے آکر ہمارے سامنے دستر خوان بچھا دیا اور کھچڑی کی ایک رکابی لا کر رکھ دی جس کے بیچ میں گھی ڈالا گیا تھا۔ ایک برتن

میں شلجم کا میٹھا اچار بھی تھا۔ ہم دونوں نے کھچڑی کھائی۔ اچار بہت لذیذ تھا۔

سید کرمانی صاحب بہت دیر تک میرے حالات دریافت کرتے رہے۔ وہ بہت خوش مزاج تھے۔ میں نے ان سے کرمان اور خصوصی طور پر ان کی تجارت کے بارے میں بہت سے سوالات کئے۔

قبل ازیں' میرا یہ خیال تھا کہ مسلمان سوائے جنگ' قتل اور خوں ریزی کرنے اور کاروبار حکومت چلانے کے' تجارت کا ہنر نہیں جانتے۔ ان کی زندگی کے دو پہلو ہیں اور دونوں انتہائی ہیں۔ جو دنیا دار ہیں وہ حد سے زیادہ دنیا داری کی طرف مائل ہیں اور جو تارک ہیں وہ حد سے زیادہ دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔ درمیانی حالت کے مسلمان میں نے بہت کم دیکھے تھے۔ لہٰذا مجھے ہندو لوگ مسلمانوں سے اچھے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے یہاں برہمن اپنا کام بخوبی جانتے ہیں۔ چھتری لڑائی اور حکومت کے فن سے واقف ہیں۔ ویش کاشتکاری اور تجارت خوب کرتے ہیں۔ شودر خدمت گزاری سے بخوبی واقف ہیں۔ غرض ہر ذات اپنے اپنے کام میں مہارت رکھتی ہے۔ مسلمانوں میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ سب کام کرنا چاہتے ہیں اور کوئی کام بھی پوری طرح نہیں کرسکتے۔

مگر آج سید محمد کرمانی کی باتیں سن کر مجھے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ انہوں نے سالہا سال سے دنیا ترک کرکے درویشی اختیار کرلی ہے۔ مگر کاروبار کے فن کو بھولے نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ کرمان میں کس کس چیز کی تجارت ہوتی ہے اور کون سی چیزیں وہاں سے ہندوستان آتی ہیں۔ کن کن چیزوں کی تجارت میں کرمانیوں کو نفع ہوتا ہے اور کن اشیاء کے کاروبار میں ہندوستانی نفع کماتے ہیں۔

سید صاحب نے باتوں ہی باتوں میں یہ بھی فرمایا کہ ہمارے رسول ﷺ نے نبوت سے پہلے تجارت کی تھی۔ چونکہ ہم آپؐ کی آل میں سے ہیں لہٰذا تجارت کے فن بھی جانتے ہیں۔

میں سید صاحب کی مہربانی دیکھ کر ذرا بے باک ہو چلا تھا' اس لئے میں نے ان سے گستاخانہ سوال کیا:

"آپ نے دنیا کیوں ترک کر دی؟ جب آپ تجارت کرتے تھے اور کرمان کی زمین داری میں مصروف تھے تو کیا آپ کا دل خدا سے غافل ہو گیا تھا؟ کیا ترک دنیا کے بعد آپ کو خدا کا قرب حاصل ہو گیا؟"

سید صاحب یہ سوال سن کر مسکرائے اور خواجہ سید محمد سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "تمہارے مہمان کی طبیعت بہت تیز معلوم ہوتی ہے۔ میں ان کے سوال کا جواب بخوشی دوں گا۔" اس کے بعد وہ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

"سنو ہردیو! جب تک میں زمینداری اور تجارت میں مصروف تھا' اس وقت تک خدا کی یاد میں وہ لذت نہیں ملتی تھی جو ترک دنیا کے بعد حاصل ہوئی۔ ہر قوم جب عروج حاصل کرتی ہے تو اس کے افراد کام آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں۔ کوئی حکمرانی کا کام لیتا ہے تو کوئی وزارت کا! کوئی تجارت کرتا ہے تو کوئی کھیتی باڑی! کوئی صنعت و حرفت اختیار کرتا ہے اور کوئی سب کچھ چھوڑ کر خدا سے لو لگا لیتا ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے کام کی ترقی سے قوم کو عروج کی طرف لے جاتا ہے۔ آج اس ملک کا سلطان بہ حیثیت مسلمان قومی عروج کا کام کر رہا ہے اور اس کے امیر وزیر بھی! اس ملک کے صناع اور تاجر بھی! تارک الدنیا اور درویش بھی!

میرے خسر چاہتے تھے کہ شادی کے بعد میں ملتان میں رہوں تاکہ ان کی لڑکی ان کے پاس رہے۔ وہ ایک بڑے عہدے پر مامور تھے اور ان کے ذریعے مجھے بھی اعلیٰ نوکری مل سکتی تھی۔ یا میں کرمان سے چیزیں منگوا کر ملتان میں تجارت بھی کرسکتا تھا۔ مگر میرا دل زمینداری اور تجارت سے بھر چکا تھا اور ترک دنیا کی لذت حاصل کرنا چاہتا تھا' اس لئے اپنے پیر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے پاس اٹھارہ برس اجودھن میں رہا۔ اب اپنے دوست اور پیر بھائی مولانا نظام الدینؒ کی رفاقت میں یہاں رہتا ہوں۔ میری اولاد شاہی نوکری میں بھی ہے اور کچھ میری تعلیم و تربیت میں ہے۔ لیکن میں خدا کی یاد کی لذت اسی میں سمجھتا ہوں کہ دنیاوی جھگڑوں سے بے تعلق رہوں۔"

اس کے بعد سید محمد کرمانی نے مجھ سے پوچھا:

"تمہارے دہلی آنے کا کیا مقصد ہے اور تم اپنی آئندہ زندگی کس طرح بسر کرنا چاہتے ہو؟"

یہ سوال ایسا تھا کہ اس کا جواب دینا مجھے دشوار ہوگیا' کیونکہ میں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا۔ تاہم میں نے سید صاحب سے کہا:

"میں دیوگیر کے شاہی خاندان سے ہوں۔ وہاں میری زمینداری ہے۔ میرے ماں باپ حیات ہیں۔ میں وہی کام کروں گا جو باپ دادا کرتے آئے ہیں۔ دہلی فقط حضرت محبوب الٰہیؒ کی زیارت کو آیا تھا۔ اب یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔"

پھر سید صاحب نے آنکھیں بند کرکے یوں کہنا شروع کیا جیسے وہ کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھ رہے ہوں:

"ہاں! تم اپنے گھر جاؤ گے۔ پھر اپنے گھر آؤ گے۔ پھر اپنا گھر بدلو گے۔ پھر اپنا خیال بدلو گے۔ پھر سارے ہندوستان کے اختیارات کے مالک بن جاؤ گے۔ پورے ملک میں شہرت حاصل کرو گے۔ تمہارا نام کتابوں میں لکھا جائے گا۔ موجودہ نام کو لوگ بھول جائیں گے۔ ایک نیا نام ہوگا۔ پرانا عقیدہ نہیں رہے گا۔ ہندوستان کے بادشاہ تمہارے کاموں کے ضرورت مند ہوں گے۔ تمہارے ہاتھ میں تلوار بھی ہوگی اور قلم بھی! تمہیں بڑا عروج حاصل ہوگا۔ اس دنیا کی لذتیں تمہارا امتحان لیں گی۔ اس کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ تمہارے سامنے آئے گا۔ تمہارا دل خدا کی طرف اور خدا کے بندوں کی طرف متوجہ رہے گا۔ آخر اتنا بڑا عروج حاصل ہوگا جس کی نسبت قرآن یہ کہتا ہے کہ جس آدمی کو وہ عروج حاصل ہو جاتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔" [1]

یہ باتیں سن کر میں بے تاب ہوگیا اور اپنا سر سید صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔ انہوں نے میرے کان کی سنہری مندری پکڑ کر ہلائی اور کہا:

"اٹھو ہردیو! تم خدا کے مقبول بندے ہو۔"

---

۱۔ راجکمار ہردیو کو حضرت سید محمد کرمانیؒ نے جو بشارت دی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ وہ مسلمان ہوئے اور حضرت سلطان المشائخؒ نے احمد ایاز نام رکھا۔ وہ حضرت کے مرید ہوئے اور خلافت بھی ملی۔ انہیں خواجہ جہاں خطاب ملا۔ وہ گجرات کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ محمد تغلق کی ولیعہدی میں میر عمارت رہے۔ پھر دلی میں نائب وزیر بھی مقرر ہوئے۔ آخر سلطان محمد تغلق نے انہیں وزیر اعظم بنا دیا۔ محمد تغلق کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق کے حکم سے وہ بمقام سامانہ پنجاب شہید بھی کئے گئے جس کا اشارہ سید محمد کرمانی نے اپنی بشارت کے آخر میں کیا ہے۔

نوے سال کی عمر ہو جانے اور وزارت کی مصروفیت کے باوجود وہ ان تمام اوراد و وظائف کے پابند تھے جو حضرتؒ نے انہیں بتائے تھے۔ جب فیروز شاہ تغلق کا ایک امیر انہیں قتل کرنے کے لئے آیا تو جلاد سے کہا کہ "سجدے میں میرا سر کاٹیو۔"

چنانچہ انہوں نے غسل کیا۔ حضرت کی کلاہ اپنے سر پر رکھی۔ حضرت کا دیا ہوا عمامہ کلاہ پر باندھا اور نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ جب سجدے میں سر رکھا تو جلاد نے ان کی خواہش کے مطابق تلوار سے سر کاٹ دیا۔

آج تک یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ احمد ایاز (راجکمار ہردیو) کے مقبرے میں کوئی شخص وضو کرتا ہوا اور نماز پڑھتا ہوا بارہا دیکھا جاتا ہے۔ وہ یقیناً ان کی شہادت کا صلہ ہے۔

(حسن نظامی)

# اردو کی بنیاد

آج حضرتؒ نے رات کی مجلس خاص میں مجھے، خواجہ حسن سنجری، امیر خسرو، خواجہ سید محمد، خواجہ سید موسیٰ، اپنی بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون اور میرے تینوں رشتہ داروں سنبھل دیو، چیتل دیو اور سیتل دیو کو یاد فرمایا تھا۔

جب ہم سب جمع ہو گئے تو ارشاد ہوا:

"تم سب مل کر ایک ایسی زبان تیار کرو جسے ہندوستان کے رہنے والے ہندو اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان آپس کی بات چیت اور لین دین کے لئے کام میں لائیں۔"

پھر امیر خسرو اور خواجہ سید محمد کی طرف خاص التفات کے ساتھ حضور نے دیکھا اور فرمایا:

"میں پہلے بھی تم سے یہ بات کہہ چکا ہوں۔"

ان دونوں نے یوں عرض کیا:

"ہم مخدوم کے حکم پر عمل کر رہے ہیں۔"

تب امیر خسرو نے یہ بھی کہا:

"میں نے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک چھوٹی سی کتاب بھی لکھنی شروع کی ہے جس کا نام "خالق باری" تجویز کیا ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے مذکورہ کتاب کے کچھ اشعار حضرت کو سنائے جنہیں آپ نے بہت پسند فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:

"یہ بہت مفید چیز ہے، مگر ہندی زبان میں ایسے اشعار بھی لکھو جن کو لوگ گایا کریں۔"

پھر آپ نے خواجہ سید محمد سے فرمایا:

"تم اور خسرو موسیقی کے ماہر ہو۔ لہٰذا تم دونوں ایسے گیت اچھی طرح تیار کر سکتے ہو۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے سید رفیع الدین ہارون، خواجہ سید موسیٰ اور خواجہ حسن سنجری کو بھی اس بات کی تاکید فرمائی۔ ان سب نے ارشاد کی تعمیل کا وعدہ کیا۔ آخر میں ہم چاروں ہندوؤں کو بھی یہی حکم ہوا۔ ہم نے بھی اس کی تعمیل کا وعدہ کیا۔

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"آج کل ہماری فارسی اور خسروؔ کی ترکی زبانوں کے ساتھ ہندوؤں کی بول چال کے بہت سے لفظ مل گئے ہیں۔ اور اب لوگ اپنے گھروں اور مجلسوں میں بھی ہندی کے الفاظ بولنے لگے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو فارسی، عربی اور ترکی زبانوں میں ہندی کی آمیزش نہیں چاہتے۔ اس لئے ان کو سمجھانا چاہیے کہ ان کا اور حکومت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہندوستانیوں کو اپنے دل کی بات سمجھا سکیں اور خود ان کے دلوں کی حالت سمجھ سکیں۔ یہ جب ہی ہوگا کہ وہ ضد چھوڑ دیں اور ہندی بول چال کا چرچا بڑھائیں[1]۔"

---

۱۔ راجکمار ہردیو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساڑھے چھ سو برس پہلے حضرت سلطان المشائخؒ نے ہندی زبان کی بنیاد رکھی تھی۔ آپ نے یہ زبان رائج کرنے کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ جماعت تیار کی تھی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس بول چال کو آج کل اردو کہتے ہیں اس کو شروع میں "ہندوی" کہا جاتا تھا کیونکہ امیر خسرو نے حضرت سلطان المشائخؒ کے حکم سے جو "خالق باری" لکھی تھی، اس میں جگہ جگہ ہندی کا لفظ لکھا ہے۔

آج کل ارو زبان کی ایجاد کی نسبت عجیب و غریب دعوے کئے جا رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے دکن اور گجرات کے پرانے شاعر ولی نے اردو ایجاد کی تھی۔ کوئی کہتا ہے شاہجہاں کے زمانے میں لال قلعہ دہلی سے اردو کی ابتداء ہوئی۔ اہل پنجاب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اردو زبان ایجاد کی ہے۔ سلطنت حیدر آباد دکن کے باشندوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اردو ایجاد کی ہے۔

ان سب جھگڑوں کا فیصلہ نہایت عمدگی سے ہو جائے گا جب راجکمار ہردیو کی کتاب "چہل روزہ" کا یہ بیان اہل ہند کے علم میں آئے گا کہ اردو زبان کی بنیاد حضرت سلطان المشائخ کے حکم سے اہل پنجاب' اہل اودھ' اہل دکن اور گجرات نے مل جل کر رکھی تھی کیونکہ حضرت خواجہ سید محمد پنجاب کی پیدائش تھے۔ حضرت امیر خسرو یو پی کی پیدائش تھے۔ راجکمار ہردیو اور ان کے تینوں رشتہ دار دکن اور گجرات سے تعلق رکھتے تھے۔ خود حضرت سلطان المشائخ کے والدین لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ خود یو پی کے شہر بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان سب نے مل کر جو کام زبان کی ایجاد کا شروع کیا تھا وہ دہلی میں کیا تھا۔ اس واسطے اہل دہلی بھی یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ اردو کی بنیاد دہلی میں رکھی گئی۔

راجکمار ہردیو نے حضرت امیر خسرو کی کتاب "خالق باری" کا ذکر بھی کیا ہے۔ گزشتہ زمانے میں یہ کتاب تمام ہندوستان میں بطور درس کے پڑھائی جاتی تھی۔ انگریزوں کے آنے کے بعد روزانہ نئے نئے نصاب تعلیم بننے لگے اس واسطے پرانے نصاب تعلیم کی کتابیں متروک ہوگئیں۔

آج کل بعض لوگ "خالق باری" کی نسبت یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ یہ حضرت امیر خسرو کی تصنیف نہیں ہے۔ تاہم اہل ہندوستان کی عام رائے یہی ہے کہ "خالق باری" حضرت امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

(حسن نظامی)

# قبول اسلام

ایک دن میں نے مجلس خاص میں حضرت شیخ المشائخؒ سے عرض کیا:

ہردیو: غلام اب تک اسلام قبول کرنے کے شرف سے محروم ہے۔ لیکن بھائی سید محمد سے یہ سنا ہے کہ جو آدمی ہر وقت باوضو رہتا ہے اور اپنے پیر کا تصور دل و دماغ میں قائم رکھتا ہے، اس کو دوسروں کے دلوں کی باتیں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ وہ زمین کے اندر کے دفینوں کو بھی دیکھنے لگتا ہے۔ تو کیا میں بھی اگر ہر وقت باوضو رہوں اور حضور کا تصور قائم رکھوں تو یہ نعمت مجھ کو حاصل ہو سکے گی؟

حضرتؒ: ہاں! تجھ کو بھی یہ نعمت حاصل ہو سکتی ہے اس شرط پر کہ تو بت پرستی نہ کرے، خدا کو ایک مانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول تسلیم کرے اور کسی کا مرید ہو جائے تو اس وقت تو بھی چالیس دن برابر باوضو رہنے اور اپنے پیر کا تصور کرنے سے اس نعمت کو حاصل کر لے گا۔

ہردیو: تو کیا میرا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہو گا؟

حضرتؒ: جب تو خدا کو ایک مان لے گا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کر لے گا تو مسلمان ہو جائے گا۔

ہردیو: اگر مسلمان ہو جانا اتنا آسان ہے تو مجھے اسی وقت مسلمان کر لیجئے۔

حضرت: مسلمان کرنا اور ہے، مسلمان ہونا اور۔ مسلمان کرنے کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا جبر، دباؤ، لالچ یا ذاتی غرض بھی شامل ہے۔ اور مسلمان ہونا ان سب سے بے لوث ہے۔ اس کے لئے کسی ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً آج اس وقت تو اس بات کا یقین کر لے اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول

ہیں تو اس یقین کے ساتھ ہی تو مسلمان ہو جائے گا۔

ہردیو: بے شک مجھے پورا یقین ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔

حضرت: تو بس تو مسلمان ہے۔

ہردیو: مجھے بیعت بھی کر لیجئے۔

حضرتؒ: ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ابھی نہ اس کی ضرورت ہے کہ تو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ تیرا نام بدلا جائے۔ البتہ تو سید محمد سے وضو سیکھ لے۔ پھر چالیس دن کے بعد وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس کا تو خواستگار ہے۔

میرے تینوں ہندو رشتہ داروں نے یہ باتیں سن کر کہا:

ہندو ساتھی: حضور! ہم بھی خدا کو ایک مانتے ہیں اور رسولؐ کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور حضور کو اپنا گرو بناتے ہیں۔ ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ وضو کرنا سیکھ لیں اور تصور شیخ بھی سیکھ لیں۔

حضرت: تم کو بھی اجازت ہے۔

# چالیس دن بعد

وضو کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجھے رات دن یہی خیال رہتا تھا کہ میں باوضو رہوں۔ حضرتؒ کی مجلس میں حاضر ہوتا' خواجہ حسن کے پاس چھاؤنی جاتا' امیر خسرو سے ملنے جایا کرتا' خواجہ سید محمد کرمانی سے جا کر ملاقات کیا کرتا' ہر حال میں باوضو رہتا۔ میں حضرت کی اجازت سے درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی زیارت کو گیا۔ اور بھی مزارات پر حاضری دی۔ اپنے ہندو بھائیوں کے مکان پر بھی دو رات رہا۔ مگر وضو کی پابندی ترک نہیں کی۔ البتہ ہندو بھائیوں سے باوضو رہنے کی پابندی نہیں ہو سکی۔

جب اس حالت میں چالیس دن ہوگئے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ خیال آیا کہ اب میری آنکھوں میں نور پیدا ہو جائے گا اور زمین کے **دفینے** نظر آنے لگیں گے۔ میں دیوگیر میں اپنے والدین کو یہاں سے بیٹھے بیٹھے دیکھنے لگوں گا۔ مجھے ہر شخص کے دل کی باتیں معلوم ہونے لگیں گی۔ مگر چالیس دن ہو جانے کے بعد کچھ دکھائی نہ دیا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ دل میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگے۔ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ نہ تو کھانا کھایا اور نہ حضرتؒ کی مجلس میں گیا۔

جی میں آیا کہ وضو کی پابندی چھوڑ دوں۔ مگر عادت ہو جانے کی وجہ سے وضو ترک نہ کرسکا۔ لیکن دل کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ جب نہ رہا گیا تو خواجہ سید محمد سے دل کا حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے بھی حضرتؒ کے ارشاد کے بعد وضو کی پابندی شروع کر دی ہے' لیکن انہیں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ چنانچہ یہ طے ہوا کہ اپنا حال عرض کرنے ہم دونوں حضرتؒ کے پاس چلیں۔

جب ہم حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اس وقت تخلیہ تھا اور امیر خسرو اندر تھے۔

خادم نے کہا کہ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ خواجہ سید محمد نے کہا کہ جا کر میرے آنے کی خبر دے دو۔ چنانچہ خادم اندر گیا اور واپس آ کر کہا "حضرتؒ تم دونوں کو اندر بلاتے ہیں۔" ہم اندر داخل ہوئے اور تسلیمات بجا لا کر بیٹھ گئے۔ ابھی کچھ بولنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرتؒ نے فرمایا:

"تم کو آزمانے اور امتحان لینے کا حق نہیں ہے۔ تم ابھی اس مقام میں ہو کہ کوئی اور تمہارا امتحان لے اور تم کو آزمائے۔ چالیس دن باوضو رہنے سے باطن کی صفائی ہو گئی ہے۔ مگر یہ خواہش کہ غیبی چیزیں نظر آنے لگیں، ناجائز ہے۔ یہ شیخ کی تعلیم کی آزمائش اور امتحان ہے۔ اور یہ ادب کے خلاف ہے۔"

حضرت کی اس تقریر سے میرے دل کے شکوک کم نہیں ہوئے بلکہ بڑھ گئے۔ مگر میں نے کچھ عرض نہیں کیا۔ چپکا بیٹھا رہا۔ حضرت نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی، پھر فرمایا:

"سید محمد مجھے دیکھیں اور ہردیو خسروؔ کو دیکھے۔"

میں نے فوراً خسروؔ کی طرف دیکھا۔ مگر ان کا جسم نظر نہ آیا بلکہ دھوئیں کے اندر روشنی دکھائی دی۔ کچھ دیر کے بعد دھواں اور روشنی غائب ہوگئی۔ اور امیر خسروؔ نظر آنے لگے۔ معلوم نہیں خواجہ سید محمد نے کیا دیکھا۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا:

"اپنے دائیں طرف دیکھ!"

میں نے جونہی دائیں طرف گردن موڑی، دیوگیر میں اپنے گھر اور ماں باپ کو دیکھا۔ والد چارپائی پر لیٹے تھے۔ میری ماں انہیں پنکھا جھل رہی تھیں۔ یہ دیکھنے کے بعد میں نے جھک کر تسلیمات ادا کیے۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا:

"جاؤ۔ دروازے کے کواڑ سخت تھے۔ میں نے ان کو کھول دیا ہے۔ اب تم کو ایک چلے کی اور ضرورت ہے۔"

ہم دونوں مجلس سے رخصت ہو کر قیام گاہ کی طرف چلے۔ راستے میں خواجہ سید محمد سے پوچھا:

"آپ نے کیا دیکھا تھا؟"

انہوں نے کہا:

"میں نے جب حضرت کی طرف نظر اٹھائی تو آپ دکھائی نہیں دیئے بلکہ میں نے اپنے نانا کو دیکھا۔ جب تم کو حضرت نے دائیں طرف دیکھنے کا حکم دیا تو میں نے بھی اپنے دائیں طرف

رخ کیا۔ مجھے ایک انجانا مقام نظر آیا۔ وہاں چارپائی پر ایک مرد لیٹا تھا۔ ایک عورت اسے پنکھا جھل رہی تھی۔"

یہ سن کر میں خواجہ سید محمد سے لپٹ گیا۔ پھر ان سے کہا:

"میں نے بھی یہی دیکھا جو آپ نے دیکھا۔ البتہ امیر خسرو کو دیکھنے سے مجھے دھواں نظر آیا اور اس کے اندر روشنی دکھائی دی۔"

اس وقت چاندنی رات تھی۔ ہم دونوں اپنی رہائش کے قریب پہنچے تو مجھے زمین میں ایک کالا سانپ لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے گھبرا کر خواجہ سید محمد سے کہا:

"ہٹیے۔ سانپ ہے۔"

انہوں نے ہنس کر جواب دیا:

"مگر وہ زمین کے اندر ہے' اوپر نہیں ہے۔ حضرت کی توجہ سے ہم دونوں زمین کے اندر کی چیزیں دیکھ رہے ہیں۔"

گھر پہنچ کر جب میں لیٹا تو دائیں طرف یہ خیال کرکے دیکھا کہ دیوگیر میں میرا گھر نظر آئے۔ یکایک وہی منظر سامنے آگیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے والد سو گئے ہیں اور ماں وہاں موجود نہیں ہے۔ تھوڑی دیر میں میری والدہ آئیں اور انہوں نے دوسری چارپائی بچھائی۔ پھر بستر بچھا کر لیٹ گئیں اور خود کو پنکھا جھلنے لگیں۔ پھر بولیں:

"خبر نہیں میرا ہردیو کیسا ہے۔ وہ مجھے بہت یاد آتا ہے۔"

میں نے اپنی ماں کی آواز صاف سنی۔ میرے والد سوئے نہیں تھے' کروٹ بدلے بغیر کہا:

"وہ اچھا ہے۔ ابھی آٹھ دن پہلے تو خبر آچکی ہے کہ وہ بہت آرام سے ہے۔ اب تو سنبھل' جیتل اور سیتل بھی وہاں پہنچ گئے ہیں۔"

اس کے بعد میرے ماں باپ دونوں اپنے اپنے بستر پر سو گئے۔ مجھے اس منظر سے ایسی خوشی ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں نے خواجہ سید محمد کو دیکھا۔ وہ رات کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوگئے تو میں نے ان سے یہ ساری حالت بیان کی۔ کہنے لگے:

خواجہ محمد: حضرتؒ نے امتحان اور آزمائش کا جو ذکر کیا تھا' وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تم اس نعمت کو تماشا نہ بناؤ۔ ورنہ اس سے نقصان ہوگا۔

ہردیو: کیا جو چیزیں دکھائی دیتی ہیں' نظر نہیں آئیں گی۔

خواجہ محمد: نہیں! دنیا کے سیر تماشے میں اس نعمت کو ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے

ذریعے ہمیں خدا کا دیدار کرنا چاہیے۔ حضرتؒ نے جو امتحان اور آزمائش کا لفظ فرمایا تھا' اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے اور میرے دل میں شکوک پیدا ہو رہے تھے۔ اس کو حضرت نے بے ادبی' گستاخی اور امتحان و آزمائش کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

یہ بات سن کر مجھے ندامت ہوئی اور میں نے عہد کیا کہ آئندہ خدا کی طرف دھیان رکھوں گا' اس نعمت کو کھیل تماشا نہیں بناؤں گا اور حضرتؒ نے جو دوسرا چلہ کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ دوسرا چلہ بھی پورا ہوا اور میں نے اس زمانے میں ایسا کچھ دیکھا جسے یہاں لکھ نہیں سکتا۔ مگر وہ دید ہر وقت کی نہ تھی' بلکہ کبھی کبھی ہوتی تھی۔ اور میں خفیہ طور سے خواجہ سید محمد کے ساتھ نماز بھی پڑھنے لگا تھا۔

# مُجَعّد اور محلُوق

میں نے ایک دن خواجہ سید محمد سے کچھ سوالات کیے۔ انہوں نے ایسے مفصل انداز میں جواب دیئے کہ میری تسلی ہو گئی:

ہردیو: حضرت کی مجلس میں کچھ لوگ تو ایسے آتے ہیں جن کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کے سروں پر لمبے بال ہوتے ہیں۔ جیسے کہ آپ کے سر پر ہیں یا سید حسین کرمانی صاحب کے سر پر ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

خواجہ محمد: جن کے سروں پر لمبے بال ہوتے ہیں ان کو مجعد کہتے ہیں۔ جعد عربی میں بال بڑھانے کو کہتے ہیں۔ جن کے سر منڈے ہوئے ہوتے ہیں ان کو محلوق کہتے ہیں۔ حلق عربی زبان میں سر منڈانے کو کہتے ہیں۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ خود حضرت سلطان المشائخ بھی محلوق ہیں اور آپ کے بڑے بڑے خلفاء بھی محلوق ہیں۔ بہت تھوڑے آدمی مجعد ہیں۔ چشتیہ سلسلے کے مشائخ خلافت دیتے وقت سر منڈوا دیتے ہیں تاکہ حج کعبہ کی تقلید ہو جائے کیونکہ حج کے زمانے میں حاجی لوگ بھی خدا کے لئے سر منڈایا کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کے سر پر بال ہیں انہیں خلافت نہیں ملی ہے۔

ہردیو: آپ حضرتؒ کے حکم سے لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ اور مرید وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو خلافت ملی ہو۔ پھر آپ نے اپنا سر کیوں نہیں منڈوایا؟

خواجہ محمد: مجھے صرف مرید کرنے کی اجازت ملی ہے، خلافت نہیں ملی۔ دیکھو، امیر خسروؒ حضرتؒ کے سب سے زیادہ مقبول مرید ہیں۔ انہیں مرید کرنے کی اجازت بھی مل چکی ہے۔ مگر وہ بھی مجعد ہیں۔ اور یہ تم نے دہلی میں ہر جگہ دیکھا ہو گا کہ

بادشاہ، اس کے امیر و وزیر، علماء، قاضی اور مفتی سب لمبے بال رکھتے ہیں۔
سیدوں اور ترکوں کا تو یہ پرانا دستور ہے کہ وہ سروں کے بال بڑھاتے ہیں۔

ہردیو: حضرت مرید کرنے کے وقت جو ٹوپی عطا فرماتے ہیں اس کا نام کلاہ چہار ترکی کیوں ہے؟

خواجہ محمد: تمام مشائخ چشتیہ اس ٹوپی کو چہار ترکی کہتے ہیں کہ یہ ٹوپی اوڑھنے والا چار چیزوں کو ترک کر دے گا۔ پرانے بزرگوں نے یہ چاروں ترک الگ الگ بیان کئے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ نے بھی کئی دفعہ ان چار ترکوں کی تشریح فرمائی ہے۔

ہردیو: جب آپ نے ہتھیار فروش کو مرید کیا تھا تو اس کی پیشانی کے قریب کے بالوں کو قینچی سے کترا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

خواجہ محمد: اس کو مقراض رانی کہتے ہیں۔ جن لوگوں کو خلافت دی جاتی ہے ان کا سر منڈایا جاتا ہے۔ جن کو خلافت نہیں دی جاتی انہیں مرید کرتے وقت سر منڈانے کی ایک علامت دی جاتی ہے، یعنی ان کے سر کے بالوں کا ایک حصہ قینچی سے کتر دیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

آج میں نے حضرتؒ سے مجلس میں عرض کیا کہ میں اجمیر شریف، اجودھن شریف اور بدایوں شریف جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔

حضرتؒ میری یہ درخواست سن کر چشم پر آب ہو گئے اور فرمایا:

"پہلے تم اجمیر شریف کی حاضری دو۔ پھر اجودھن جا کر حضرت شیخ العالمؒ کے مزار کی زیارت کرو۔ پھر میرے والد، نانا اور دادا کے مزارات کی زیارت کے لئے بدایوں جاؤ۔ مگر کیا تم میری والدہ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے ہو؟"

میں نے دست بستہ جواب دیا کہ "مجھے اس مزار کی خبر نہیں تھی۔ اس لئے حاضر نہیں ہوا۔"

حضرت نے ارشاد فرمایا:

"تم حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تھے۔ اسی کے قریب شہر سیری کے

شمال میں میری والدہ کا مزار ہے۔"

اس کے بعد حضرتؒ بہت دیر تک اپنی والدہ ماجدہ کے حالات بیان کرتے رہے۔ آپ پر گریہ طاری رہا۔ سب حاضرین بھی روتے رہے۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"مخدومہ نے میری تعلیم و تربیت میں بڑی کوشش فرمائی تھی۔ جب میں حضرت شیخ العالمؒ (بابا صاحب) سے خلافت لے کر آیا تو انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور بہت جلد وفات پا گئیں۔ ہمارا مکان شیخ نجیب الدین متوکل کے مکان کے قریب تھا۔ جس رات والدہ صاحبہ کی وفات ہوئی' میں ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ "نظام! اب تم جا کر سو جاؤ۔ زیادہ نہ جاگو۔" میں نے حکم کی تعمیل کی اور جا کر سو گیا۔ تھوڑی دیر میں لونڈی آئی اور مجھے جگایا کہ والدہ یاد فرماتی ہیں۔ میں فوراً حاضر ہوا۔ انہوں نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور یہ فرمایا:

"اے اللہ! میں اپنے نظام کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔"

اس کے بعد تھوڑی دیر مشغول بہ حق رہ کر خاموش ہوگئیں۔ میں نے دیکھا تو روح پرواز کرچکی تھی۔ اگر آخر وقت میں وہ یہ فرماتیں کہ میں نے تیرے لئے موتیوں سے بھرا ہوا کوٹھا چھوڑا ہے تو مجھے اس کی کچھ خوشی نہ ہوتی مگر اس کی آج تک خوشی ہے کہ انہوں نے مجھے خدا کے سپرد فرمایا۔"

دوسرے دن میں امیر خسرو' خواجہ حسن اور سید محمد کرمانی سے رخصت ہوا۔ اپنے عزیز بھائیوں سے بھی ملنے گیا۔ انہوں نے مجھ کو راستے کے خرچ کے لئے کچھ اشرفیاں دیں۔ خواجہ سید محمد نے اپنے خادم ملیح کو میرے ساتھ کردیا۔ میں پہلے حضرتؒ کی والدہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ پھر دوسرے دن سفر شروع کیا۔ اجمیر شریف پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر ہانسی گیا اور مخدوم جمال الدینؒ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر وہاں سے اجودھن گیا اور حضرت شیخ العالمؒ کے مزار کی زیارت کی۔ وہاں سے ملتان گیا اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے روضے پر حاضری دی۔ پھر لاہور آ کر حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کی زیارت کی۔ پھر وہاں سے بدایوں آیا اور وہاں ایک مہینہ ٹھہرا اور حضرتؒ کے والد' نانا اور دادا کے مزارات کی زیارت کی۔ اس مکان کو بھی دیکھا جہاں حضرتؒ کی پیدائش ہوئی تھی اور آپ رہتے تھے۔

پھر دہلی واپس آ کر حضور کی مجلس میں حاضر ہوا۔ حضرتؒ نے نہایت محبت سے سفر کے حالات پوچھے۔ بدایوں کے ذکر پر آبدیدہ ہوگئے۔ اور بہت دیر تک وہاں کے حالات بیان فرماتے

رہے۔

ایک دن میں نے گزارش کی کہ مجھے بیعت فرما لیجئے۔ حضرتؒ نے درخواست قبول فرمائی اور اسی مجلس میں بیعت قبول فرمائی اور کلاہ چہار ترکی میرے سر پر اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اس کے بعد میں نے ماں باپ کے پاس دیوگیر جانے کی اجازت مانگی۔ حکم ہوا:

"تم کو اجازت ہے وہاں جاؤ۔ وہ دونوں اجازت دیں تو پھر یہاں آجاؤ۔ اور اگر وہ تمہارے ساتھ دہلی آنا چاہیں تو انہیں ساتھ لیتے آؤ۔"

# دربار میں طلبی

میں دیوگیر کے سفر کی تیاری کر رہا تھا کہ خواجہ سید محمد کا خادم بلیح میرے پاس آیا اور کہنے لگا:

"علاء الملک کوتوال کا ایک آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

میں نے اسے بلا لیا۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھا۔ اس کی شکل بہت خونخوار تھی۔ اس نے مجھے گھور کر قہر کی نظروں سے دیکھا۔ میرے دل میں طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:

آدمی: تمہارا ہی نام ہردیو ہے؟

ہردیو: ہاں! آپ کون ہیں؟

آدمی: کوتوال کے حکم سے آیا ہوں اور تمہیں گرفتار کر کے ساتھ لے جاؤں گا۔ کیا تم ابھی اجمیر، ہانسی، ملتان، لاہور اور بدایوں گئے تھے۔

ہردیو: ہاں! میں ابھی حال میں ان مقامات کی سیاحت کر کے آیا ہوں۔

آدمی: تم نے اس سفر میں سلطان کے خلاف کسی سے بات کی تھی؟

ہردیو: (یہ سوال سن کر خوفزدہ ہو گیا تھا اس لئے کہ میں دل کی باتیں زبان پر لے آیا کرتا جیسے امیر خسرو سے سلطان علاء الدین خلجی کے خلاف بات کی تھی۔) مجھے ٹھیک یاد نہیں، لیکن انسان بات چیت کے وقت بے احتیاط ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے میری زبان سے کوئی ایسی بات نکلی ہو جس میں سلطان کا ذکر ہو۔

مولانا احمد نیشا پوری: یہ ہمارا مہمان ہے اور حکومت کا ذمی ہے۔ حضرت سلطان المشائخ کا مرید

ہے۔ یہ دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ تمہیں تحقیقات کے دوران ان سب باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے کوتوال کے پاس نہ لے جاؤ' بلکہ کوتوال سے کہو کہ وہ حضرت سلطان المشائخ سے اس کے متعلق خود جا کر بات کرلے۔

آدمی : (کرخت لہجے میں) یہ باغی ہے۔ اس نے کئی مقامات پر ہندوؤں سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے راجا رام دیو کو علاء الدین نے لوٹا تھا۔ لہٰذا ہندوؤں کو علاء الدین سے انتقام لینا چاہیے۔ ایسے سنگین جرم کی سزا موت ہے۔

(ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت کے خادم خاص خواجہ اقبال آئے۔ انہوں نے کوتوال کے آدمی سے کہا۔)

خواجہ اقبال : حضرتؒ نے فرمایا ہے ہم ہردیو کو کہیں جانے نہ دیں گے۔ علاء الملک ہمارے پاس آئے اور بتائے کہ ہردیو نے کیا جرم کیا ہے۔

آدمی : تمہارے حضرتؒ کو کس طرح معلوم ہوگیا کہ میں ہردیو کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔ میں نے تو کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ بہرحال' میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ تمہارے حضرت درویش ہوں' صاحب کمال ہوں' کوتوال کے پیر ہوں' وزیر کے پیر ہوں' کچھ بھی ہوں' مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ میں شاہی مجرم کو لینے آیا ہوں۔ اس کو لے کر جاؤں گا۔ انکار کرو گے تو اس کا سر لے جاؤں گا۔ جو آدمی اس کی حمایت کرے گا' اس کا بھی سر لے جاؤں گا۔ (خواجہ اقبال سخت کلامی سے ڈر گئے۔ مگر خواجہ محمد نے جواب دیا۔)

خواجہ محمد : کس کی مجال ہے جو ہمارے مہمان کو حضرتؒ کی اجازت کے بغیر یہاں سے لے جائے۔ (یہ سنتے ہی کوتوال کے آدمی نے میان سے تلوار کھینچ لی۔ یہ دیکھتے ہی خواجہ موسیٰ نے دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کلائی مروڑ کر تلوار چھین لی۔ مولانا احمد نیشا پوری نے بھی اس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی آنکھیں شیر کی آنکھوں کی طرح چمکتی تھیں۔ ہونٹوں سے کف ابل کر داڑھی پر ٹپک رہے تھے۔ وہ مسلسل گستاخانہ الفاظ زبان

سے نکال رہا تھا۔)

شاید حضرتؒ نے کسی آدمی کو کوتوال کے پاس بھی بھیجا ہو گا۔ وہ خود وہاں آ گیا۔ اس کے ساتھ بارہ ہتھیار بند آدمی تھے۔ علاء الملک نے خواجہ سید محمد کو ادب سے سلام کیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے آدمی کو یہاں لوگوں نے پکڑ کر بٹھا رکھا ہے تو اس کے چہرے پر برہمی پیدا ہوئی۔ خواجہ سید محمد نے ساری کیفیت کوتوال کو سنا دی۔ تب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اپنے آدمی سے کہا۔)

کوتوال : تم کو میرے پیر کی شان میں یہ گستاخی مناسب نہیں تھی۔ میں نے پہلے بھی یہ شکایت سنی تھی کہ تم میرے حضرتؒ کے خلاف کچھ کہا کرتے ہو۔ جاؤ، کوتوالی واپس جاؤ۔ آئندہ ایسی حرکت نہ ہو ورنہ تم کو اس عہدے سے الگ کر دیا جائے گا۔

(جب کوتوال کے سب آدمی چلے گئے تو اس نے مجھ سے نرمی کے ساتھ پوچھا۔) تم نے اجمیر، ملتان اور لاہور کے فلاں فلاں ہندوؤں سے سلطان کے خلاف باتیں کیں یا نہیں؟

ہردیو : سوائے ملتان کے کسی اور مقام پر میں کسی ہندو سے نہیں ملا۔ ملتان میں جو چند ہندو ملے وہ میرے ہم وطن تھے۔ انہوں نے باتوں باتوں میں اس حملے کا ذکر کیا جو سلطان نے بادشاہ ہونے سے پہلے دیوگیر پر کیا تھا۔ مگر میں نے ان لوگوں سے سلطان کے خلاف کوئی بات نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ حکومتوں میں تو ایسا ہوا کرتا ہے۔ کیا ہمارے ہندو راجا دوسرے ہندو راجاؤں کے ساتھ ایسا نہیں کرتے؟

کوتوال : تم سچے معلوم ہوتے ہو۔ ہمارے پاس جو اطلاع آئی ہے وہ ملتان سے آئی ہے۔ وہ ہندو بھی گرفتار ہو کر دہلی آ گئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ رام دیو کے جاسوس ہیں اور ہندو رعایا کو بادشاہ کے خلاف بھڑکانے کا کام کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان دیا ہے کہ تم کو بھی اسی کام کے لئے رام دیو کے بیٹے سنگل دیو نے بھیجا ہے۔ تمہارے وہ تینوں رشتہ دار بھی اسی کام کے لئے بھیجے گئے ہیں جنہوں نے سلطانی نذر کے موتی حضرت سے حاصل کر کے کپڑے کی تجارت شروع کی ہے۔ وہ بھی اس سازش کے مجرم ہیں۔ چونکہ تم میرے پیر بھائی ہو اور حضرت کی خاص نظر تم پر ہے،

اس لئے اصل حقیقت بیان کر دو گے تو میں تم کو بچا لوں گا۔

ہردیو : جو بچی بات تھی میں نے کہہ دی۔ میں خواجہ حسن علاء سنجری کے ساتھ دیوگیر سے یہاں آیا تھا اور خود ان کے کہنے سے آیا تھا۔ مجھے کسی نے کسی کام کے لئے دہلی نہیں بھیجا۔

کوتوال : اچھا، میرے ساتھ حضرتؒ کے پاس چلو۔ آپ جو فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔

جب ہم دونوں خواجہ اقبال کے ہمراہ حضرتؒ کی خانقاہ پہنچے تو آپ حجرے میں تھے۔ خواجہ اقبال نے اندر جا کر اطلاع دی۔ حضرت نے ہم دونوں کو اندر بلا لیا۔ تعظیم کرکے ہم مودب سامنے بیٹھ گئے۔ اس وقت آپ کے چہرے پر اس قدر جلال تھا کہ نہ کوتوال علاء الملک کچھ عرض کرسکا نہ میری زبان سے کوئی بات نکلی۔ آپ نے خود ہی فرمایا:

"علاء الملک! سلطان سے کہہ دو کہ وہ میرے آدمیوں کو نہ ستائے۔ ہردیو پاک دل اور پاک عمل ہے۔"

علاء الملک نے تعظیم ادا کرکے دست بستہ عرض کیا:

"میں سلطان سے حضرت کا فرمان بیان کر دوں گا۔ لیکن سلطان ہردیو کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

حضرتؒ نے فرمایا:

"جاؤ۔ اس کو لے جاؤ۔ وہ اس کو دیکھ لے۔ ہم اس کو دیکھتے رہیں گے۔"

حضرتؒ کے اس ارشاد میں اس قدر ناراضگی کا اثر تھا کہ ہم دونوں کانپنے لگے اور سلام کرکے باہر آگئے۔

# بادشاہ سے ملاقات

جب ہم گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی محل کے قریب آئے تو علاء الملک نے اپنے آدمی سے تلوار لے کر میرے گلے میں ڈال دی اور میری پگڑی بھی اتار کر گلے میں حمائل کر دی۔ اس ہیئت سے مجھے علاء الدین خلجی کے پاس لے گیا۔ بادشاہ ایک چوکی پر بیٹھا تھا اور اس کا ہزار دیناری غلام ملک کافور پیچھے کھڑا رومال سے مکھیاں اڑا رہا تھا۔

جب بادشاہ کے سامنے پہنچا تو جھک کر اس کی تعظیم کی اور ہاتھ باندھ کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ پھر علاء الملک نے ترکی زبان میں حضرت شیخ المشائخ کی سب باتیں بادشاہ سے کہیں اور یہ عرض کیا:

"ہردیو نے سچی سچی بات بیان کر دی ہے۔ جن ہندوؤں نے اس کی شکایت کی ہے وہ جھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً جاسوس ہیں۔ ہردیو نے تو ان سے کہا تھا کہ حکومتوں میں تو ایسا ہوا کرتا ہے۔ کیا ہندو راجا دوسرے ہندو راجاؤں کو نہیں لوٹا کرتے۔"

علاء الدین خلجی کچھ دیر خاموش رہا' پھر علاء الملک سے کہا:

"اس کا چہرہ بھی ایسا ہی ہے جیسا اس کا دل پاک بیان کیا گیا ہے۔ مجھے حضرت سلطان المشائخ کی بات کا یقین ہے لہٰذا میں نے اسے بے گناہ قرار دیا۔ اسے خلعت دو۔ اسے کوئی اچھی نوکری دو۔ البتہ اسے دیوگیر جانے کی اجازت نہیں۔ اس کے ماں باپ کو دہلی بلوا لو۔ کپڑے کے تاجروں کو بھی رہائی دو۔ وہ بے گناہ ہیں۔ ملتان سے گرفتار ہو کر آنے والے ہندو جاسوسوں کو ہاتھیوں کے آگے ڈال دو تاکہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔"

مجھے بادشاہ کے روبرو خلعت اور ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی دی گئی اور وزیر خطیر الدین کو حکم ہوا کہ ہردیو کے مناسب حال کوئی اچھی نوکری دیں۔ پھر میں نے بادشاہ کی تعظیم ادا کی اور

وہاں سے رخصت ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ملک کافور مسکرا رہا ہے۔

میں علاء الملک کے ساتھ باہر آیا تو اس نے مجھ سے کہا:

"تم یہاں ٹھہرو۔ مجھے بادشاہ سے اپنے گستاخ نائب کی نسبت حکم لینا ہے۔"

پھر وہ اندر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اپنے آدمیوں کو حکم دیا:

میرے گستاخ نائب کو بھی انہی ہندو جاسوسوں کے ساتھ بند کردیا جائے۔ شاہی حکم ہوا ہے کہ وہ بھی کل ان کے ساتھ ہاتھیوں کے ذریعے مروا دیا جائے گا۔

شاہی محل سے ہم دونوں حضرتؒ کے پاس آئے۔ علاء الملک نے ساری کیفیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا:

"علاء الملک! تم ابھی سلطان کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ خدا تیری حفاظت کرے گا۔ تو ہر شریر کی شرارت سے بچایا جائے گا۔ ہندو جاسوسوں اور علاء الملک کے نائب کو معافی دے۔ ان کا انتقام قدرت خود ان سے لے گی۔ یہ سب دہلی سے جلا وطن کر دیئے جائیں۔"

علاء الملک نے تعظیم ادا کر کے عرض کیا:

"حضور کا حکم ابھی بادشاہ کو پہنچا دیتا ہوں۔ جیسا جواب ہو گا شام تک حاضر ہو کر پیش کردوں گا۔"

حضرتؒ نے فرمایا:

"ہم جواب نہیں چاہتے۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے ویسا ہی ہو گا۔ جاؤ اور عمل کرو۔"

اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا:

"ہم نے تم کو دیوگیر جانے کی اجازت دی تھی۔ مگر بادشاہ تمہیں یہاں رکھنا چاہتا ہے۔ یہ تمہارے لئے بھی ٹھیک ہے اور بادشاہ کے لئے بھی۔ جاؤ اور محمد کے پاس ٹھہرو۔"

میں نے دست بستہ عرض کیا:

"بادشاہ نے مجھے خلعت اور اشرفیاں دی ہیں۔ ان کے بارے میں مخدوم کا کیا حکم ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"جس کا جو حصہ ہے وہ اسی کے پاس رہنا چاہیے۔ تم یہ اشرفیاں اپنے ماں باپ کو بھیج دو کہ وہ دیوگیر سے دہلی آجائیں۔"

پھر ہم دونوں باہر آئے۔ جب میں خواجہ سید محمد کے پاس آیا تو ان سب کو فکرمند پایا۔ کسی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ میں نے ان سے ساری حقیقت بیان کی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اس

کے بعد خواجہ سید محمد نے مجھ سے کہا:

"اب تو تم دیوگیر نہیں جاؤ گے؟"

میں نے جواب دیا:

"حضرت کا حکم بھی یہی ہے اور بادشاہ بھی یہی چاہتا ہے۔ مگر میرا دل آج کی باتوں سے ڈر گیا ہے۔ میں حکم کی تعمیل میں یہاں رہوں گا مگر میرے دل میں یہاں رہنے کی وہ امنگ نہیں رہی جو پہلے تھی۔"

یہ سن کر خواجہ سید محمد نے کہا:

"ہردیو! یاد کرو حضرت سید محمد کرمانی کی باتیں۔ انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا وہ سب پورا ہو کر رہے گا چاہے تم پسند کرو یا نہ کرو۔ جو کچھ مشیت الٰہی میں ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔"

# بسنت

میرے دہلی آنے سے پہلے حضرتؒ کی بہن کے ایک پوتے خواجہ سید تقی الدین نوح کا دق کی بیماری میں انتقال ہوگیا تھا۔ وہ نیک' عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے۔ حضرتؒ ان سے بہت محبت رکھتے اور انہیں اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ ان کی وفات سے آپ مغموم رہتے تھے۔

آج میں نے سنا کہ بسنت کا میلہ ہے۔ میں نے دیکھا کہ ہندو سرسوں کے پھول ہاتھوں میں لئے جوق در جوق ایک مندر کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھے بھی وہاں جانے کا شوق ہوا۔ مگر حضرتؒ کی اجازت کے بغیر جانا مناسب نہ سمجھا۔ پھر یہ خیال بھی آیا کہ ایک شبہے سے ابھی نجات ملی ہے' ہندوؤں کے میلے میں جاؤں گا تو کوئی نیا شک پیدا نہ ہوجائے۔

میں مکان سے باہر کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ سامنے سے امیر خسرو آتے دکھائی دیئے۔ میں دوڑ کر ان کے پاس گیا۔ وہ کہنے لگے:

امیر خسرو: ہردیو! مبارک ہو۔ تمہیں ایک بڑے خطرے سے نجات ملی۔

ہردیو: یہ سب حضرتؒ کی دعا سے ہوا ورنہ آج میرا خاتمہ ہوچکا ہوتا۔ (امیر خسرو کے ہاتھ میں سرسوں کے پھول دیکھ کر) کیا آپ بھی ہندوؤں کے ساتھ بسنت کے میلے میں جا رہے ہیں؟

امیر خسرو: نہیں تو! میں یہ پھول حضرتؒ کی خدمت میں نذر کرنے لایا تھا۔ مگر معلوم ہوا کہ آپ چبوترہ یاران تشریف لے گئے ہیں جہاں آپ کی بہن کے پوتے خواجہ سید تقی الدین نوح کا مزار ہے۔

ہردیو: چبوترہ یاران کہاں ہے؟

امیر خسرو: جلال الدین خلجی کے کوشک لال کے پاس جو تالاب ہے' اس کے چاروں

طرف حضرتؒ نے نو چبوترے بنوائے ہیں جہاں آپ کے مرحوم اعزہ و احباب دفن کیے جاتے ہیں۔ حضرتؒ کبھی کبھی شام کو وہاں جاتے ہیں اور تالاب کے کنارے بیٹھ کر تفریح فرماتے ہیں۔ جب سلطان کو خبر ہوئی تو تالاب کے کنارے ایک بڑا گنبد اس خیال سے بنوا دیا کہ آپ اس میں بیٹھا کریں اور وفات کے بعد اسی میں حضرت کو دفن کیا جائے۔ مگر آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ ہم کو آسمان کا گنبد کافی ہے۔ ہم گنبدوں میں دفن ہونا نہیں چاہتے۔ البتہ آپ نے جب نو چبوترے بنوائے تو تالاب کے کنارے چند حجرے بھی بنوائے اور ایک لنگر خانہ تعمیر کرایا۔ آپ وہاں کبھی کبھی تشریف رکھتے ہیں اور لنگر خانے سے مسافروں کو کھانا تقسیم ہوتا ہے۔

مگر آج حضرتؒ سب رفیقوں کو مطلع کئے بغیر تنہا وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں یہ پھول نذر کرنے حاضر ہوا تھا' اب وہیں جا رہا ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو اور خواجہ سید محمد اور خواجہ موسیٰ کو بھی ساتھ لے لو تاکہ حضرت کا غم غلط ہو۔

ہم تینوں امیر خسرو کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب گنبد کی دہلیز پر پہنچے تو وہاں حضرت کے خادم مبشر کھڑے تھے۔ انہوں نے اشارے سے ہمیں قریب بلایا اور آہستہ سے کہا:

"حضرتؒ اس گنبد کے اندر بیٹھے ہیں اور مجھے باہر کھڑا رہنے کا حکم دیا ہے۔ وہ ابھی خواجہ تقی الدین نوح کے مزار پر تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو آپ کے چہرے پر بہت زیادہ حزن و ملال تھا۔"

امیر خسرو نے پوچھا کہ کیا ہم گنبد کے اندر جا سکتے ہیں؟ مبشر نے جواب دیا کہ مجھے کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ صرف باہر ٹھہرنے کو کہا تھا۔ آپ سے جو خصوصیت حضرتؒ کو ہے اس کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اندر چلے جائیں۔

امیر خسرو گنبد کے اندر داخل ہوئے۔ ہم سب ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ دیکھا کہ حضرتؒ ایک پتھر پر تشریف رکھتے ہیں' سر جھکا ہوا ہے اور زمین کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ امیر خسرو نے خواجہ سید محمد کی طرف کچھ اشارہ کیا۔ پھر اپنی ٹوپی ٹیڑھی کر لی اور رقص کے انداز میں حضرتؒ کے سامنے جھومنے لگے۔ یکایک حضرتؒ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ آپ کے چہرے پر تبسم

پیدا ہوا اور فرمایا:

"چیست (کیا ہے)؟"

امیر خسرو نے آگے بڑھ کر سرسوں کے پھول قدموں میں رکھ دیئے اور ہندی زبان میں کہا:

"عرب یار توری بسنت منائی۔"

اس کے بعد امیر خسرو نے یہ فارسی شعر گانا شروع کردیا:

اشک ریز آمدہ ابر و بہار
ساقیا گل بریز و بادہ بیار

خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ بھی ان کے ساتھ مل کر یہ شعر گانے لگے۔ حضرت پر گریہ طاری ہوگیا۔ آپ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ تینوں مذکورہ شعر کے ساتھ ہندی اور فارسی کے اشعار ملاتے جاتے اور اس شعر کی تکرار کرتے جاتے۔ حضرتؒ بار بار فرماتے "اشک ریز آمدہ ابر و بہار" اور رقص کرتے جاتے۔

تھوڑی دیر کے بعد سکون ہوا اور حضرتؒ نے امیر خسرو کے لائے ہوئے پھول زمین سے اٹھا لئے اور فرمایا:

"چلو، نوح کے مزار پر چلیں۔"

حضرتؒ نے وہاں جا کر پھول خواجہ تقی الدین نوح کی قبر پر ڈال دیئے اور فرمایا:

"اشک ریز آمدہ ابر و بہار۔"

یہ سنتے ہی امیر خسرو، خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ نے پھر یہ شعر گانا شروع کر دیا۔ حضرت دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ پھر خانقاہ کی طرف واپس ہوئے۔ امیر خسرو سے ان کا حال پوچھا اور یہ بھی فرمایا کہ آج ہردیو کو کوتوال لے گیا تھا۔ امیر خسرو نے عرض کیا کہ مجھے ساری کیفیت دربار میں معلوم ہوگئی تھی۔ اس کے بعد حضرت نے امیر خسرو سے پوچھا:

"اب تم اپنے گھر جاؤ گے یا میرے ساتھ چلو گے؟"

یہ سن کر امیر خسرو نے دست بستہ عرض کیا:

نہ خفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ برکف پایت نہد بخواب شود[1]

حضرتؒ نے جواب میں فرمایا:

گر برائے ترک ترکم ارہ برتارک نہند
ترک تارک گیرم و ہرگز نہ گیرم ترک ترک[2]

اس کے بعد امیر خسروؔ کی طرف مخاطب ہو کر آپ نے ارشاد فرمایا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی[3]

یہ سنتے ہی امیر خسروؔ جھکے اور حضرتؒ کے قدموں میں سر رکھا۔ آپ کے دونوں قدم اپنے ہاتھ سے پکڑ کر کہا:

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری[4]

حضرتؒ نے فرمایا

"خسروؔ اٹھ! جب حشر کا میدان گرم ہو گا اور سب انسان اپنے مالک کے سامنے اپنے اپنے اعمال نامے لے کر حاضر ہوں گے اور میرا مالک میرا اعمال نامہ دیکھنے کے بعد مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ نظام! میرے لئے دنیا سے کیا لایا ہے؟ تو عرض کروں گا:

"خسروؔ کے دل کا سوز تیری نذر کے لئے لایا ہوں۔"

یہ سنتے ہی امیر خسروؔ نے ایک چیخ ماری اور وہ حضرتؒ کے گرد طواف کرنے لگے۔ ان پر وجد کا عالم طاری تھا۔ میں دم بخود کھڑا تھا۔ خواجہ سید محمد اور خواجہ سید موسیٰ مل کر گا رہے تھے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

امیر خسروؔ حضرت سلطان المشائخ کا دیوانہ وار طواف کرتے اور کہتے جاتے تھے:

او خانہ ہمی موید و من صاحب خانہ[5]

---

۱۔ غریب خسروؔ بہت راتوں سے اس آرزو کے سبب نہیں سویا ہے کہ حضور کے قدم مبارک کے تلوے پر آنکھیں رکھ کر سو جائے۔

۲ ۔ اگر میرے ترک (امیر خسرو) کو مجھ سے جدا کرنے کے لئے میری پیشانی پر آرہ رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنے ترک کو ترک نہیں کروں گا۔

۳ ۔ میں اور تم دونوں ایک ہیں۔ میں تمہارا جسم ہوں اور تم میری جان ہو۔

۴ تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ تو اور ہے میں اور ہوں۔

۵ (حاجی کعبے میں) گھر کو ڈھونڈتا ہے اور میں گھر والے کو ڈھونڈتا ہوں۔

# ملک کافور ہزار دیناری کا بلاوا

چبوترہ یاران سے واپسی کے بعد ہم سب مل کر رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ خواجہ سید محمد کے ملازم ملیح نے باہر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک شاہی افسر آیا ہے۔ ہم نے اسے اندر بلایا۔ مجھ پر ایک نیا خوف طاری ہوا کہ خدا خیر کرے۔

مذکورہ افسر نے کہا کہ سلطان کے محبوب غلام ملک کافور نے ہردیو کو اسی وقت ملاقات کے لے بلایا ہے اور سواری کے لئے گھوڑا بھیجا ہے۔ یہ سن کر مجھے طرح طرح کے وہم آنے لگے۔ پھر خیال آیا کہ جب میں علاء الدین خلجی کے سامنے پیش ہوا تھا تو کافور بادشاہ کے پیچھے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ممکن ہے نوکری دینے کے سلسلے میں بلایا ہو۔ پھر میں نے خواجہ سید محمد سے پوچھا کہ کیا مجھے حضرتؒ سے اجازت لینی ہو گی۔ انہوں نے کہا:

"میرے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرتؒ اس وقت خلوت میں ہیں اور آپ کی طبیعت بھی آج اچھی نہیں ہے۔"

میں افسر کے ساتھ فوراً روانہ ہوگیا۔ شاہی محل کے قریب ہی ایک خوبصورت مکان میں ملک کافور رہتا تھا۔ میں نے یہ خیال کرکے کہ وہ بادشاہ کا بہت محبوب غلام ہے ' اس کی تعظیم ادا کی۔ وہ بہت خوش ہوا اور مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے میرے حالات دریافت کرنے شروع کیے۔ وہ بہت اچھی فارسی میں گفتگو کر رہا تھا' لیکن دکنی اور گجراتی الفاظ بھی درمیان میں بولتا تھا۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں تکلف اٹھا دیا اور یہ بتایا کہ وہ کھمبایت میں رہتا تھا اور اسے ہزار دینار میں خریدا گیا۔

ملک کافور خوبصورت جوان ہے۔ اس کے سر کے بال لمبے اور گھنگریالے ہیں۔ وہ بہت شائستگی سے بات کرتا ہے۔ اس کے مزاج میں شوخی اور بزلہ سنجی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا:

"میں شاہی حکم سے ملک معبر کے خلاف مہم لے کر جانے والا ہوں۔ تمہارا ملک بھی راستے میں ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو؟"

میں فوراً سمجھ گیا کہ میرے ملک پر چڑھائی ہونے والی ہے کیونکہ سنگل دیو نے خراج بھیجنا بند کر دیا ہے اور سلطان کے خلاف انقلابی کوششیں بھی کر رہا ہے۔ لہٰذا میں اگر اس کے ساتھ گیا تو اپنے ملک کے خلاف لڑنا پڑے گا۔ چنانچہ خوب سوچ کر میں نے کہا:

"آپ کے اور سلطان کے حکم کی اطاعت ہر حال میں کرنی واجب ہے کیونکہ میرے گرو کی یہی تعلیم ہے۔"

ملک کافور نے بات کاٹ کر کہا:

"تمہارے گرو کون ہیں؟"

میں نے کہا:

"حضرت سلطان المشائخؒ"

ملک کافور نے پوچھا:

"کیا تم مسلمان ہو گئے؟"

میں نے کہا:

"بلحاظ اعتقاد مسلمان ہوں۔ مگر ابھی اعلان نہیں کیا ہے۔ اور ہاں حضرتؒ نے آج ہی مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں سلطانی عطا کردہ اشرفیاں ماں باپ کو دیوگیر بھیج کر انہیں دہلی بلا لوں۔ ایسی حالت میں میرا آپ کے ساتھ جانا مشکل ہو گا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں سلطان کی مرضی دریافت کر کے کل تم کو خبر دوں گا۔" ملک کافور نے یہ کہہ کر مجھے واپسی کی اجازت دے دی۔

گھر آ کر میں نے خواجہ سید محمد سے ساری کیفیت بیان کی۔ انہوں نے کہا:

"تم نے بہت اچھا جواب دیا۔ ویسے ملک کافور حضرتؒ سے اعتقاد نہیں رکھتا کیونکہ آپ کے مخالف مشائخ نے اس پر اپنا اثر قائم کر لیا ہے۔"

# مخالف مشائخ و امراء

میں نے خواجہ صاحب سے دریافت کیا:

"مخالف مشائخ کون ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"جن کو حضرتؒ کا اثر اور رسوخ گوارا نہیں ہے۔ ان میں مشائخ کے علاوہ شاہی عہدے دار' امرا اور دہلی کے بعض افراد بھی ہیں۔ لیکن چونکہ بادشاہ کو حضرتؒ سے بہت اعتقاد ہے اور اس کا ولی عہد خضر خان' بھائی شادی خان' وزیر ملک خطیر الدین اور کوتوال ملک علاء الملک حضرتؒ کے مرید ہیں اس واسطے یہ حاسدین آپ کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ ملک کافور بادشاہ کے مزاج پر بہت حاوی ہے اور سلطان اس سے بے طرح محبت کرتا ہے۔ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتا ہے کہ بادشاہ اس کے سوا اپنی بیوی' ولیعہد اور دوسرے بچوں کی طرف ملتفت نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض لوگ یہ شبہ کرنے لگے ہیں کہ ملک کافور کے دل میں بادشاہ کو قتل کرکے خود بادشاہ بن جانے کی ہوس پیدا ہو رہی ہے۔ غالباً اسی مصلحت سے سلطان اسے دور دراز کی مہم پر بھیجنا چاہتا ہے تاکہ اس کے منصوبوں سے محفوظ رہے۔"

دوسرے دن ملک کافور نے مجھے اطلاع بھیجی کہ سلطان نے تمہارا دہلی میں رہنا منظور کرلیا ہے۔ لیکن تمہارے جو قرابت دار چیتل دیو وغیرہ دہلی میں تجارت کرتے ہیں' انہیں میرے ساتھ جانے کا حکم ہوا ہے۔ تم ان تینوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور حکم سنایا۔ چونکہ میرے راجا رام دیو نے انہیں جلاوطن کردیا تھا اس لئے وہ اس سے بہت ناراض تھے۔ اس خبر سے بہت خوش ہوئے اور چلنے کے لئے فوراً تیار ہوگئے۔

میں ان رشتہ داروں کو لے کر ملک کافور کے پاس گیا۔ وہ میرے ساتھیوں سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر یہ کہا:

"ہم تمہارا سارا سامان تجارت خرید لیتے ہیں۔ تم سب ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

وہ تینوں خوشی خوشی راضی ہوگئے۔ میں ملک کافور سے رخصت ہو کر واپس چلا آیا۔

# قوالی کے آداب و شرائط

حضرتؒ کی خانقاہ غیاث پور میں ہے جو سلطان علاء الدین خلجی کے شہر سیری سے باہر شمال میں واقع ہے۔ جنوب میں سلطان معز الدین کیقباد کا قصر اور جامع مسجد ہے جہاں حضرتؒ نماز کے لئے جایا کرتے ہیں۔ راستے میں حضرتؒ کے دشمن شیخ فردوسی کی خانقاہ ہے۔ شمال میں آہن پوش حیدریہ سلسلے کے مشائخ کی ایک خانقاہ ہے جو بابا طوسی کی ہے۔ آج وہاں مجلس سماع ہو گی اور حضرتؒ کا بلاوا آیا ہے۔

بعد مغرب، حضرتؒ پچاس ساٹھ رفیقوں کے ساتھ پالکی میں روانہ ہوئے۔ خانقاہ میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ قوالی شروع ہوئی مگر کسی کو کوئی لطف اور کیف نہ آیا۔ تب، حضرتؒ نے فرمایا:

"قوالی سننے کی تین شرطیں ہیں:

اخوان ۔ مکان ۔ زمان

۱۔ اخوان کا یہ مطلب ہے کہ سننے والے سب ہم خیال اور قوالی کی طرف متوجہ ہوں۔

۲۔ مکان کا یہ مطلب ہے کہ قوالی کی جگہ عام گزرگاہ اور مسجد کے قریب نہ ہو تاکہ قوالی سننے والوں کی یکسوئی میں فرق نہ آئے۔

۳۔ زمان کا یہ مطلب ہے کہ وقت کھانے کا، نماز کا اور سونے کا نہ ہو۔

یہ تینوں باتیں یہاں موجود ہیں۔ پھر جو مجلس بے کیف ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں بزرگوں نے فرمایا ہے کہ متقدمین اولیاء اللہ کی دلگداز حکایات بیان کی جائیں اور گانا ترک کردیا جائے۔ جب سننے والوں میں ذوق پیدا ہوجائے اس وقت گانا شروع ہو تو مجلس پر کیف ہوجائے گی۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے بزرگوں کی حکایات بیان کرنی شروع کیں۔ اس سے مجلس میں ایک ذوق پیدا ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرتؒ نے خواجہ سید محمد کو اشارہ کیا کہ وہ مجلس کے اندر آ کر قوالی شروع کریں۔ وہ اشارہ پاتے ہی فوراً مجلس کے اندر آ کر بیٹھ گئے اور ایسے درد اور سوز کے ساتھ گانا شروع کیا کہ ساری محفل مرغ لبسمل بن گئی۔ حضرتؒ کو بھی وجد ہوا اور آپ نے رقص بھی فرمایا۔ مجلس کے اکثر حاضرین نے اور حیدری مشائخ علی زنبیلی وغیرہ نے بھی بہ حالت وجد رقص کیا۔ مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ میں بھی رقص کرنے لگا۔

جب مجلس برخاست ہوئی تو حضرت نے فرمایا:

"یہ حضرت شیخ العالم (بابا فرید گنج شکرؒ) کی روح پُر فتوح کا اثر تھا کہ ان کے نواسے کے گانے میں ایسی کیفیت پیدا ہوگئی۔ میرا مخدوم زادہ موسیقی کے فن کو بھی خوب جانتا ہے اور اس کے دل میں ذوق معرفت بھی بہت زیادہ ہے۔"

اس کے بعد ہم سب غیاث پور واپس آگئے۔

# ایک سال بعد

میرے والدین دکن سے دہلی آگئے تھے اور حضرتؒ کی خانقاہ کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے۔ ان دونوں نے بھی حضرتؒ کی بیعت کا شرف حاصل کرلیا تھا۔ میں بھی انہی کے پاس رہنے لگا تھا۔ سلطان نے مجھے نوکری دینے کا جو خیال ظاہر کیا تھا وہ ملک کافور کے مہم پر جانے کے بعد پورا نہ ہوا تھا۔

دکن سے خبریں آئیں کہ میرا راجا رام دیو مرگیا ہے۔ اس کے بیٹے سنگل دیو سے ملک کافور کی سخت لڑائی ہوئی اور سارا ملک کافور کے قبضے میں آگیا۔اس کے بعد جنوبی ہند کے سارے علاقے بھی اس نے فتح کرلئے۔ اب وہ دہلی آ رہا ہے۔ اسی دوران مشہور ہوا کہ بادشاہ علاء الدین خلجی بہت بیمار ہے۔ لیکن حکومت کا انتظام عمدگی سے چل رہا ہے۔

آج ملک کافور واپس آگیا۔ اس کا شاندار استقبال ہوا۔ میں بھی اس کے استقبال کے لئے گیا۔ اس کے محرم راز غلام بشیر نے مجھ سے کئی دنوں بعد کہا کہ بادشاہ نے ملک کافور سے شکایت کی کہ اس کی ملکہ جہان اور ولیعہد نے کوئی تیمارداری نہیں کی۔ ملکہ تو بچوں کی شادیوں اور مہمانداریوں میں لگی رہی۔ ملک کافور نے کہا کہ "یہ سب سلطان کا مرنا چاہتے ہیں۔ بہت اچھا ہوا میں جلد واپس آگیا۔ اب میں حضور کے علاج اور تیمارداری کا پورا انتظام کروں گا۔"

پھر بادشاہ بہت بیمار پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو ملک کافور نے ایسا زہر دیا تھا جو رفتہ رفتہ انسان کو مار ڈالتا ہے۔ اس کی بیماری کی حالت میں ملک کافور نے چند نو مسلموں کو قتل کرنے کا حکم لے لیا جن سے اسے اپنے منصوبوں کے خلاف خطرہ تھا۔ اس طرح دہلی اوراطراف ملک میں بہت سے بے گناہ نو مسلم مارے گئے۔

بادشاہ کی بیماری کی حالت میں ملک کافور نے ولیعہد خضر خان، اس کے بھائی شادی خان

اور ابوبکر خان اور ملکہ کے لئے حکم دیا کہ ان چاروں کو گوالیار کے قلعے میں قید کردیا جائے۔ چند ہفتے بعد سلطان علاء الدین خلجی مرگیا۔ کہا جاتا ہے کہ کافور نے دوبارہ زہر دے کر بادشاہ کو ہلاک کردیا۔ پھر اس نے تمام امرائے دربار کے سامنے علاء الدین کا ایک وصیت نامہ پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے خضر خاں کو ولی عہدی سے معزول کیا اور اپنے سات سالہ چھوٹے بیٹے شہاب الدین عمر کو اس کی جگہ مقرر کیا۔

سات برس کا بچہ محض شکار کی ٹٹی تھا۔ ملک کافور اب ہندوستان کا بادشاہ بن گیا تھا۔ مگر اس کو شہاب الدین عمر کے بڑے بھائی قطب الدین مبارک خلجی کا بڑا خطرہ تھا جو دلی میں موجود تھا۔ چنانچہ ایک رات جب ملک کافور محل ہزار ستون کے بالا خانے پر خواجہ سراؤں کے ساتھ جوا کھیل رہا تھا' اپنے خاص آدمیوں کو حکم دیا کہ قطب الدین کے محل میں گھس کر اس کا سر کاٹ لاؤ۔

جونہی یہ لوگ وہاں پہنچے قطب الدین کانپنے لگا۔ اس وقت اس کے گلے میں ایک قیمتی ہار تھا۔ اسے اتار کر انہیں دیا اور یہ کہا:

"تم لوگ میرے باپ کے نمک خوار ہو۔ مجھے مارو گے تو بڑی نمک حرامی ہوگی۔ اس وقت تو میں تمہیں یہ انعام دیتا ہوں۔ آئندہ کوئی اچھا وقت آئے گا تو نہال کردوں گا۔"

ان لوگوں کو قطب الدین خلجی پر رحم آگیا اور واپس چلے گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کرکے آدھی رات کو ملک کافور کو قتل کردیا۔ دوسرے دن سے قطب الدین خلجی اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین کی نیابت میں حکومت کرنے لگا۔ جب دیکھا کہ دربار کے سب امراء اس سے مل گئے ہیں تو چھوٹے بھائی کو اندھا کرکے اور ہاتھ کی انگلیاں کاٹ کر گوالیار بھیج دیا اور خود ہندوستان کا شہنشاہ بن گیا۔ اور پھر ملک کافور کے سارے قاتلوں کو قتل کرا دیا۔

چند دنوں بعد تلنگانہ سے بغاوت کی خبر آئی۔ اس کو دبانے کے لئے سلطان قطب الدین مبارک خلجی خود روانہ ہوا۔ راستے میں تھا کہ اسے ایک سازش کا پتہ چلا۔ یعنی اسے قتل کرکے خضر خان کے دس سالہ بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔ قطب الدین دلی واپس آیا اور اپنے بھتیجے کے دونوں پاؤں پکڑ کر دیوار پر اس طرح مارا کہ وہ ہلاک ہوگیا۔ پھر جلادوں کو گوالیار کے قلعے میں بھیج کر خضر خان' شادی خان' ابوبکر خان اور معصوم اندھے بچے شہاب الدین عمر کو بے دردی سے قتل کرا دیا۔ اس طرح علاء الدین خلجی کے سارے بیٹے مارے گئے۔ صرف ایک قطب الدین خلجی رہ گیا۔

# قطب الدین خلجی کی بدچلنی

قطب الدین مبارک خلجی بہت خوبصورت نوجوان تھا۔ مگر اس کے چال چلن ٹھیک نہیں تھے۔ پردار قوم کا ایک بہت خوبصورت لڑکا تھا۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کرلیا تھا اور اس کا نام خسرو خان رکھا گیا تھا۔ قطب الدین کو اس نوعمر لڑکے سے بہت محبت ہوگئی۔ وہ اسے دن رات اپنے پاس رکھتا تھا۔

قطب الدین کو میرے حضرتؒ سے پرانی دشمنی تھی۔ کیونکہ اس کے دونوں مقتول بھائی خضر خان اور شادی خان آپ کے مرید تھے۔ لہٰذا بادشاہ ڈرتا تھا کہ حضرتؒ دربار کے امیروں اور فوج کے سرداروں کو اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ نہ کردیں۔ چنانچہ خلجی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ یہاں آپ کا رہنا میری سلطنت کے خطرے کا باعث ہے۔

آپ نے اسے جواب دیا:

"میں ایک گوشے میں رہتا ہوں۔ سلطنت کے کسی کام میں دخل نہیں دیتا۔ میری طرف سے بادشاہ کو مطمئن رہنا چاہیے۔"

مگر قطب الدین خلجی پر اس جواب کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ روزانہ دربار میں حضرتؒ کے خلاف گستاخانہ باتیں کرنے لگا۔

یکایک سلطان قطب الدین بیمار پڑ گیا۔ بدچلنی کی وجہ سے اس کو کئی ایسی بیماریاں ہوگئی تھیں جنہیں ظاہر کرتا ہوا شرماتا تھا۔ اچانک اس کا پیشاب بند ہوگیا اور وہ ماہئ بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ بادشاہ کی ماں نے اپنے بیٹے سے کہا:

"یہ حضرت سلطان المشائخؒ کی بددعا کا اثر ہے۔ تو ان سے معافی مانگ اور دعا کی درخواست کر۔"

بادشاہ نے جواب دیا:

"میں ان فقیروں کو نہیں مانتا۔ یہ سب دکاندار لوگ ہیں۔ میرے مرض کو ان کی بددعاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

بادشاہ کی ماں یہ جواب سن کر خود حضرتؒ کے پاس آئی اور بیٹے کی صحت کے لئے دُعا چاہی۔ یہ بھی عرض کیا کہ بادشاہ نادان نوجوان ہے اور حضرتؒ سن رسیدہ بزرگ ہیں۔ اس کی شوخیوں کا خیال نہ کیجئے اور خطا معاف کردیجئے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا:

"میں خطا کو جب معاف کروں گا کہ اس کے صادر ہونے کا جو سبب ہے وہ بادشاہ کے پاس نہ رہے۔"

بادشاہ کی ماں اس کا مطلب نہیں سمجھی۔ تب حضرتؒ نے فرمایا:

"بادشاہ کو اس بات کا خطرہ ہے کہ میں اس کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرادوں گا۔ اس لئے وہ مجھ سے بدگمانی کی خطا کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی بادشاہی مجھے دے دے جو اس کی خطا کاری کا باعث ہے۔"

بادشاہ کی ماں واپس بیٹے کے پاس گئی اور ساری حقیقت اس کو سنائی۔ بادشاہ خلجی نے کہا:

"مجھے اس مرض میں ایسی تکلیف ہے کہ بادشاہی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ تم پھر حضرتؒ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں نے اپنی بادشاہی آپ کو دی۔ آپ میری صحت کے لئے دعا کیجئے۔"

بادشاہ کی ماں پھر حضرتؒ کی خدمت میں آئی اور بیٹے کی درخواست آپ کے سامنے پیش کی۔ حضرتؒ نے جواب دیا:

"میں ان زبانی باتوں کو نہیں مانتا۔ بادشاہ اپنی سلطنت مجھے دینے کا فرمان لکھے اور اس پر اپنی مہر لگائے۔ پھر سب امیروں اور وزیروں سے تصدیق کرا کر مجھے بھیجے۔ تب میں اس کے لئے دعا کروں گا۔"

بادشاہ کی ماں نے عرض کیا:

"حضور تو تارک الدنیا ہیں۔ آپ کو بادشاہی کی کیا ضرورت ہے؟"

حضرت نے ارشاد فرمایا:

"میں دنیا کا تارک بھی ہوں اور جو لوگ اس دنیا کا غلط استعمال کرتے ہیں ان سے ان کی

غلطیوں کا ترک کرانے والا بھی ہوں۔ جاؤ' جب تک میری یہ شرط پوری نہیں ہوگی' دعا نہیں کروں گا۔"

مجبوراً بادشاہ کی ماں بیٹے کے پاس گئی اور سارا حال بیان کیا۔ قطب الدین مبارک خلجی پیشاب بند ہونے کی تکلیف سے جانکنی کے عالم میں تھا۔ اس نے کہا کہ ابھی امیروں اور وزیروں کو بلا کر فرمان تیار کراؤ۔ چنانچہ اسی وقت فرمان تیار ہو گیا۔ اور ماں اسے لے کر حضرتؒ کی خدمت میں آئی۔ حضرتؒ نے اس فرمان کو دیکھا تو مسکرائے اور حکم دیا:

"یہ فرمان واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ یہ فرمان اپنے امیروں اور وزیروں کے سامنے چاک کردے۔ فوراً پیشاب آ جائے گا۔"

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ اس کو فوراً پیشاب آگیا اور تکلیف جاتی رہی۔ تب بادشاہ کی ماں نے کہا:

"بیٹا! اب تو معلوم ہوگیا کہ حضرت سلطان المشائخ کتنے بڑے بزرگ ہیں اور بادشاہت سے کیسے بے پرواہ ہیں۔ ان کی خدمت میں جا اور پچھلے گناہوں کی توبہ کر۔ صحت کا شکرانہ بھی ان کی خدمت میں پیش کر۔"

بادشاہ ہنسا اور ماں سے کہا:

"اماں! تم عورت ہو اور بادشاہی کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتیں۔ جس شخص نے مجھ سے یہ فرمان لکھوایا تھا' اس کو میں خوب جانتا ہوں۔ وہ پکا دکاندار ہے۔ میں نے بھی اپنی شاہی حکمت سے ایسا فرمان اس کو بھیجا تھا کہ وہ اس کے کام نہیں آ سکتا تھا۔ یہ میں مانتا ہوں کہ مجھے پیشاب آگیا۔ لیکن اس میں ان کی دعا کا دخل نہیں بلکہ دواؤں کی تاثیر سے آیا ہے۔"

بادشاہ کی ماں نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا:

"بیٹا! خلجی خاندان کی بس تو ہی ایک نشانی باقی ہے۔ سب بھائیوں کو تو نے مار ڈالا۔ دیکھ' تیرا باپ حضرتؒ کا کتنا معتقد تھا۔ تیرے بھائی بھی آپؒ کے مرید تھے۔ تو یہ بھی دیکھ کہ فوج اور دربار کے اکثر افسر حضرتؒ کے مرید اور معتقد ہیں۔ تیری ان بے ادبیوں اور گستاخیوں سے وہ سب تیرے دشمن ہو جائیں گے۔"

ماں کی بات سن کر بادشاہ نے اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا اور اس سے یہ کہا:

"میرا بھروسہ اس تلوار اور اپنے دست بازو پر ہے۔ میں نے اپنی حکومت کے راستے اسی تلوار سے صاف کئے ہیں۔ اب یہ ایک کانٹا باقی رہ گیا ہے۔ اس کو بھی میری تلوار (نعوذ باللہ)

بہت جلد صاف کر دے گی۔"[1]

ماں اپنے بیٹے کی یہ باتیں سن کر بہت مغموم ہوئی اور بوجھل قدموں سے زنانے مکان میں چلی گئی۔ اور ادھر بادشاہ نے اپنے شریر اور مفسد صلاح کاروں کو خلوت میں بلا کر دریافت کیا کہ اس خطرناک درویش کا کیا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے یہ جواب دیا:

"یہ چشتی ہیں اور ملتان کے مشائخ سہروردی ہیں۔ ان دونوں کی آپس میں رقابت ہے۔ لہٰذا آپ ملتان سے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پوتے شیخ رکن الدینؒ کو دہلی بلا لیں۔ امراء اور فوج کے افسران ان کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ ان دونوں میں باہمی رقابت سے دشمنی پیدا ہوگی۔ اس طرح دونوں کا زور ٹوٹ جائے گا۔"

قطب الدین خلجی نے یہ رائے پسند کی اور شیخ رکن الدین سہروردیؒ کو ملتان سے بلوا بھیجا۔

---

۱۔ ناظرین کو آگے چل کر معلوم ہوگا کہ سلطان خلجی کے دل سے ہمارے حضرت کے خلاف عداوت نہ گئی اور وہ آپ کے مسلسل درپے آزار رہا۔ آخر تا کجے۔ اپنے ہی محبوب غلام خسرو خاں کے ہاتھوں قتل ہوا اور اس طرح خلجی خاندان کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے چاک ہوگیا۔ (م ۔ ر)

# شیخ رکن الدین ملتانیؒ کی آمد

جب دہلی میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ شیخ رکن الدینؒ شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سب امیر اور وزیر اور شہر کے مشائخ اور علماء شیخ کے استقبال کے لئے شہر سے باہر جائیں۔ بادشاہ بھی کل صبح استقبال کے لئے جائے گا۔

چنانچہ دوسرے دن صبح سب لوگ شہر کے دروازے کے باہر جمع ہوئے۔ میں بھی اپنے باپ کے ہمراہ وہاں گیا۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار کھڑا تھا اور سب لوگ پیدل تھے۔ یکایک سامنے سے کچھ گھوڑے آتے دکھائی دیئے۔ سب سے آگے ایک بزرگ درویش گھوڑے پر سوار آ رہے تھے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا کیونکہ میں ان سے ملتان میں مل چکا تھا۔

بادشاہ اپنے گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر شیخ کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ حضرت نے بھی گھوڑے سے اترنا چاہا مگر بادشاہ نے آپ کی رکاب تھام کر کہا:

"آپ کو میرے سر کی قسم آپ سوار رہیں اور یہ فرمائیں کہ اس شہر دہلی میں سب سے پہلے آپ سے کون ملا؟"

"حضرت شیخ نے جواب دیا:"

"جو اس شہر میں سب سے اچھا آدمی ہے وہ مجھ سے سب سے پہلے ملا ہے۔"

بادشاہ نے یہ سن کر گزارش کی کہ حضرت ذرا بلند آواز سے اس شخص کا نام بتا دیں جو سب سے پہلے دہلی میں ان سے ملا ہے اور حضرت کا یہ فرمانا سلطنت کے لئے بہت مفید ہوگا۔

چنانچہ شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے بلند آواز سے فرمایا:

"اے لوگو! اس دہلی شہر میں سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو یہاں اس وقت موجود نہیں اور اس کو سارا ہندوستان سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے نام سے یاد کرتا ہے۔"

حضرت شیخ کا یہ فقرہ سن کر ہجوم میں اظہار ادب و خوشنودی کی ایک گرج سی پیدا ہو گئی مگر بادشاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے بگڑ کر شیخ سے کہا:

"آپ تو یہ کہتے تھے کہ جو سب سے پہلے آپ سے ملا وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اب آپ یہ کہتے ہیں کہ جو یہاں موجود نہیں ہے۔ وہ سب سے اچھا آدمی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟"

"شیخ رکن الدینؒ نے جواب دیا:"

"حضرت سلطان المشائخؒ دہلی سے ایک منزل دور میرے استقبال کے لئے گئے تھے اور وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے تھے۔ اس واسطے میں نے کہا کہ وہی دہلی کے سب سے اچھے آدمی ہیں۔"

میں دوسرے دن حضرتؒ کے ساتھ چبوترہ یاران گیا تھا۔ خواجہ سید رفیع الدین ہارون' خواجہ سید محمد' خواجہ موسیٰ اور خواجہ اقبال خادم بھی موجود تھے۔ اس وقت حضرت حجرہ محراب بزرگ میں تشریف رکھتے تھے۔ یکایک کسی نے خبر دی کہ حضرت شیخ رکن الدینؒ اس طرف آ رہے ہیں۔ ہمارے حضرتؒ حجرے سے باہر تشریف لائے۔ شیخ رکن الدینؒ کا ڈولہ وہاں پہنچ گیا۔ ان کے ساتھ کئی آدمی گھوڑے پر سوار تھے۔

حضرتؒ کے حکم سے دروازہ میانگی کے گنبد کے اندر فرش بچھا دیا گیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ شیخ کا ڈولا اندر لے آؤ۔ گھڑ سوار باہر ہی اتر گئے۔ جب شیخ کا ڈولا گنبد کے اندر رکھا گیا تو انہوں نے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس میں کچھ تکلیف ہے' اس واسطے وہ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکے۔ حضرتؒ نے شیخ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر ڈولے سے باہر نکالا اور اپنے قریب فرش پر بٹھایا۔ ڈولے میں بہت سے کاغذ رکھے تھے۔ میرے حضرتؒ نے شیخ سے پوچھا:

"یہ کاغذ کیسے ہیں؟"

شیخ نے فرمایا:

"لوگوں کا خیال تھا کہ میں بادشاہ کے پاس جا رہا ہوں' لہٰذا انہوں نے سلطان کے سامنے پیش کرانے کے لئے یہ عرضیاں میرے ڈولے میں ڈال دی ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں دنیا کے شہنشاہ کے پاس نہیں جاؤں گا بلکہ شہنشاہ دینؒ کے پاس جا رہا ہوں۔"

ا حضرت مولانا شیخ رکن الدین سہروردی ملتانیؒ نے بادشاہ اور اس کے شریر و مفسد صلاح کاروں کے دو سازشوں

میں تفرقہ ڈالنے کے سارے مجوزہ منصوبے کو یہ کہہ کر خاک میں ملا دیا کہ حضرت سلطان المشائخ دہلی کے سب سے اچھے آدمی ہیں۔ (حسن نظامی)

۲ حضرت کے لئے سب سے پہلے شہنشاہ دین کا لفظ حضرت شیخ رکن الدین سہروردیؒ کی زبان سے نکلا تھا۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ کی وفات کی تاریخ اسی لفظ سے نکالی گئی جس سے ۷۲۵ھ نکلتے ہیں۔ یہ قطعہ تاریخ حضرت کی مسجد کی دیوار پر کندہ ہے:

نظام دو گیتی شہ ما و میں
سراج دو عالم شدہ بالیقیں
چو تاریخ فوتش بجستم زغیب
ندا داد ہاتف (شہنشاہ دیں)
۷۲۵ھ

# ہجرت نبویؐ کا روحانی سبب

شیخ کی یہ بات سن کر حضرتؒ نے خواجہ اقبال کو کھانا اور نذر لانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً لنگر خانے چلے گئے۔ ہم چاروں حضرتؒ کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ حضرتؒ شیخ کے ساتھ بھی چار آدمی تھے جن میں ایک ان کے بھائی تھے۔ دونوں بزرگ آمنے سامنے دو زانو بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد میرے حضرتؒ نے شیخ رکن الدین سے پاؤں کی تکلیف کی کیفیت پوچھی۔ اس کے بعد حضرتؒ شیخ کے بھائی نے قریب بیٹھ کر کہا:

"اس وقت ہندوستان کے دو چاند سورج یہاں جمع ہیں۔ مجھے ایک مشکل مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ حکم ہو تو عرض کروں۔"

میرے حضرتؒ نے فرمایا:

"پوچھیے! اگر جواب دینے کے قابل ہوگا تو جواب دیا جائے گا۔"

انہوں نے کہا:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سبب سب کو معلوم ہے کہ یہ وحی کے حکم سے ہوئی تھی کیونکہ اہل مکہ نے مل جل کر یہ طے کیا تھا کہ آنحضرتؐ کو (نعوذ باللہ) شہید کردیا جائے۔ اس واسطے آپؐ مدینہ ہجرت کرگئے۔ مگر میرا سوال یہ ہے کہ ہجرت کا روحانی سبب کیا تھا؟"

یہ سن کر میرے حضرتؒ نے فرمایا:

"سوال بہت بڑا ہے۔ میری مجال نہیں کہ حضرت شیخ کے سامنے زبان کھول سکوں۔"

اس پر شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے کہا:

"شہنشاہ دین کے سامنے میں کیا بول سکتا ہوں۔ لیکن الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھ کر عرض کرتا ہوں کہ میرا فہم یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات باطنی کی تکمیل اس پر منحصر

تھی کہ آپؐ اپنا گھر چھوڑیں' سفر کی تکلیف اٹھائیں اور مدینہ میں بے گھر ہو کر رہیں۔"

یہ سن کر میرے حضرتؒ سلطان المشائخ نے فرمایا:

"فقیر کے خیال میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں رہنے والے ناقص تھے اور ان کی تکمیل اس پر منحصر تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا گھر چھوڑ کر مدینہ جائیں اور ناقصوں کا نقص دور کر کے ان کو کامل بنا دیں۔"

سوال و جواب ختم ہوتے ہی حضرت شیخ کے سامنے کھانا چنا گیا۔ انہوں نے اپنے رفیقوں کے ساتھ کچھ تناول فرمایا۔ پھر خواجہ اقبال نے ایک باریک کپڑے میں بندھی ہوئی سو اشرفیاں میرے حضرت کے سامنے پیش کیں۔ آپ نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کے سامنے رکھ دیں۔ اشرفیوں کی زردی اور چمک کپڑے سے باہر نظر آ رہی تھی۔ حضرت شیخ نے اس کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور میرے حضرت سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا مولانا! **استر ذھبک**[1] (اپنے زر کو چھپاؤ)۔"

اس کے جواب میں میرے حضرت نے فرمایا:

"**بل مذھبک وذہابک** (بلکہ اپنے مذہب کو بھی چھپاؤ اور اپنے سفر کو بھی چھپاؤ۔)

کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ واپس تشریف لے گئے اور ہم لوگ بھی اپنے حضرتؒ کے ساتھ خانقاہ آ گئے۔

---

1. اشرفیوں کی چمک ظاہر ہونے کی نسبت عربی زبان میں جو گفتگو ہوئی اس کا مطلب یہ تھا: حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق دولت مندی پر ترک دنیا کا پردہ ڈالنا چاہیے۔ اور حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ اپنے عقائد اور اپنے سلوک روحانی کو بھی پوشیدہ رکھنا چاہیے تاکہ نااہلوں کی نظر سے مخفی رہیں۔

(حسن نظامی)

# مخالف مشائخ

جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ رکن الدین سہروردیؒ حضرت سلطان المشائخؒ سے مل گئے ہیں تو اس نے دوسرے مخالف مشائخ کی تلاش شروع کی۔ اسے معلوم ہوا کہ احمد جام کی اولاد میں ایک بزرگ شیخ شہاب الدین فرجام جمنا کے کنارے رہتے ہیں جو حضرت سلطان المشائخؒ کے بڑے مخالف ہیں۔ دوسرے مشہور بزرگ مولانا ضیاء الدین رومی ہیں جنہیں حضرتؒ سے عناد ہے۔ تیسرے شیخ نور الدین فردوسی ہیں اور وہ بھی حضرتؒ کے مخالف ہیں۔

سلطان کو معلوم ہوا کہ ان تینوں میں مولانا ضیاء الدین رومی جو شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہیں' زیادہ باا‌ثر ہیں۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان سے بیعت کرلی۔ پھر ان سے درخواست کی کہ وہ حضرت سلطان المشائخؒ کے اثر و رسوخ کو بڑھنے سے روکیں۔

مولانا ضیاء الدین رومی نے بادشاہ کے اشارے کے موافق میرے حضرتؒ کے خلاف کام کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ہمارے حضرتؒ کے مخالفین شہاب الدین فرجام اور شیخ نور الدین فردوسی کو اپنے ساتھ متحد کرلیا۔ پھر یہ مشورہ ہوا کہ حضرت سلطان المشائخؒ کو نیاز کی دعوت کے بہانے اپنے ہاں بلا کر ذلیل کیا جائے تاکہ لوگوں کی نظروں سے وہ گر جائیں اور ان کا اثر و رسوخ کم ہو جائے۔

چنانچہ شیخ نور الدین فردوسی نے اپنے تین مرید حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجے:

"میں نے حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکرؒ کی نیاز کا انتظام کیا ہے۔ حضرت اس میں شرکت کے لئے میرے ہاں تشریف لائیں۔"

جب وہ تینوں خانقاہ میں آئے تو حضرتؒ نے ان کو جواب دیا:

"چونکہ میں نے بھی آج اپنے شیخ کی نیاز کا انتظام کیا ہے' اس لئے وہاں نہیں آسکتا۔"

ا۔ سیر الاولیاء" کے مصنف امیر خورد کرمانی نے بھی لکھا ہے کہ شیخ نور الدین فردوسی کے تینوں مریدوں نے آپس میں یہ طے کرلیا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ اگر کامل ہیں تو ہمارے دل کی باتیں انہیں معلوم ہوجائیں گی۔ چنانچہ دو نے کچھ باتیں سوچیں اور ایک نے کہا کہ بزرگوں کا امتحان لینا بہت برا ہے۔ جب وہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دعوت میں نہ جانے کا عذر انہیں سنا دیا۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں ایک شخص دہی کی ہنڈیا نذر لایا۔ حضرتؒ نے وہ دہی اور چار نقرئی روپے ایک مرید کو دے کر یہ فرمایا:

"تو کھانے کی کوئی چیز چاہتا تھا اور چاندی۔ لے تیری خواہش پوری ہوئی۔"

دوسرے کے لئے آپ نے فرمایا:

"اس کو کپڑا دو۔ یہ کپڑا چاہتا ہے۔"

پھر آپ نے تیسرے سے فرمایا:

"تو ٹھیک راستے پر ہے کہ بزرگوں کا امتحان لینا تو نے پسند نہیں کیا۔"

آپ نے کچھ روپے تیسرے کو بھی مرحمت فرمائے۔

شیخ نور الدین فردوسی کے تینوں مرید حضرت سلطان المشائخ کی یہ کرامت دیکھ کر تائب ہوئے اور واپس چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

"سیر الاولیاء" میں شیخ نور الدین فردوسی کے لڑکوں کی گستاخیوں کا ایک قصہ مذکور ہے۔ وہ کشتی میں بیٹھ کر حضرتؒ کی خانقاہ کے نیچے آئے۔ وہاں کشتی روک کر حال قال کی نقلیں کرنے لگے۔ وہ سب رقص کرتے تھے اور غل مچاتے تھے۔ ان کا مقصد حضرت کی مجلس سماع (قوالی) کی تضحیک تھی۔ لیکن جب ان کی کشتی حضرتؒ کی خانقاہ سے واپس اپنی خانقاہ کی طرف گئی تو وہ الٹ گئی اور وہ لڑکے ڈوب کر مر گئے۔

(حسن نظامی)

# قطب الدین خلجی کا خط

کئی ہفتے سے دہلی میں یہ چرچا تھا کہ جب سے سلطان قطب الدین خلجی شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوا ہے' میرے حضرتؒ کے خلاف روزانہ مشورے کرتا رہتا ہے کہ آپ کو دہلی سے جلاوطن کردیا جائے۔

میں آج حضرت کی مجلس میں حاضر تھا کہ سلطان کا ایک قاصد شاہی خط لے کر آیا اور مجلس کے بیچ میں کھڑے ہو کر نہایت گستاخانہ انداز سے کہا:

"تم میں شیخ نظامی الدین بدایونی کون ہے؟ سلطان کا یہ فرمان اسی کے نام ہے۔"

حضرتؒ نے اس شخص کو کچھ جواب نہ دیا۔ البتہ خواجہ سید محمد کھڑے ہوگئے اور قاصد سے کہا:

"جو خط تو لایا ہے' مجھے دے دے۔ حضرتؒ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں پیش کردیتا ہوں۔"

اس شخص نے خط خواجہ سید محمد کو دے دیا۔ انہوں نے خط کو پہلے خود پڑھا۔ پھر حضرتؒ کو سنایا۔ لکھا تھا:

"سلطان کو معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کے اصطبل میں گھوڑے سونے کی میخوں سے باندھے جاتے ہیں' حالانکہ وہ تارک دنیا ہونے کا دعوئی کرتے ہیں۔ لہٰذا یا تو وہ اس کا معقول جواب دیں ورنہ اپنے اس دنیاوی کروفر کو لے کر دہلی سے کہیں چلے جائیں۔"

یہ خط سننے کے بعد حضرتؒ نے خواجہ سید محمد سے فرمایا:

"اس خط کی پیشانی پر لکھ دو:

کجا انداختم در دل
مگر انداختم در گل[1]

(میں نے اپنے دل میں سونے کی میخ نہیں گاڑی بلکہ مٹی میں گاڑی ہے۔)

اور یہ خط قاصد کو دے دو کہ جہاں سے لایا ہے وہاں لے جائے۔"

خواجہ سید محمد نے یہ فقرہ لکھ کر خط قاصد کو دے دیا اور وہ چلا گیا۔ پھر' حضرت کچھ دیر خاموش رہے۔ اہل مجلس پر پریشانی طاری رہی کہ دیکھئے بادشاہ کی طرف سے کیا سختی پیش آتی ہے۔ یکایک حضرت کی زبان پر یہ فقرہ آگیا:

مگر انداختم در گل

اس کو حضرت نے تین بار تکرار کے ساتھ فرمایا۔

---

ا۔ سلطان کے اعتراض کے جواب میں حضرتؒ نے بہت مختصر مگر جامع جواب لکھوا دیا تھا' یعنی میں نے سونے کی میخیں اپنے دل میں نہیں گاڑیں' مٹی میں گاڑی ہیں جن پر گھوڑے پیشاب کرتے ہیں۔

"سیرالاولیاء" میں حضرتؒ کی زبانی ایک قصہ درج ہے۔ فرماتے تھے:

میں گرمی کے موسم میں کیلوک ہری کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے جایا کرتا تھا۔ مجھے روزہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ گرمی کی شدت کے سبب مجھے بہت پیاس لگی اور چکر آنے لگے۔ میں نے کچھ دیر راستے کی ایک دکان میں بیٹھ کر دم لیا۔ دل میں خیال آیا کہ کوئی سواری ہوتی تو یہ تکلیف نہ ہوتی۔ دوسرے دن میں اپنی خانقاہ میں بیٹھا تھا کہ ملک نور الدین یار پراں کے خلیفہ آئے اور ایک گھوڑی میری نذر کے لئے لائے اور یہ کہا کہ میرے مرشد نے مجھے خواب میں یہ حکم دیا ہے کہ میں یہ گھوڑی آپ کی نذر کروں۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے جواب دیا:

"مجھے میرے پیر نے اجازت نہیں دی کہ میں درویشوں سے نذر قبول کروں۔ لہٰذا میں یہ گھوڑی نہیں لے سکتا۔"

خلیفہ صاحب وہ گھوڑی لے کر واپس چلے گئے۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے مرشد حضرت شیخ العالمؒ فرماتے ہیں کہ

"بابا نظام! گھوڑی قبول کرلو۔ ہماری اجازت ہے۔"

صبح ہوئی تو خلیفہ صاحب گھوڑی لے کر پھر آئے اور کہا کہ آج رات کو پھر مجھے حکم ہوا ہے کہ گھوڑی آپ کی نذر کروں۔ میں نے جواب دیا:

"مجھے بھی اجازت مل گئی ہے۔ میں اس کو قبول کرتا ہوں۔"

اس گھوڑی کے آتے ہی امراء نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذر کرنے شروع کئے اور خود انہوں نے سونے کی میخیں لا کر گاڑیں اور میرے گھوڑے ان سے باندھے۔ میں ان گھوڑوں کو اپنا نہیں سمجھتا اور ان کی میخیں بھی میری نہیں ہیں۔

(حسن نظامی)

# شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال

سلطان کے قاصد کو گئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرتؒ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہر دیو! جاؤ۔ شیخ ضیاء الدین رومی سے کہو کہ وہ اپنے مرید بادشاہ کو سمجھائیں کہ وہ درویشوں کو نہ ستائے۔"

میں اسی وقت ضیاء الدین رومی کی خانقاہ میں گیا۔ دیکھا کہ شیخ کے لڑکے اور مرید بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں۔ سب پر ایک پریشانی کا عالم طاری ہے۔ معلوم ہوا کہ شیخ سخت بیمار ہیں۔ ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔

ایک شخص نے یہ بھی بتایا کہ شیخ کی کئی بیویاں ہیں۔ سلطان نے مرید ہونے کے بعد جو ۵ ہزار اشرفیاں بھیجی تھیں ان کی تقسیم پر بیویوں اور ان کے بچوں میں جھگڑا پیدا ہوا۔ اس کے بعد شیخ نے ایک بیوی کے ہاں کھانا کھایا اور کھاتے ہی بیمار ہوگئے۔

یہ حالت دیکھ کر میں واپس چلا آیا کیونکہ حضرتؒ کا پیغام پہنچانے کا کوئی موقع نہ تھا۔ دوسرے دن مشہور ہوا کہ شیخ ضیاء الدین رومی نے وفات پائی۔ جب حضرتؒ کی مجلس میں یہ خبر عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا:

"شیخ بہت اچھے آدمی تھے۔ مگر قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ شیخ کو بھی اسی فتنے کے امتحان میں ڈالا گیا تھا۔ ان کے لڑکے اپنے والد کے قدم بہ قدم نہ تھے۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:

"میری ایک بھانجی کو بھی اپنے شوہر کی طرف سے بہت تکلیف تھی۔ میری والدہ ماجدہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنی نواسی کو اس کے شوہر سے جدا کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اسی رات

خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپؐ نے مجھ سے طلاق کے خلاف کچھ فرمایا۔ میں نے یہ خواب والدہ صاحبہ کی خدمت میں عرض کیا۔ انہوں نے کہا اچھا ہم کچھ دن اور صبر کرتے ہیں۔ چنانچہ چند سال کے بعد میری بھانجی کی تکلیف دور ہوگئی اور دونوں میاں بیوی خوش دلی کی زندگی بسر کرنے لگے۔"

تیسرے دن شیخ رومی کا سوئم تھا۔ میرے حضرتؒ بھی اپنے حلقہ بگوشوں کے ہمراہ ان کی خانقاہ تشریف لے گئے۔ سلطان قطب الدین خلجی بھی آیا ہوا تھا۔ خانقاہ امرا' علماء' مشائخ اور عوام سے بھری ہوئی تھی۔ بادشاہ ایک جگہ بیٹھا قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ بہت سے لوگ وہاں قرآن خوانی کر رہے تھے۔

جونہی میرے حضرتؒ خانقاہ میں داخل ہوئے' مجلس کے سب چھوٹے بڑے جو قرآن خوانی میں مشغول نہ تھے' اٹھ اٹھ کر دوڑے اور میرے حضرتؒ کی قدم بوسی کرنے لگے۔ سلطان کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ سارا شہر حضرتؒ کا گرویدہ ہو رہا ہے اور بادشاہ کی موجودگی کا دباؤ کسی پر بھی نہیں۔ حالانکہ جہاں بادشاہ موجود ہوتا ہے' وہاں کوئی شخص سر اٹھا کر بادشاہ کو دیکھنے کی بھی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سارے شہر میں مشہور ہوچکی تھی کہ بادشاہ کو حضرت سلطان المشائخؒ سے بے اعتقادی ہے اور وہ آپ کے خلاف سر دربار گستاخانہ الفاظ کہتا رہتا ہے' پھر بھی حاضرین خانقاہ نے سلطان سے بالکل بے خوف ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے حضرتؒ کی تعظیم و تکریم کی۔

حضرتؒ مجلس میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ہم سب بھی ایک طرف بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ سلطان نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے کسی بڑے امیر سے کچھ کہا۔ وہ اٹھ کر حضرتؒ کے پاس آیا اور ادب سے عرض کیا:

"حضرت سلطان یہاں مجلس میں تشریف رکھتے ہیں۔ اگر آپ ان کو سلام کرنا چاہیں تو میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں۔"

میرے حضرتؒ نے نہایت وقار کے ساتھ جواب دیا:

"وہ اس وقت تلاوت قرآن میں مصروف ہیں۔ ایسی حالت میں کسی شخص کو بھی ان سے ملنا جائز نہیں ہے۔"

وہ امیر یہ ارشاد سن کر واپس چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے آہستگی سے کوئی بات بادشاہ سے کی۔

قرآن خوانی کے بعد شیخ رومی کی نیاز ہوئی۔ پھر سلطان میرے حضرتؒ کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا خانقاہ سے رخصت ہوا۔ کچھ دیر کے بعد حضرتؒ بھی واپس تشریف لے آئے۔

# بادشاہ کا قتل

چند امراء حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے جن میں امیر خسروؒ کے بھائی امیر اعز الدین علی شاہ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا:

"سلطان نے کہا ہے کہ چاند رات کو دہلی کے سب مشائخ مجھے سلام کرنے اور نئے چاند کی دعا دینے دربار میں آتے ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے کہ حضرتؒ کبھی نہیں آتے اور اپنے خادم خواجہ اقبال کو بھیج دیتے ہیں۔ اس سے بادشاہ کی توہین ہوتی ہے۔ لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ اس چاند رات کو حضرتؒ بھی نئے چاند کا سلام کرنے اور دعا دینے کے لئے دربار میں آئیں۔"

حضرتؒ نے جواب دیا:

"دعاء کے لئے خلوت درکار ہوتی ہے۔ درباروں میں جا کر دعا دینا ایک ایسی رسم ہے جس سے حضوریٔ قلب میں فرق آ جاتا ہے۔ اس سے پہلے نہ میرے بزرگ کبھی کسی بادشاہ کو دعا دینے گئے اور نہ میں نے کبھی ایسا کیا۔ اس واسطے میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہوں۔"

یہ جواب سن کر امیر خسروؒ کے بھائی نے دست بستہ عرض کیا:

"سلطان نوعمر اور ناسمجھ ہے۔ حضرتؒ سب کچھ سمجھتے ہیں اور تجربہ کار ہیں۔ حضرتؒ کے انکار سے معلوم نہیں کیسے کیسے فتنے فساد پیدا ہوں گے۔"

حضرتؒ نے امیر اعز الدین کو جواب دیا:

"ابھی چاند رات دور ہے۔ وقت آنے دو۔ دیکھا جائے گا۔"

آخر چاند رات کا دن آگیا۔ خواجہ اقبال نے آکر عرض کیا:

خواجہ اقبال : شام کو پالکی کس وقت حاضر کی جائے؟

حضرتؒ : کیوں؟

خواجہ اقبال : آج شام کو حضور دربار میں دعا دینے جائیں گے جس کا حضور نے وعدہ فرمایا تھا۔

حضرتؒ : (خفگی کے لہجے میں) میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا اور میں دربار میں نہیں جاؤں گا۔

خواجہ اقبال : پالکی عصر کے بعد حاضر کروں؟

(حضرتؒ نے تیز نگاہوں سے خواجہ اقبال کو دیکھا۔ وہ الٹے قدم وہاں سے چلے گئے۔ شام کے وقت مجلس میں حاضر ہو کر اقبال نے عرض کیا۔)

خواجہ اقبال: پالکی تیار ہے۔

حضرتؒ : لے جاؤ اس کو۔ واپس لے جاؤ۔

خواجہ اقبال : ہم سب کی جانوں پر رحم کیجئے۔ بادشاہ کا حکم ہے کہ اگر وہ خوشی سے نہ آئیں تو تلوار کے زور سے بلاؤ۔ آپ کے سینکڑوں غلام ہتھیار لے کر خانقاہ کے باہر جمع ہوئے ہیں کہ اگر سلطان کی طرف سے کچھ زیادتی ہو تو وہ اپنے سر قربان کردیں۔

حضرت : ان سے کہہ دو کہ سب اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ میرا بچانے والا ہر وقت میرے ساتھ ہے۔

آخر مجلس برخاست ہوئی۔ حضرتؒ نے مجھے، خواجہ رفیع الدین ہارون اور خواجہ سید محمد کو افطار میں شریک رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہم تینوں ٹھہر گئے۔ حضرتؒ نے افطار کے بعد نماز پڑھی۔ میں اگرچہ خفیہ طور پر اپنے گھر میں نماز پڑھا کرتا تھا لیکن کبھی حضرتؒ کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی کیونکہ حضرتؒ کی ہدایت تھی کہ ابھی اپنے مسلمان ہونے کو پوشیدہ رکھو۔ مگر آج حضرتؒ نے اشارہ کیا کہ تم بھی جماعت میں شریک ہو جانا۔ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ خواجہ سید محمد نے نماز پڑھائی۔ حضرتؒ نے مجھے اپنے برابر کھڑا کیا۔ نماز کے بعد آپ کچھ دیر وظائف میں مشغول رہے۔ اس کے بعد فرمایا:

حضرتؒ : ہردیو! تو نے دیکھا کہ سلطان نے تلوار کے زور سے مجھے بلانا چاہا تھا۔ مگر اب تک مجھے کوئی لینے نہیں آیا۔

ہردیو : (دست بستہ) وہ گجراتی لڑکا ہندو حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ چونکہ وہ حضرتؒ کا دشمن ہے اور سلطان پر اس کا زیادہ اثر ہو گیا ہے، اس لئے یہ ساری

شرارتیں اس ہندو بچے کی ہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جب تک حضور دہلی میں ہیں' وہ ہندو حکومت قائم نہیں کر سکتا۔

حضرتؒ : (متبسم ہو کر) مگر ہردیو! تم بھی تو ہندو ہو۔کیا تم علاء الدین خلجی کے خلاف نہیں تھے؟ کیا اس کے بیٹے موجودہ سلطان قطب الدین خلجی نے تمہارا ملک فتح نہیں کر لیا؟ کیا تمہارے دل میں انتقام کا جذبہ نہیں ہے؟

ہردیو : میں حضور کا غلام ہوچکا ہوں اور میں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا ہے۔ خسروِ خاں نے محض بناوٹی اسلام قبول کیا ہے۔ اس نے بارہا مجھ سے کہا ہے کہ یہ مسلمان باہر سے اس ملک میں آئے ہیں اور ہم ہندوؤں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ میں تجھ کو دکھا دوں گا کہ کیسی سزا ان مسلمانوں کو دی جائے گی۔ تو میں نے اس سے کہا تھا کہ تو سب ہندوؤں کو مصیبت میں نہ ڈال۔ تیری قوم کے لوگ جنگجو نہیں' ناچنے گانے والے ہیں۔ تجھ سے یہ مشکل کام نہ ہوسکے گا۔ تو اس نے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں تو حضرت کا مرید ہوگیا ہے۔ مگر میں بادشاہ کا کام تمام کرنے سے پہلے تیرے پیر کا بھی کام تمام کر دوں گا۔

جب میں یہ عرض کر چکا تو حضرت نے یہ شعر پڑھا :

حضرت : اے روبہک چرا نہ **نشستی** بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی۔ دیدی سزائے خویش

(اے لومڑی اپنی جگہ کیوں نہ بیٹھی رہی۔ شیر سے پنجہ آزمائی کو آگے بڑھی اور اپنی سزا دیکھی۔)

کچھ دیر کے بعد حضرتؒ نے ہم سب کو جانے کی اجازت دے دی۔ میں نے باہر آ کر دریافت کیا کہ سلطان کے ہاں سے کوئی شخص آیا تھا یا نہیں؟ معلوم ہوا کوئی نہیں آیا اور حضرتؒ کے سب مرید بھی جو ہتھیار لے کر آئے تھے' واپس چلے گئے۔ ہم بھی اپنے مکان پر آ کر سو گئے۔

صبح کو خبر سنی کہ آدھی رات کے وقت سلطان قطب الدین خلجی کو محل ہزار ستون کی چھت پر ہندو بچے خسروِ خاں نے قتل کردیا۔ اب وہ ناصر الدین محمد کے نام سے قطب الدین کے تخت پر بیٹھ گیا ہے۔ در پردہ ہندوؤں کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ سب امیروں پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ بڑے عہدے ہندوؤں کو دے دیئے گئے۔ فوج میں ہندوؤں کو بھرتی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خسروِ خاں نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں روپے تقسیم کئے۔ مشائخ

کرام کے پاس بھی روپے بھجوائے۔ اس نے پانچ لاکھ ٹنکہ حضرتؒ کو بھی بھیجے۔ حضرت نے فرمایا:

"ان کو لنگر میں داخل نہ کرو۔ باہر لے جاؤ اور غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دو۔ میرے سلسلے کا کوئی آدمی ایک ٹنکہ بھی نہ لے۔"

میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اب میری اور میرے ماں باپ کی خیر نہیں۔ خسرو خاں جانتا ہے کہ میں حضرتؒ کا مرید ہوں اور یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اب وہ بادشاہ ہو گیا ہے تو معلوم نہیں کیا سلوک کرے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے والد سے رائے لی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ حضرتؒ اجازت دیں تو ہمیں فوراً دہلی سے دیوگیر کی طرف چلے جانا چاہیے۔

میں حضرتؒ کے پاس اجازت لینے گیا۔ حضور نے فرمایا:

"تمہارے باپ کی رائے ٹھیک ہے۔ تم ابھی چلے جاؤ۔"

چنانچہ ہم تینوں اسی شام دہلی سے روانہ ہو گئے۔

# ہر دیو کی واپسی

جب میں دہلی سے اپنے ماں باپ کے ساتھ روانہ ہوا تو ہر وقت اور ہر جگہ یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ خسرو خاں کے آدمی میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب وہم ثابت ہوا۔ کسی نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔

علاء الدین خلجی نے دہلی سے دیوگیر تک کا راستہ بہت اچھا بنا دیا ہے۔ جگہ جگہ سرائیں بن گئی ہیں۔ راستے کے دونوں طرف ہرے بھرے درخت کھڑے ہیں۔

مجھے راستے میں ہندو مسافر دہلی آتے ہوئے بہت ملتے تھے۔ وہ سب خسرو خاں کی بادشاہی کا حال پوچھتے تھے۔ وہ سب خوش نظر آتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت دوبارہ قائم ہو گئی ہے۔ مگر مجھے راستے میں مسلمان آتے ہوئے بہت کم ملے۔ جو مسلمان ملتے بھی تھے وہ خاموش اور فکرمند معلوم ہوتے تھے۔

جب میں اپنے ملک پہنچا تو یہ دیکھا کہ سلطان قطب الدین خلجی کے آخری حملے نے میرے ملک کو ویران کردیا ہے۔ وہاں سلطان کی طرف سے ایک حاکم مقرر ہے۔ مگر دہلی کے انقلاب کی خبریں یہاں بھی پہنچ گئی ہیں۔ یہاں بعض مسلمان یہ کہتے ہیں کہ خسرو خاں مسلمان ہوگیا ہے اور اس کی حکومت بھی اسلامی حکومت ہے۔ بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ خسرو جھوٹ موٹ مسلمان ہوا۔ اس کی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ البتہ مجھے جتنے ہندو ملے وہ سب اتنے سوالات دہلی کے بارے میں مجھ سے کرتے تھے کہ میں جواب دیتے دیتے پریشان ہو جاتا تھا۔ ویسے ان ہندوؤں میں ہر ایک کا یقین تھا کہ تمام ہندستان کے ہندو خسرو خاں کو مدد دیں گے۔

دیوگیر میں ہماری جاگیر شاہی قبضے میں آچکی تھی۔ اس واسطے میں اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے ملک میں بہت مغموم رہتا تھا۔

# انقلاب کی خبر

دہلی سے آنے والے مسافروں کے ذریعے یہ خبر پہنچی کہ وہاں انقلاب آگیا ہے۔ خسرو خاں اور اس کا بھائی جاہریا قتل ہوگئے۔ ملتان کا حاکم غازی ملک اب سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے ہندوستان کا بادشاہ بن گیا ہے۔ میں نے اسے ملتان کے سفر میں دیکھا تھا۔ وہاں کے مسلمان اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ یہ تاتاری نسل سے ہے۔ اس کی ماں ہندو ہے اور اس کی بیوی جو ولیعہد ملک جونا کی ماں ہے' وہ بھی ہندو ہے۔

غازی ملک کی ناموری اور مسلمانوں میں مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ تاتاری مغلوں سے لڑنا خوب جانتا ہے اور لاکھوں مغلوں کو شکستیں دے چکا ہے۔ یہ بہت پکا مسلمان ہے۔ نماز روزے کا بہت پابند ہے۔ اگرچہ اس کو ملتان کے سہروردی مشائخ سے عقیدت ہے اور اس نے اپنا مقبرہ بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے قریب بنوایا ہے' لیکن اس کے آس پاس مولوی حضرات زیادہ رہتے ہیں جنہوں نے اسے بہت کٹر مسلمان بنا دیا ہے۔

جب میرے ماں باپ نے دہلی کے انقلاب کی خبر سنی تو کہا کہ اب ہمیں دہلی چلنا چاہیے۔ یہاں جاگیر نہیں رہی۔ گھر بار لٹ گیا۔ پھر رہنا بیکار ہے۔ میں نے بھی یہ خیال کیا کہ دہلی جا کر بادشاہ کے ہاں جاگیر کی بحالی کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کامیابی ہو۔ چنانچہ ہم سب دیوگیر سے دہلی روانہ ہوگئے۔

جب ہم آئے تھے تو ہندو دہلی کی طرف جا رہے تھے۔ اب جو دہلی کی طرف چلے تو ہندو ادھر سے واپس آ رہے تھے۔ غرض منزل بہ منزل راستہ طے کرتے ہوئے ہم دہلی پہنچے اور حضرتؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے۔ شام ہوگئی تھی اور آپ افطار کے لئے بالا خانے پر تشریف لے گئے تھے۔ خواجہ اقبال نے حضرتؒ کو ہماری آمد کی خبر دی۔ ارشاد ہوا کہ ان کے رہنے کے لئے خانقاہ

میں الگ ایک مکان دے دو کیونکہ ہردیو کی ماں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ خواجہ سید محمد سے کہو کہ ان کے آرام کا انتظام خود جا کر دیکھیں۔ چنانچہ ہم کو ایک اچھی جگہ مل گئی۔ رات کو خواجہ سید محمد نے ہمیں وہ تمام حالات سنائے جو ہمارے جانے سے لے کر اب تک پیش آئے تھے۔

دوسرے دن صبح مجلس میں تشریف لانے سے پہلے حضرتؒ نے مجھے اور میرے والد کو خلوت میں طلب فرمایا۔ ہم دونوں نے آپ کی قدم بوسی کی اور تعظیم ادا کی۔ حضرتؒ نے فرمایا:

"ہردیو! تمہارا آنا مبارک ہو۔ ہم تم کو بھولے نہیں تھے۔ یہ بتاؤ وضو کی پابندی کا کیا حال ہے؟"

میں نے عرض کیا کہ سفر کی سختیوں میں یہ پابندی نہیں ہو سکی۔ یہ سن کر حضرتؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے فرمایا:

"ہم جب پیدا ہوتے ہیں تو دنیا کا ایک کٹھن سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اس سفر کی آسانی اسی بات سے ہوتی ہے کہ ہم اپنے خالق اور اپنے مالک کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔ انسان دنیا اور دین کے کسی کام میں کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک اس کام میں اس کی توجہ یکسو نہ ہو جائے۔ مسلمانوں پر پانچوں وقت کی نماز کے لئے، رمضان کے روزوں کے لئے اور زکواۃ دینے کے لئے نیت فرض کی گئی ہے۔ یعنی یہ نیت ضروری ہے کہ میں خدا کی عبادت کے لئے نماز پڑھتا ہوں یا خدا کے لئے روزہ رکھتا ہوں یا خدا کے لئے زکواۃ دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک انسان نیت نہیں کرے گا، اس کی توجہ یکسو نہیں ہوگی۔ لہٰذا تم جو کام بھی کرو، اپنی توجہ کو یکسو رکھو۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے یہ ارشاد فرمایا:

"سلطان محمود غزنوی کا ایک بہت مقبول غلام تھا جس کو ایاز کہتے تھے۔ چونکہ تم بھی حضور سرور کائنات محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آگئے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام احمدؐ بھی تھا، اس واسطے میں تمہارا نام احمد ایاز رکھتا ہوں۔ اپنی توجہ لفظ احمد کی طرف ہمیشہ رکھو۔ جب نماز میں کھڑے ہو تو یہ خیال کرو کہ تم احمد کے الف ہو۔ رکوع میں جاؤ تو یہ سمجھو کہ احمد کی ح ہو۔ سجدے میں جاؤ تو یہ تصور کرو کہ تم احمد کی میم ہو۔ نماز میں بیٹھو تو یہ دھیان رکھو کہ تم احمد کی دال ہو۔ اور ہر وقت یہ خیال کرتے رہو کہ تم احمد ایاز ہو یعنی احمدؐ کے غلام ہو۔"

یہ تلقین سن کر میں نے تعظیم ادا کی اور دست بستہ عرض کیا:

"آج حضور نے مجھے بے زر خرید لیا۔"

میرے والد نے بھی تعظیم ادا کی اور ہاتھ باندھ کر یہ کہا:

"حضور نے میرے بیٹے کو اپنا بنا کر مجھ کو دونوں جہاں کی نعمت سے سرفراز فرما دیا۔"

جب ہم واپس قیام گاہ پر آئے تو خواجہ سید محمد، خواجہ سید موسیٰ اور مولانا احمد نیشاپوری سے روداد بیان کی۔ سبھوں نے مبارک باد دی۔ مولانا نے کہا:

"آج تمہارے ذریعے مجھ کو بھی اپنے نام احمد کے اسرار معلوم ہوگئے۔"

# علم جفر کی تعلیم

ایک دن، بعد نماز مغرب حضرتؒ نے مجھے اور خواجہ سید محمد کو خلوت میں یاد فرمایا۔ امیر خسروؔ بھی وہاں موجود تھے۔ حضرتؒ نے خواجہ محمد کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میں آج تم کو ایک بڑے علم کی حقیقت سمجھانا چاہتا ہوں۔ یہ تم جانتے ہو کہ نجوم (جوتش) اور رمل مشہور علم ہیں۔ ہندوستان میں سب لوگ نجوم کو مانتے اور جانتے ہیں۔ مگر رمل اور جفر کے نام سے یہاں لوگ واقف نہیں ہیں حالانکہ یہ دونوں علم بھی بہت پرانے ہیں اور خدا کی طرف سے ہیں۔

رمل عربی زبان میں ریت کو کہتے ہیں۔ پیغمبر حضرت ادریسؑ ریت کے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے خدا کی عبادت کر رہے تھے۔ اسی وقت خدا کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ فرشتہ ان کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کی چار انگلیاں ریت کے اندر گاڑیں اور حضرت ادریسؑ سے کہا:

> "چار انگلیوں کے دباؤ سے ریت میں جو چار گہرائیاں پیدا ہوئی ہیں، یہ ایک علم کی چار شکلیں ہیں۔ ان گہرائیوں پر نظر رکھو۔ اب میں تم کو ان چار شکلوں کی تفصیل سمجھاتا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے ان چاروں سوراخوں کے سامنے ریت پر اپنی انگلی سے لکیریں کیں اور بتایا کہ پہلی شکل کی یہ لکیریں ہیں۔ دوسری شکل کی لکیریں اور نقطے یہ ہیں۔ تیسری شکل کے نقطے اور لکیریں یہ ہیں۔ چوتھی شکل کی لکیریں اور نقطے یہ ہیں۔ پھر حضرت جبرئیلؑ نے ان شکلوں اور نقطوں سے نتیجہ نکالنے کا طریقہ حضرت ادریسؑ کو سکھایا۔ پھر آپ اس علم کے ذریعے ہر آدمی کے گزشتہ، موجودہ اور آئندہ حالات کو سمجھنے لگے۔ چونکہ حضرت جبرئیلؑ نے ریت کے ٹیلے پر حضرت ادریسؑ کو یہ علم سکھایا تھا اور ریت پر یہ شکلیں بنائی تھیں، لہٰذا اس علم

کا نام رمل رکھا گیا۔

ویسے ہی علم جفر بھی بہت پرانا اور پیغمبری علم ہے۔ یہ بھی رمل کی طرح اعداد اور حساب سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر یہ رمل سے زیادہ مشکل ہے۔ یہ دونوں علم زمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ علم نجوم آسمان سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہ آسمان کے بارہ برجوں اور سات ستاروں کی گردش کی تاثیر سمجھنے کا علم ہے۔

جب دین اسلام کا ظہور ہوا تو عرب میں نجوم اور رمل کا چرچا تھا۔ ان دونوں علم کے جاننے والے کو کاہن کہا جاتا تھا۔ عورتیں بھی یہ علم جانتی تھیں۔ انہیں کاہنہ کہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت عبدالمطلبؓ نے اپنی ایک منت پوری کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبداللہؓ کی کعبے کے سامنے قربانی دینی چاہی تو لوگوں نے انہیں جوان اور خوبصورت بیٹے کے قتل سے روکنا چاہا۔ حضرت عبدالمطلبؓ ان سب کو اور اپنے فرزند کو ساتھ لے کر مکہ کی ایک مشہور کاہنہ کے پاس گئے اور اس سے اپنی منت کا ذکر کیا۔ کاہنہ نے حضرت عبداللہؓ کو پہلے قیافے کے علم سے دیکھا، پھر رمل کا حساب کیا اور کہا:

"اس نوجوان کو نہ مارو۔ اس کے بدلے دو سو اونٹ قربان کر دو۔ کیونکہ میرے علم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کی پشت سے ایک ایسا بیٹا پیدا ہونے والا ہے جو تمام دنیا میں خدا کی روشنی پھیلا دے گا۔"

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آپؐ نے اس خیال سے کہ اہل عرب توہمات میں مبتلا تھے، رمل، نجوم، شگون اور فال وغیرہ سب چیزوں سے ہٹا کر مسلمانوں کو ایک ایسے یقینی اور صاف راستے کی طرف متوجہ کیا جس میں کسی قسم کا وہم اور شک و شبہ پیدا ہونے کا امکان نہ تھا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

"جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک اور شبہ نہ ہو اس کو اختیار کرو۔"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مسلمانوں کو فال لینے اور شگون لینے سے منع فرماتے۔ جب آپؐ جنگ بدر کے لئے مدینہ سے باہر نکلے تو سقے خالی مشکیں لئے ہوئے ملے۔ وہ شہر کے باہر پانی لینے جا رہے تھے۔ مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ شہر سے نکلتے ہی خالی مشکیں ملی ہیں۔ یہ بہت بری فال ہے اور خراب شگون ہے۔ ہم کو واپس چلنا چاہیے ورنہ اس لڑائی میں ہمیں کامیابی نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خالی مشکوں کا ملنا برا شگون نہیں ہے اور یہ بری فال بھی نہیں ہے۔ کیونکہ سقے خالی مشکیں لے کر جا رہے ہیں اور پانی بھر کر بھری ہوئی مشکیں اپنے گھروں میں واپس لے کر آئیں گے' اسی طرح ہم بھی خالی ہاتھ جا رہے ہیں اور بھرے پرے واپس آئیں گے۔"

یہ سن کر مسلمان خوش ہو گئے اور ان کی ہمتیں بلند ہوگئیں اور وہ بدر کی لڑائی میں کامیاب ہوگئے حالانکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور دشمنوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اے مسلمانو! ہر چیز سے اچھا شگون لیا کرو۔ اپنی زبان سے اچھے الفاظ نکالا کرو۔ اپنی اولاد کے اچھے نام رکھا کرو۔ کیونکہ جب کوئی لفظ آدمی کی زبان سے نکلتا ہے تو اس کے پاس رہنے والے فرشتے آمین کہتے ہیں۔ پس اگر برا لفظ زبان سے نکلے گا تو فرشتوں کے آمین کہنے کے سبب اس آدمی کے لئے برائی ہو جائے گی۔ اور اچھا لفظ نکلے گا تو فرشتوں کے آمین کہنے سے اس آدمی کے لئے بھلائی ہو جائے گی۔"

یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا:

"سنو محمد! قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کوئی آدمی غیب کی بات نہیں جانتا اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس کی موت کب آئے گی اور کہاں آئے گی۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ بارش کب ہوگی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل اس کو کیا پیش آنے والا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ "اے محمدؐ! کہہ دیجئے کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا۔ اور اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو سب آفتوں سے بچا رہتا۔"

مگر اس کے ساتھ ہی قرآن مجید میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ ملک سبا کی ملکہ بلقیس کا تخت کون میرے پاس لا سکتا ہے؟ دربار کے ایک جن نے کہا کہ وہ چند گھنٹے میں تخت لاسکتا ہے۔ اس پر آپ کے وزیر آصف بن برخیا نے کہا کہ وہ پلک جھپکتے ہی تخت لا سکتے ہیں۔ چنانچہ آصف نے وہ تخت حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھ دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ انسان غیب کا علم نہیں جانتا' اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز انسان سے غائب اور غیب ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کے علم اور طاقت سے غائب ہے وہ اس کے لئے غیب ہے اور اس کا علم اس کو نہیں ہے۔ لیکن جب خدا کے دیئے ہوئے کسی علم کے ذریعے انسان کسی غیبی چیز کو جان لیتا ہے تو پھر وہ چیز اس کے لئے

غائب نہیں رہتی اور وہ اس چیز کا علم رکھنے والا کہلاتا ہے۔

قرآن میں ایسی بہت سی باتوں کا ذکر ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے بیان کیا اور جن کا علم آپؐ کو وحی کے ذریعے ہوا۔ مثلاً قرآن میں معراج کا ذکر ہے کہ آپؐ زمین سے عرش اعظم تک گئے' خدا سے ملے' جنت و دوزخ کو دیکھا اور واپس گھر آگئے اور اتنی جلدی آگئے کہ آپؐ کا بستر گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ پس یہ چیز ان سب لوگوں کے لئے غائب تھی جو اس غیب کا علم نہ رکھتے تھے۔ مگر آنحضرت ﷺ اس غیب کے عالم تھے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے آئندہ کی نسبت فرما دیا تھا کہ روم' شام اور ایران مسلمان فتح کرلیں گے حالانکہ یہ اس وقت فرمایا تھا جب کہ کوئی ظاہری طاقت اتنے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرنے کی مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ تھی۔ یا جس وقت آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں قید ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا شروع کیا تو حضرت عباسؓ نے کہا:

"اے محمدؐ! تم کو معلوم ہے کہ تمہارا چچا بہت مفلس ہے۔ اس کے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں ہے۔"

آپؐ نے مدینے میں بیٹھے بیٹھے فرمایا:

"چچا! مکہ میں آپ کے گھر کے اندر فلاں جگہ تھیلی میں اتنا سونا رکھا ہے۔"

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ فوراً مسلمان ہوگئے اور انہوں نے کہا:

"اس سونے کی خبر میرے سوا اور کسی کو نہیں تھی۔ تم یقیناً سچے پیغبر ہو جو تم کو اس سونے کی خبر ہوگئی۔"

اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایک ایسا علم جانتے تھے جو دوسروں سے غائب اور غیب تھا۔ اور آپؐ ہی اس غیب کے عالم تھے۔ اسی طرح کفار چند مسلمانوں کو دھوکے سے مکہ لے گئے اور وہاں بڑی بے دردی سے ان سب کو مار ڈالا۔ مرتے وقت انہوں نے بہ آواز بلند کہا:

"السلام علیکم یا رسول اللہ! ﷺ۔"

اسی وقت آنحضرت ﷺ نے مدینے میں بیٹھے ہوئے فرمایا:

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔"

اس کے بعد آپؒ نے سب مسلمانوں سے فرمایا:

"تمہارے فلاں بھائی کے میں اس وقت شہید ہوئے۔ ان کے لئے دعا کرو اور ان کے جنازے کی نماز پڑھو۔"

الغرض اس قسم کے بے شمار واقعات قرآن مجید اور **حدیثوں** میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے علم عطا فرمائے ہیں جن کے ذریعے وہ غیب کی باتیں جان لیتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زک دینے کے لئے حضرت آدمؑ کو اسماء کا علم سکھایا تھا۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جفر، رمل اور نجوم وغیرہ علوم برحق ہیں۔ مگر خدا کے بھروسے کو چھوڑ کر ان علوم کے حساب پر بھروسہ کرنا ناجائز ہے۔ اسلام نے ان سب علوم کو جائز اور ناجائز قرار دینے سے سکوت اختیار کیا ہے۔"

میں نے حضرتؒ کی یہ تقریر سن کر عرض کیا کہ مخدوم نے رمل اور نجوم کی تشریح تو فرمائی۔ مگر یہ معلوم نہ ہوا کہ جفر کیا چیز ہے؟

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:

"میں نے تمہیں اور محمد کو اسی واسطے بلایا ہے کہ تم دونوں اور خسرو کو علم جفر سکھانا چاہتا ہوں۔ میرے دادا سید علی بخاری علم جفر کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے اس پر ایک رسالہ لکھا تھا جو میرے والد کے پاس تھا۔ اب یہ میرے پاس ہے۔ میں نے پہلے اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ جب قطب الدین خلجی میرے درپے آزار ہوا تو میں نے اس رسالے کو دیکھا۔ مجھ کو یہ عجیب و غریب علم معلوم ہوا۔ اگرچہ علم جفر کا رمل اور نجوم سے بہت کم تعلق ہے، تاہم یہ بھی اعداد کا ایک حسابی علم ہے۔ میرے دادا نے لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کو اسماء کی تعلیم دی گئی تھی۔ اسی تعلیم سے علم جفر بھی ماخوذ ہے کیونکہ اس میں بھی ناموں اور لفظوں کے اعدادی حساب سے نتائج نکالے جاتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے علم جفر کا مذکورہ رسالہ اپنے دست مبارک پر رکھ کر کہیں کہیں سے ہم سب کو سنایا۔ پھر ارشاد فرمایا:

"تم تینوں سات روز تک بعد نماز مغرب میرے پاس آیا کرو تاکہ تمہیں یہ رسالہ پڑھوا دوں اور سمجھا دوں۔"

# مجلس سماع پر حملہ

حضرتؒ نے ایک جگہ خیمہ لگوا کر قوالی کی مجلس منعقد کی۔ ہم سب خیمے کے اندر حاضر تھے اور قوالی ہو رہی تھی۔ حضرتؒ پر اور حاضرین پر ذوق و شوق کا عالم طاری تھا۔ یکایک بادشاہ کے محتسب قاضی ضیاء الدین سنامی اپنے لڑکوں اور چند ہتھیار بند سپاہیوں کے ساتھ وہاں آئے اور چیخ کر کہا:

"قوالی بند کرو۔ سلطان نے حکم دیا ہے کہ تلوار کے زور سے اس خلاف شریعت کام کو روکا جائے۔"

حضرتؒ نے اور حاضرین مجلس نے اس حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور قوالی جاری رہی۔ تب قاضی صاحب اور ان کے لڑکوں نے میانوں سے تلواریں کھینچ لیں اور پھر چیخ کر کہا:

"قوالی بند کرو ورنہ ہم ان تلواروں کے ذریعے احتساب شروع کر دیں گے۔"

حضرتؒ اور اہل مجلس نے اس پر بھی کوئی توجہ نہیں کی اور نہ جواب دیا۔ قوالی حسب موافق جاری رہی۔ تب قاضی صاحب نے تیسرا حکم دیا۔ جب اس حکم کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی تو قاضی صاحب کے لڑکوں نے حضرتؒ کو اور اہل مجلس کو فحش گالیاں دینی شروع کیں اور تلواروں سے خیمے کی رسیاں کاٹنے لگے۔

وہ سب کے سب دیوانہ وار خیمے کے چاروں طرف رسیاں کاٹتے ہوئے گشت لگا رہے تھے اور حضرتؒ نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ قوالی سن رہے تھے۔ جب قاضی صاحب، ان کے لڑکے اور سپاہی خیمے کی سب رسیاں کاٹ چکے اور انہوں نے دیکھا کہ خیمہ بغیر رسیوں کے قائم ہے اور وہ نہیں گرا تو قاضی صاحب نے چیخ کر کہا:

"مولانا نظام الدین! تم مجھے اپنی کرامت دکھاتے ہو؟ میں جانتا ہوں کہ تم خدا کے مقبول

بندے ہو۔ مگر اس وقت تم ایک گناہ کر رہے ہو اور میں گناہوں کو مٹانے کے لئے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوں۔ پھر مجھے تم یہ کرامت کیوں دکھاتے ہو؟"

یہ سن کر حضرتؒ نے اپنے دونوں ہاتھ اونچے کئے اور قوالوں کو گانے سے روک دیا۔ اس کے بعد قاضی صاحب کی طرف رخ کرکے فرمایا:

> "میں نے کوئی کرامت نہیں دکھائی۔ میں اس قوالی کے ذریعے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خدا کو یاد کر رہا تھا۔ اور خدا ہی نے اس خیمے کو رسیوں کے بغیر قائم کر رکھا ہے۔ میری کرامت کا اس میں دخل نہیں ہے۔"

یہ جواب سن کر قاضی اور ان کے لڑکے اور سپاہی واپس چلے گئے۔ حضرتؒ نے قوالوں کو حکم دیا کہ گانا شروع کرو۔ چنانچہ قوالی دوبارہ ہونے لگی۔

# قاضی ضیاء الدین کی بیماری اور موت

دوسرے دن یہ معلوم ہوا کہ قاضی ضیاء الدین سنامی کے وہ دونوں بیٹے جنھوں نے محفل قوالی کے دوران بدزبانی کی تھی اور خیمے کی رسیاں کاٹی تھیں، گھر جاتے ہی کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو کر مر گئے۔ اور قاضی صاحب بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں اور سخت بیمار ہیں۔

میرے حضرتؒ نے خانقاہ کے سب مریدوں کو حکم دیا کہ

"میں قاضی صاحب کی عیادت کے لئے جاتا ہوں۔ تم سب بھی میرے ساتھ چلو۔"

چنانچہ ہم سب حضرتؒ کی پالکی کے ساتھ روانہ ہوئے اور قاضی صاحب کے گھر پہنچے۔ گھر کے اندر اطلاع دی گئی۔ قاضی صاحب نے اپنے نوکروں سے کہا:

"میرا عمامہ لے جاؤ اور گھر کے دروازے سے میرے پلنگ تک بچھا دو اور حضرت سلطان المشائخؒ سے عرض کرو کہ اس عمامے پر حضرتؒ پاؤں رکھتے ہوئے میرے پاس تشریف لائیں۔"

مگر جب میرے حضرتؒ اندر داخل ہوئے تو آپ نے وہ عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا:

"یہ شریعت کا عمامہ ہے۔ میں اس پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔"

اس کے بعد حضرتؒ قاضی صاحب کے پلنگ کے پاس کچھ دیر کھڑے رہے۔ قاضی صاحب سکرات میں مبتلا ہو گئے اور اب ان کو ہوش نہ تھا، اس لئے حضرتؒ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ حضرتؒ باہر تشریف لے آئے اور پالکی میں بیٹھ کر خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ابھی پالکی تھوڑی دور آگے بڑھی تھی کہ قاضی صاحب کا خادم بھاگا ہوا آیا اور اس نے

کہا کہ قاضی صاحب انتقال کر گئے۔ حضرتؒ نے یہ سن کر فرمایا:

"یک ذات حامئ شریعت بود۔ افسوس آں ہم نہ ماند۔"[1]

(ایک ذات شریعت کی حمایت کرنے والی تھی۔ افسوس وہ بھی نہ رہی۔)

---

۱۔ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا۔

اخبار الاخیار (ص۔ ۱۲۱) خزینۃ الاصفیاء (جلد اول۔ ۳۲۶) بزم صوفیہ (۲۳۵)۔

# شریعت کا دربار

قاضی ضیاء الدین کی وفات کے تیسرے دن سلطان غیاث الدین تغلق کا حکم حضرتؒ کے پاس آیا:

"آپ چونکہ گانا سنتے ہیں جو شریعت میں حرام ہے۔ لہٰذا میرے دربار میں آ کر میرے مفتی اعظم سے شہر کے سب علماء کے سامنے اور میری موجودگی میں بحث کیجئے۔ اگر آپ نے گانے کا جواز ثابت کردیا تو ہم سب بھی گانا سننا شروع کردیں گے۔ ورنہ آپ کو اس گناہ سے توبہ کرنی ہوگی۔"

میرے حضرتؒ نے اس حکم کے جواب میں بادشاہ ہند کو یہ تحریر بھیجی:

"میری اور میرے بزرگوں کی عادت یہ رہی ہے کہ ہم کبھی کسی بادشاہ کے پاس نہیں گئے نہ بادشاہوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن یہ چونکہ شریعت کا دربار ہے' لہٰذا میں اکیلا اس دربار میں آؤں گا اس شرط کے ساتھ کہ بادشاہ اہل علم سے اونچی جگہ نہ بیٹھے۔ سب لوگ زمین کے فرش پر مساوی حالت میں نشست کریں۔"

سلطان تغلق نے یہ شرائط منظور کرلیں۔ چنانچہ دوسرے دن حضرتؒ گھوڑی پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ کوئی آدمی میرے ساتھ اس دربار میں نہ جائے ورنہ یہ کہا جائے گا کہ نظام الدین مریدوں کے ہجوم کے ساتھ یہاں آیا اور اس سے مفتی اعظم کو مرعوب کردیا۔ ہم سب نے ہرچند التجائیں کیں کہ ہم مجلس سے باہر رہیں گے مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں مولانا شمس الدین یحیٰ' مولانا علاء الدین نیلی' مولانا فخرالدین زرادی اور قاضی سید محی الدین کاشانی جیسے علماء موجود تھے جن کی علمی شہرت ہندوستان

کے ہر شہر میں تھی۔ وہ سب حضرتؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے بھی التجا کی کہ مجلس چونکہ علمی ہے لہٰذا ہم چاروں کو ساتھ چلنے کی اجازت دیں۔ حضرتؒ نے جواب دیا:

"نہیں! ہرگز نہیں! نظام کو شریعت کے دربار میں تنہا بلایا گیا ہے اور وہ وہاں اکیلا ہی جائے گا۔"

یہ فرما کر حضرتؒ روانہ ہوگئے۔ صرف آپ کے خادم خاص خواجہ اقبال ساتھ گئے۔ بعد ازاں، مولانا زرادی اور قاضی کاشانی سے نہ رہا گیا اور وہ بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے۔ مجھے بہت پریشانی ہوئی کہ یہ محض مناظرے کا بہانہ ہے۔ بادشاہ میرے حضرتؒ کو آزار پہنچانا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں نے خواجہ سید محمد سے کہا:

"اس وقت ہمیں حضرتؒ کا ساتھ دینا چاہیے تاکہ وہاں اگر کوئی نامناسب بات ہو تو ہم حضرت پر قربان ہو جائیں۔"

چنانچہ ہم دونوں، حضرتؒ کی بہن کے پوتے مولانا سید رفیع الدین ہارون اور خواجہ موسیٰ گھوڑے پر چڑھ کر دربار کی طرف روانہ ہو گئے۔ بقیہ لوگوں نے کہا کہ ہم کو حضرتؒ کا حکم ماننا چاہیے۔ دربار میں جانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ خانقاہ میں ٹھہرے رہے۔

آج دربار میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ شہر کے ہزاروں مسلمان جوق در جوق وہاں آ رہے تھے۔ شاہی محل کے سامنے زمین پر فرش بچھایا گیا تھا۔ صدر میں بادشاہ اپنے ہتھیار بند فوجی افسروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں طرف علماء کی صف تھی جن کے بیچ میں مفتی اعظم بیٹھے تھے۔ وہ عمامہ باندھے اور لمبا چوغہ پہنے ہوئے تھے۔ ان کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت ہوشیار اور عقل مند آدمی ہیں۔ بائیں صف میں حضرتؒ اکیلے بیٹھے تھے۔ مفتی اعظم آپ کے بالکل سامنے تھے۔

مجلس کی قطاریں بہت لمبی تھیں۔ ہم سب بھی بائیں صف میں حضرتؒ کی پشت کے پیچھے اس طرح جا کر بیٹھ گئے کہ حضرتؒ کی نظر ہم پر نہ پڑے۔ مولانا زرادی اور قاضی کاشانی ہم سے تھوڑا آگے تھے۔

جب سب لوگ مجلس میں بیٹھ چکے تو سلطان غیاث الدین نے مفتی اعظم کی طرف دیکھا۔ انہوں ے ذرا گلا صاف کرکے اور کچھ سوچ کر یوں مناظرے کا آغاز کیا:

مفتی اعظم: آپ کا نام مولانا نظام الدین ہے؟

سلطان المشائخ: ہاں!

مفتی اعظم: کیا آپ مسلمان ہیں؟

سلطان المشائخ: الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔

مفتی اعظم: کیا آپ حنفی ہیں؟

سلطان المشائخ: ہاں، میں امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کرتا ہوں اور حنفی ہوں۔

مفتی اعظم: کیا آپ گانا سنتے ہیں؟

سلطان المشائخ: ہاں، میں گانا سنتا ہوں۔

مفتی اعظم: اس گانے میں مزامیر (باجے) بھی ہوتے ہیں؟

سلطان المشائخ: کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔

مفتی اعظم: وہ گانا گھر کے اندر مخفی طریقے سے ہوتا ہے؟

سلطان المشائخ: گھر کے اندر بھی اور مجلس عام میں بھی دونوں طرح سنتا ہوں۔

مفتی اعظم: کوئی دلیل اس طرح گانا سننے کے جواز میں آپ کے پاس ہے؟

سلطان المشائخ: بخاری شریف میں صحیح حدیث موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مدینے کے انصار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور آپؐ ان کا گانا سن رہے تھے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ وہاں آگئے اور انہوں نے ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے روکا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ان لڑکیوں کو گانے بجانے سے نہ روکو کہ آج ان کی عید کا دن ہے اور ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے۔

مفتی اعظمؒ: تم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے کیا واسطہ؟ تم حنفی ہو اور ابو حنیفہؒ کا مشرب رکھتے ہو تو ابو حنیفہؒ کا قول دلیل میں پیش کرو۔

سلطان المشائخ: سبحان اللہ! میں رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتا ہوں اور تم ایک امتی کا قول مانگتے ہو۔ ابو حنیفہؒ کون تھے جن کا قول رسول اللہ ﷺ کے قول کے مقابلے میں پیش کروں۔ جو قوم رسولؐ کے قول کے مقابلے میں ایک امتی کا قول مانگتی ہے وہ اس سے نہیں ڈرتی کہ وہ جلاوطن ہو جائے، قحط میں مبتلا ہو اور اس کا شہر برباد و ویران ہو۔[1]

مفتی اعظم: (بادشاہ اور حاضرین کو اشتعال دلاتے ہوئے) خدا کی پناہ! یہ شخص حامی شریعت اور ناصر فقہ حنفی بادشاہ کی موجودگی میں امام ابو حنیفہؒ

کی توہین کرتا ہے اور کہتا ہے ابو حنیفہؒ کون تھے' حالانکہ ابھی اس نے کہا تھا کہ میں حنفی ہوں اور امام ابو حنیفہؒ کا مقلد ہوں۔

مفتی اعظم کی حکمت کارگر ہوئی۔ جتنے علماء اس کے ساتھ تھے' سب نے بگڑ بگڑ کر غصے کے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

علماء: اس نے ایک امام کی توہین کی ہے۔

آوازیں: یہ شخص مجرم ہے۔ یہ شخص گستاخ ہے۔

مفتی اعظم اور فرجام (بادشاہ سے): آپ حکم دیجئے کہ شیخ گانا سننے سے توبہ کریں اور آئندہ کبھی گانا نہ سنیں۔

سلطان المشائخ: (بادشاہ سے) آپ کو ایسا غلط حکم نہ دینا چاہیے۔

مفتی اعظم: میں اپنے اختیار سے کام لے کر تم کو روکوں گا۔

سلطان المشائخ: اپنے چند روزہ اختیارات پر گھمنڈ نہ کرو۔ وہ بہت جلد فنا ہو جائیں گے[2]۔

(بادشاہ نے یہ شور و غل سن کر مفتی اعظم اور شیخ زادہ فرجام سے کہا)

بادشاہ: غل نہ مچاؤ۔ شیخ کی دلیل کا جواب دو۔

یکایک سلطان کو خبر دی گئی کہ ملتان سے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے شیخ علم الدین سہروردیؒ تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ حضرتؒ نے بھی تعظیم دی۔ ہم سب بھی کھڑے ہو گئے۔ شیخ مجلس میں آئے اور حضرتؒ کو وہاں دیکھا تو بادشاہ سے پہلے آپؒ سے مصافحہ کیا اور حضرتؒ کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ بادشاہ شیخ سے یوں مخاطب ہوا:

بادشاہ: اس وقت شیخ نظام الدین بدایونیؒ کو مناظرے کے لئے بلایا گیا ہے۔ شیخ زادہ فرجام اور میری حکومت کے حاکم شرح نے میرے ہاں دعویٰ کیا تھا کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ گانا سنتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کے مشرب میں گانا سننا حرام ہے۔ اس لئے میں نے ان کو یہاں بلایا ہے تاکہ وہ اس دعوے کا جواب دیں جو ان کے خلاف کیا گیا ہے۔ آپ بھی ابھی حج کر کے آئے ہیں اور اسلامی ملکوں کی سیاحت بھی کی ہے۔ مجھے بتائیے کہ وہاں آپ نے کیا دیکھا؟

شیخ علم الدین: میں نے وہاں دیکھا کہ بعض مشائخ گانا سنتے ہیں اور بعض نہیں سنتے۔

بادشاہ: میں یہ سوال نہیں کرتا کہ مشائخ کیا کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ ان اسلامی ملکوں کے بادشاہ مشائخ کو گانا سننے سے روکتے ہیں یا نہیں؟

شیخ علم الدین: میں نے کسی اسلامی ملک میں کسی مسلمان بادشاہ کو گانے سے روکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میری ذاتی رائے بھی یہ ہے اور میں نے اس پر ایک کتاب بھی لکھی ہے کہ جو لوگ ذوق قلب سے گانا سنتے ہیں ان کے لئے گانا جائز ہے اور جو لوگ ہوس نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے گانا ناجائز ہے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ **لا ھلہ حلال و لغیرہ حرام** (جو لوگ گانا سننے کے اہل ہیں ان کے لئے گانا سننا حلال ہے۔ اور جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے ان کے لئے گانا سننا حرام ہے۔) میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ اور ان کے مرید و خلفاء ذوق قلب سے گانا سنتے ہیں' اس لئے ان کے لئے گانا سننا جائز ہے۔

بادشاہ: میں حکم دیتا ہوں کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کو اور ان کے مریدوں کو اور ان کے خلفاء کو گانا سننے اور گانے کی مجلسیں کرنے سے میری حکومت کا کوئی آدمی نہ روکے۔

یہ کہہ کر بادشاہ اٹھا اور حضرت شیخ علم الدین کا ہاتھ پکڑ کر اپنے محل کی طرف چلا گیا۔ مگر شیخ زادہ فرجام' مفتی اعظم اور ان کے ساتھیوں نے غل مچانا شروع کیا اور حضرتؒ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگے۔ ان کے قریب جو علماء بیٹھے تھے انہوں نے خنجر اور چھریاں نکال لیں اور حضرتؒ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھ کر مولانا فخر الدین زرادی اور قاضی سید محی الدین کاشانی پیچھے سے آگے آگئے۔ قاضی صاحب نے شیخ زادہ فرجام سے کہا:

"تجھ کو شرم نہیں آتی کہ تجھے حضرتؒ نے پالا پوسا اور لکھایا پڑھایا اور آج تو انہی کے خلاف یہ شرارتیں کر رہا ہے۔"

میں' خواجہ سید محمد' خواجہ موسیٰ اور خواجہ رفیع الدین ہارون حریفوں کی چھریاں اور خنجر دیکھ کر حضرتؒ کے سامنے کھڑے ہوگئے۔ ہم نے بھی میان سے خنجر نکال لئے۔ لیکن حضرتؒ نے ہم سب کو بھی روکا اور قاضی صاحب سے بھی فرمایا:

"کسی سے کچھ نہ کہو۔ جس برتن میں اس کے ظرف سے زیادہ چیز ڈالی جاتی ہے' وہ چیز چھلک جاتی ہے۔"

یہ سن کر حریف خاموش ہوگئے۔ حضرتؒ وہاں سے اٹھے اور خانقاہ واپس آگئے۔

---

۱۔ "سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ چار سال کے بعد شہر دہلی قحط و وبا سے واقعی تباہ ہوگیا۔ جب سلطان محمد تغلق نے اپنا دارالسلطنت دیوگیر منتقل کیا تو اس سلسلے میں علماء بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔

۲۔ بارہ روز کے بعد مفتی اعظم اپنے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ (حسن نظامی)

# رات کی مجلس

مناظرے والی رات کو حضرتؒ نے اپنی خلوت میں اپنے سب قرابت داروں کو' ہم سب کو' خاص خاص مریدوں اور خلفا کو بلوایا۔ اس وقت امیر خسروؒ اور خواجہ حسن سنجری بھی حاضر تھے۔

حضرت نے مولانا فخرالدین زرادی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

"اگرچہ میں نے اس مصلحت سے کسی کو دربار میں جانے کی اجازت نہیں دی تھی کہ یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میں اپنی شان اور دبدبہ دکھانے کے لئے دربار میں آیا ہوں۔ تاہم جو لوگ وہاں پہنچ گئے ان کی محبت اور جاں نثاری کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔ جو لوگ وہاں نہیں گئے ان کی اطاعت کی بھی میرے دل میں قدر ہے کہ انہوں نے میرا کہنا مانا۔"

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

"آنحضرت ﷺ شروع میں جوتیوں سمیت مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز آپؐ نماز پڑھا رہے تھے کہ جبرئیلؑ نے نماز کی حالت میں آپؐ سے کہا کہ آپؐ کی جوتی کے تلے میں گندگی لگی ہوئی ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے اپنی جوتی اتار دی۔

آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابہؓ نے آپؐ کو جوتی اتارتے ہوئے دیکھا تو بعض نے جوتیاں اتار دیں اور بعض نے نہیں اتاریں۔ جب نماز ختم ہوگئی تو آپؐ نے بعض صحابہؓ سے پوچھا کہ تم نے جوتیاں کیوں اتاریں اور بعض سے پوچھا کہ تم نے جوتیاں کیوں نہیں اتاریں؟

جن لوگوں نے جوتیاں اتاری تھیں' انہوں نے جواب دیا:

"ہم نے حضورؐ کو نماز کی حالت میں جوتیاں اتارتے دیکھا۔ ہم نے بھی جوتیاں اتار ڈالیں

تاکہ آپ کی پیروی ہوجائے۔"

دوسرے لوگوں نے کہا:

"ہم نے جوتیاں اس لئے نہیں اتاریں کہ حضورؐ کے لئے کوئی خاص وحی آئی ہوگی اس لئے آپؐ نے جوتیاں اتار دیں۔ ہمارے لئے جوتیاں اتارنی ضروری نہیں۔"

دونوں کے جوابات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم دونوں حق پر ہو۔ جنہوں نے میری پیروی کا خیال کیا وہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔ جنہوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم میرے لئے خاص ہے' انہوں نے بھی ٹھیک سمجھا کیونکہ جبرئیلؑ نے مجھے بتایا تھا کہ میری جوتی کے تلے میں گندگی لگی ہوئی ہے۔"

"پس میں مولانا فخر الدین زرادی' قاضی محی الدین کاشانی' رفیع الدین ہارون' سید محمد' سید موسیٰ اور ہردیو احمد ایاز سے اس لئے خوش ہوں کہ انہوں نے اپنی جانیں مجھ پر قربان کرنے کی نیت سے میرے حکم کے خلاف دربار میں شرکت کی۔ جو لوگ نہیں گئے وہ بھی حکم کی اطاعت کا اجر حاصل کریں گے۔"

"اب میں مولانا فخر الدین سے کہتا ہوں کہ وہ سماع (قوالی) کے شرعی ثبوت کے لئے ایک کتاب لکھیں۔ آج جو کچھ دربار میں دیکھا گیا اس سے اس شہر میں میرے دشمنوں کی کثرت ثابت ہوگئی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ میرے بعد تم لوگوں کو یہ لوگ تکلیف دیں گے۔ تاہم میں تم سب کو نصیحت کرتا ہوں کہ اس دنیا کے جفا و قضا کو برداشت کرنا اور اپنے بزرگوں کے مسلک پر مضبوطی سے ثابت قدم رہنا۔"

یہ سن کر ہم سب اس قدر روئے کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ امیر خسرو کی تو یہ حالت تھی کہ وہ حضرتؒ کے قدم کو پکڑے ہوئے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے۔ ہم سب کے رخصت ہونے سے پہلے حضرتؒ نے پھر فرمایا:

"کتاب کا لکھوانا محض اتمام حجت کے لئے ہے' ورنہ ہم کو اپنے بزرگوں کی تقلید کافی ہے جو سب گانا سنتے تھے اور عام مجلس میں ذوق و شوق کے ساتھ سنتے تھے۔ چونکہ قرآن مجید میں کوئی ممانعت گانا سننے کی نہیں ہے' اس واسطے ایسی کتاب لکھنی مناسب ہے جو ان لوگوں کو مطمئن کرسکے جو ہمارے سلسلے میں نہ ہوں اور اپنے شکوک و شبہات دور کرنا چاہتے ہوں۔"[1]

---

۱۔ سلطان غیاث الدین تغلق نے حضرتؒ کو سماع کی نسبت مناظرہ کرنے کے لئے جو دربار میں بلایا تھا وہ نہایت اہم تاریخی واقعہ ہے۔ اس کے بعد حضرتؒ کے خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی نے "اصول السماع" کے نام سے کتاب عربی زبان میں لکھی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہوگیا ہے۔ (حسن نظامی)

# امیر خسرو کی بیعت کا واقعہ

مجھے اپنے باپ کے کہنے کے مطابق امیر خسرو سے یہ مشورہ لینا تھا کہ میں بادشاہ کے ہاں ملازمت کی کوشش کروں یا نہیں؟ چنانچہ میں صبح ہی صبح ان کے گھر پہنچ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ فوراً کھانا منگوایا اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ میں نے آنے کا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے کہا:

"بادشاہ غیاث الدین تغلق میرے حضور کے خلاف ہے۔ اور تم حضور کے مہمان ہو' لہٰذا وہاں تمہاری نوکری کے لئے کچھ کہنا مفید نہ ہوگا۔ البتہ ولیعہد ملک جونا الغ خان سے میں ذکر کروں گا۔ شاید اس کے ہاں کوئی جگہ مل جائے۔"

تب میں نے امیر خسرو سے دریافت کیا کہ "آپ نے حضرتؒ سے بیعت کب کی تھی؟ میں نے آپ کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں آپ نے حضرت کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی حال ہی میں بیعت کی ہے حالانکہ حضرتؒ جب اجودھن سے خلافت لے کر آئے ہیں' اس وقت آپ نے حضرتؒ کو اپنے نانا کے مکان میں ٹھہرایا تھا اور یہ واقعہ بہت پرانا ہے۔ اگر آپ حضرتؒ سے اس وقت بیعت نہیں ہوئے تھے تو ان کو اپنے ہاں ٹھہرانے کی کیا وجہ تھی؟"

تب امیر خسرو نے اپنی بیعت کا قصہ بیان کیا:

"میں حضرتؒ سے بہت چھوٹی عمر میں بیعت ہوگیا تھا۔ اس کا قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ ایک دن میرے والد امیر سیف الدین محمود مجھے اور میرے بڑے بھائی کو حضرتؒ کے پاس لے گئے۔ آپ اس زمانے میں اجودھن سے خلافت لے کر آئے تھے اور حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے مکان کے پاس رہتے تھے۔ حضرتؒ کی والدہ صاحبہ بھی اسی مکان میں تھیں۔ مکان کے

مردانہ حصے میں حضرتؒ آنے والوں سے ملتے تھے۔"

جب والد ہم دونوں بھائیوں کو لے کر مکان کے دروازے تک پہنچے تو میں نے والد سے پوچھا:

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں تم کو اور تمہارے بڑے بھائی کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونیؒ کا مرید کرانا چاہتا ہوں۔" والد نے جواب دیا۔

میں نے اپنے والد سے کہا:

"مرید کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید ارادہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ پس جب تک خود میرا ارادہ بیعت کا نہ ہو، میں کیوں مرید ہو سکتا ہوں۔" [2]

والد کو میری یہ بات سن کر تعجب ہوا۔ انہوں نے میرے بڑے بھائی سے پوچھا "تمہارا کیا ارادہ ہے؟ تمہارا چھوٹا بھائی تو مرید ہونا نہیں چاہتا۔" انہوں نے جواب دیا:

"آپ میرے باپ ہیں اور سب باپ اپنی اولاد کی بھلائی چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے مجھے مرید کرانے کا جو ارادہ کیا ہے وہ یقیناً میری بھلائی کے لئے ہے۔ میں اندر جا کر بیعت کرنی چاہتا ہوں۔"

یہ سن کر والد نے مجھ سے دوبارہ پوچھا:

"ابوالحسن! اب بتا تو بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اندر چلنا چاہتا ہے یا نہیں؟"

میں نے جواب دیا:

"مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسی جگہ دروازے پر بیٹھ جاؤں اور اندر نہ جاؤں۔ آپ بڑے بھائی کو لے کر اندر جائیے۔ اور ان کو مرید کرا دیجئے۔ میں یہاں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔"

میرا یہ جواب سن کر میرے والد مسکرائے اور میرے بڑے بھائی کو ساتھ لے کر مکان کے اندر چلے گئے۔ میں نے باہر بیٹھے بیٹھے اپنے دل میں ایک شعر موزوں کیا اور یہ سوچا کہ اگر حضرتؒ کامل ہیں تو اپنے نورِ باطن سے اس شعر کا حال معلوم کر لیں گے اور مجھے اس شعر کا جواب شعر کے ذریعے دیں گے۔ تب میں اندر جا کر حضرتؒ کا مرید ہو جاؤں گا۔ ورنہ والد اور بھائی کے ہمراہ گھر واپس چلا جاؤں گا۔ جو شعر میں نے اپنے دل میں موزوں کیا، وہ یہ تھا:

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت

کبوتر گر نشیند باز گردد

غریبے مستمندے بر در آمد

بیاید اندروں یا باز گردد

(تو ایسا بادشاہ ہے کہ اگر تیرے محل کے کنگورے پر کبوتر آن بیٹھے تو تیری برکت سے وہ باز بن جائے۔ پس ایک غریب حاجت مند تیرے دروازے پر آیا ہے۔ وہ اندر آجائے یا واپس چلا جائے۔)

میں یہ شعر موزوں کر کے چپ چاپ بیٹھا تھا۔ یکایک آپ کا ایک خادم آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا تم ترک زادے ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ یہ جواب سن کر خادم نے مجھ سے کہا:

"حضرتؒ نے مجھے حکم دیا ہے کہ دروازے کے باہر ایک ترک زادہ بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے جا کر یہ شعر پڑھ دو اور واپس چلے آؤ۔"

میں نے اس خادم سے کہا:

"پڑھو۔ حضرتؒ نے کیا شعر پڑھنے کے واسطے فرمایا ہے۔"

اس خادم نے یہ شعر میرے سامنے پڑھا:

بیاید اندروں مرد حقیقت

کہ با مایک نفس ہم راز گردد

اگر ابلہ بود آں مرد ناداں

ازاں راہے کہ آمد باز گردد

(اندر چلا آ اے حقیقت کے میدان کا مرد تاکہ ہمارا ہمراز بن جائے۔ اور اگر وہ آنے والا ناسمجھ اور نادان ہے تو جس راستے سے یہاں آیا ہے' اسی راستے سے واپس چلا جائے۔)

یہ شعر سن کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوانہ وار مکان کے اندر چلا گیا۔ میرے والد' بھائی اور حضرت سید محمد کرمانی وہاں بیٹھے تھے۔ حضرتؒ مسکرا مسکرا کر میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا:

"آجا' آجا اے مرد حقیقت اور ایک دم کے لئے ہمارا ہمراز بن جا۔"

میں نے سامنے بیٹھ کر بیعت ہونے کی درخواست کی۔ آپ نے مجھے بیعت کا شرف بخشا۔

پھر ہم اپنی قیام گاہ پر آگئے۔ چند ماہ بعد میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ان کا مرثیہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔[3]

سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم ماند
دریائے من رواں شدہ در یتیم ماند

(تلوار میرے سر سے گزر گئی اور میرے دل کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ میرا دریا بہہ گیا اور در یتیم باقی رہ گیا۔)

والد کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی میں روزانہ حضرتؒ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ایک عرصے کے بعد میں حضرتؒ کو بہت سی التجاؤں کے بعد اپنے ماموں کے مکان پر لے گیا تھا۔ اور تم نے میری کتاب کا جو ذکر کیا ہے جس میں میں نے ابھی حال میں حضرتؒ سے بیعت ہونے کی بابت لکھا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرتؒ سے ایک دفعہ بیعت کرنے کے بعد کئی دفعہ بیعت کی تجدید کی ہے۔ یعنی جب کبھی بادشاہوں کی درباری کے سبب مجھے کوئی خطرہ پیش آتا تو حضرتؒ کی خدمت میں جا کر بیعت کی تجدید کرتا تھا۔

---

۱۔ افضل الفوائد

۲۔ اس وقت حضرت امیر خسروؒ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔

۳۔ اس وقت ان کی عمر ۹ برس کی تھی۔

# خانقاہ میں ولیعہد کی حاضری

سلطان غیاث الدین تغلق کا ولیعہد ملک جونا الغ خاں کہلاتا تھا اور بادشاہ ہونے کے بعد محمد تغلق کے نام سے مشہور ہوا۔ کل جب میں امیر خسرو کے گھر گیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ بادشاہ ولیعہد ملک جونا سے ناراض ہے اور چھوٹے بیٹے محمود کو ولیعہد بنانا چاہتا ہے۔

مجھے خواجہ سید محمد نے بتایا کہ آج الغ خاں کا آدمی خواجہ اقبال کے پاس خانقاہ میں آیا تھا اور ولیعہد کی یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ حضرتؒ کی خدمت میں درویشانہ لباس پہن کر آنا چاہتا ہے تاکہ بادشاہ کو یہ شبہ نہ ہو کہ اس کا بیٹا الغ خاں سلطان کے لئے بددعاء کرانے کے واسطے وہاں آیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ بادشاہ کل شام کو چھوٹے بیٹے محمود کے ساتھ بنگالے کی مہم پر روانہ ہو گیا ہے کیونکہ وہاں سے بغاوت کی خبر آئی ہے۔

خواجہ اقبال نے حضرتؒ کی اطلاع کے بغیر الغ خاں کو تبدیل ہیئت میں آنے کی اجازت دے دی ہے اور وہ آج شام حضرتؒ کی مجلس میں آئے گا۔ پھر خواجہ سید محمد نے مجھ سے کہا:

"چلو، ہم بھی چلیں اور اس کے آنے کا تماشا دیکھیں۔"

چنانچہ ہم دونوں مجلس میں پہنچ گئے اور حضرتؒ کی زبان مبارک سے آپ کی اعلیٰ تعلیم سنتے رہے۔ یکایک کچھ درویش بہت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے وہاں آئے۔ ان میں ایک اچھی صورت کا نوجوان آدمی تھا۔ میں نے چونکہ الغ خاں کو پہلے بھی دیکھا تھا، اس لئے فوراً پہچان لیا کہ یہ ولیعہد ہے۔ وہ سب تعظیم ادا کر کے مجلس کی ایک صف میں بیٹھ گئے۔

تب حضرتؒ نے خواجہ سید محمد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ان درویشوں کو لنگر خانے میں لے جاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ درویشوں کے لنگر خانے سے جو شخص کھانا کھاتا ہے دل کی امیدیں حاصل کرتا ہے۔"

چنانچہ خواجہ صاحب ان درویشوں کو لنگر خانے میں لے گئے اور کھانا کھلایا۔ واپسی کے بعد انہوں نے نہایت ادب سے جھک کر رخصت چاہی۔ آپ نے خواجہ سید محمد سے فرمایا:

"ان درویشوں کو جانے کی اجازت دے دو۔ ایک بادشاہ آتا ہے اور دوسرا بادشاہ جاتا ہے۔"

یہ سن کر الغ خاں نے دوبارہ تعظیم ادا کی اور پچھلے قدم ہٹتا ہوا اپنے درویشوں کے ساتھ واپس چلا گیا۔ میرے اور خواجہ سید محمد کے سوا کوئی نہیں سمجھا کہ یہ درویش کون تھے اور حضرتؒ نے یہ کیا فرمایا کہ

"ایک بادشاہ آتا ہے اور دوسرا بادشاہ جاتا ہے۔"

دراصل' حضرت نے اس میں الغ خاں کے بادشاہ ہونے کی بشارت دی تھی۔ اور کسی اور آنے والے بادشاہ کا اشارہ بھی اس میں ہے۔

# بادشاہ دکن کی آمد

ابھی درویشوں کو واپس گئے ہوئے ایک گھڑی بھی نہ گزری تھی کہ حضرتؒ نے خواجہ سید محمد سے فرمایا:

"محمد! دروازے پر بادشاہ بیٹھا ہے۔ اس کو اندر لاؤ اور کھانا کھلاؤ۔"

خواجہ سید محمد اٹھ کر باہر گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ خانقاہ کے باہر ہم نے دیکھا کہ وہاں کوئی بادشاہ یا امیر نہیں ہے۔ البتہ ایک خوبصورت نوجوان میلے کچیلے اور بوسیدہ کپڑے پہنے وہاں بیٹھا تھا۔ ہم واپس آئے اور خواجہ صاحب نے دست بستہ عرض کیا کہ باہر کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے۔ حضرتؒ نے یہ سن کر کچھ نہ فرمایا۔

تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد حضرتؒ نے پھر فرمایا:

"محمد! باہر جاؤ اور بادشاہ کو اندر لاؤ اور کھانا کھلاؤ۔"

ہم دونوں پھر باہر آئے مگر وہاں اس شکستہ حال نوجوان کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے اس لڑکے سے سوال و جواب کیا۔

ہردیو : تم کون ہو؟

نوجوان : میں ایرانی امیر زادہ ہوں۔ مغلوں کے ہاتھوں میرا خاندان تباہ ہو گیا۔ میں نوکری کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ مگر کہیں نوکری نہیں ملتی۔ تین وقت سے بھوکا ہوں۔ یہ سنا تھا کہ حضرتؒ کا لنگر خانہ عام ہے اور اس سے جو شخص روٹی کھا لیتا ہے اس کی مصیبت دور ہو جاتی ہے۔ مگر میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ لنگر خانے میں جا کر کھانا مانگوں۔ لہٰذا دروازے کے باہر بیٹھ گیا کہ شاید حضرتؒ کی باطنی توجہ سے میری تکلیف دور ہو جائے۔

(ہم دونوں نے اندر جا کر عرض کیا کہ باہر ایک ایرانی لڑکا بیٹھا ہے۔ اس کے سوا وہاں کوئی بادشاہ نہیں ہے۔)

حضرتؒ : بادشاہ کو اندر لاؤ اور کھانا کھلاؤ۔ اس کو لنگر خانے میں نہ لے جاؤ۔ میرے پاس لاؤ۔

(ہم دونوں پھر باہر گئے اور لڑکے سے پوچھا۔)

ہردیو : تیرا کیا نام ہے؟

نوجوان : میرا نام حسن ہے۔

ہردیو : چل تجھ کو حضرتؒ بلاتے ہیں۔

(وہ ایرانی نوجوان ہمارے ساتھ اندر آیا۔)

حضرتؒ : بہ نشیں اے بادشاہ دکن۔

حضرتؒ : (خواجہ محمد سے) دکن کے بادشاہ کے لئے کھانا لاؤ۔

(خواجہ سید محمد لنگر خانہ گئے اور واپس آکر عرض کیا۔)

خواجہ محمد : لنگر میں اب خیر ہے۔ (یعنی کھانا ختم ہو گیا ہے۔)

حضرت : جو کچھ بچا ہو لے آؤ۔

(خواجہ محمد لنگر خانے میں گئے اور روٹیوں کے ٹوٹے ہوئے کچھ ٹکڑے ایک کپڑے میں لے کر حاضر ہوئے اور حضرتؒ کے سامنے رکھ دیئے۔ حضرتؒ نے ایک ٹکڑا اٹھایا اور لڑکے کو قریب بلا کر دیا اور فرمایا۔)

حضرتؒ : لے! یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے۔

(اس لڑکے نے حضرتؒ کے دست مبارک سے وہ ٹکڑا لے کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ پھر تعظیم ادا کر کے واپس چلا گیا۔ ہم سب حیران تھے کہ آج یہ کیا واقعات پیش آرہے ہیں۔)

---

۱۔ ہمارے حضرتؒ کا یہ قول حرف بہ حرف پورا ہوا۔ ناظرین اگلے صفحے پر پڑھیں گے کہ حسن ایرانی ایک ہندو نجومی کی وساطت سے ولیعہد جونا خان کے دربار میں پہنچا تو ایک صد سواروں کا سالار بنا دیا گیا۔ پھر ترقی کر کے ۳ اگست ۱۳۴۷ء کو ابو المظفر علاء الدین بہمن شاہ کے لقب سے دکن کا بادشاہ بن گیا اور بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

"تاریخ فرشتہ" میں مذکور ہے کہ چونکہ حسن، برہمن نجومی گنگو کا ملازم تھا، لہٰذا بادشاہ بننے کے بعد اپنے آقا گنگو برہمن کے نام پر اپنی سلطنت کا نام بہمنی سلطنت رکھا۔ لیکن برہان معاصر کے مطابق حسن نے یہ نام ایرانی بادشاہ بہمن بن اسفندیار کی نسبت سے اختیار کیا تھا۔ نیز مصنف طبقات اکبری اور مصنف ہفت اقلیم نے بھی آخر الذکر رائے کی حمایت کی ہے۔

(محمود الرحمٰن)

# اشرفیوں کی ہنڈیا

تین دن بعد میرے والد نے مجھے بتایا کہ الغ خاں کے ہاں ایک ہندو نجومی نوکر ہے جس نے ان سے یہ کہا:

"پرسوں ایک ایرانی لڑکا میرے پاس نوکری کے لئے آیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ حضرت سلطان المشائخ کے پاس بھی دعاء کے لئے گیا تھا۔ مگر انھوں نے دعاء نہ کی' روٹی کا ایک ٹکڑا مجھے دے دیا اور کہا کہ یہ دکن کی بادشاہی کا تاج ہے۔ میں نے اس لڑکے سے کہا کہ اگر تم کو ہل چلانا آتا ہو تو میں تمھیں یہ نوکری دے سکتا ہوں۔ لڑکے نے یہ ملازمت قبول کرلی۔ میں نے اسے دو بیل اور ایک ہل دیا اور زمین بتا دی کہ یہاں شام تک کام کرنا ہے۔ شام کو جب وہ لڑکا ہل بیل لے کر میرے گھر واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ہنڈیا بھی تھی۔ حسن نے وہ ہنڈیا میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے دیکھا تو وہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے ہنڈیا کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہل چلاتے وقت یہ زمین کے اندر سے نکلی ہے۔ میں نے حسن سے کہا کہ تم نے اسے اپنے پاس رکھا ہوتا۔ یہ تمہاری قسمت سے تم کو ملی ہے۔ لیکن لڑکے نے جواب دیا کہ زمین آپ کی ہے' ہل آپ کا ہے' بیل آپ کا ہے' حتیٰ کہ میں خود آپ کا نوکر ہوں' پھر بھلا میں یہ ہنڈیا کیوں کر رکھتا۔"

مجھے حسن کی دیانت داری پر حیرت ہوئی۔ فوراً نجوم کا حساب کرکے اس کی قسمت کا حال دیکھا۔ معلوم ہوا کہ یہ لڑکا بادشاہ ہونے والا ہے۔ میں نے یہ بات حسن سے کہی تو وہ ہنسا اور بولا کہ آج صبح حضرتؒ نے بھی مجھے دکن کا بادشاہ کہا تھا۔ آپ بھی ایسی بات کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور تن ڈھکنے کے لئے کپڑا چاہیے۔ بادشاہی کی مجھے ضرورت نہیں۔

میں روزانہ رات کو الغ خاں کے پاس جایا کرتا ہوں۔ چنانچہ پرسوں گیا تو ولیعہد سے حسن کا یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے مجھے فوراً لڑکے کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب میں اسے لے گیا تو

سلطان تغلق کے ولیعہد نے حسن سے چند باتیں کیں اور حکم دیا کہ اس کو فوج کے سو سپاہیوں کا سردار بنا دیا جائے اور یہ روزانہ رات کو ہماری مجلس میں آیا کرے۔"

جب میں نے اپنے والد سے یہ قصہ سنا تو ان سے کہا:

"یہ شخص ضرور ہمارے وطن کا بادشاہ ہو جائے گا۔"

پھر میرے والد نے کہا:

"میں نے نجومی کے ذریعے تیری نوکری کے لئے ولیعہد کے ہاں کوشش کی تھی۔ اس نے بتایا کہ الغ خاں نے تجھے تعمیرات کا افسر مقرر کردیا ہے۔ کل تجھے دربار میں حاضر ہو کر کام سنبھالنا ہے۔"

میں نے اپنے باپ سے کہا:

"ایسا نہ ہو حضرتؒ اس نوکری کی اجازت نہ دیں۔"

میرے باپ نے کہا:

"تو ابھی جا کر حضرتؒ سے اجازت مانگ۔ اگر وہ انکار فرمائیں گے تو میں بھی نجومی سے انکار کردوں گا۔"

میں اسی وقت خواجہ سید محمد کے پاس گیا اور انہیں ساتھ لے کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نوکری کا تذکرہ کیا۔ پھر آپ سے اجازت مانگی۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

"تم کو نوکری قبول کرنے کی اجازت ہے۔ تمہارے عروج کی پہلی سیڑھی یہ نوکری ہے۔"

# ولی عہد کا دربار

میں سلطان غیاث الدین تغلق کے ولی عہد ملک جونا کے دربار میں حاضر ہوا تو اس نے حکم دیا:

"تغلق آباد کا جو نیا قلعہ اور شہر بن رہا ہے اس کا کام تمہارے سپرد کیا جاتا ہے۔ تم کو شاہی عمارات کا شحنہ عمارت مقرر کیا جاتا ہے۔"

میں نے ولی عہد کے سامنے جھک کر تعظیم کی۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا:

"میرا نام ہردیو تھا۔ مگر حضرت سلطان المشائخؒ نے مجھے احمد ایاز نام عطا فرمایا ہے۔"

ولی عہد نے پوچھا:

"کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟"

"خدا کا شکر ہے جس نے مجھے میرے خواجہ کی برکت سے اسلام کا شرف عطا فرمایا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

یہ سن کر ولی عہد نے کہا:

"اس کو سونے کے کنگن پہناؤ اور آئندہ اس کو احمد ایاز خواجہ جہاں کہا کرو۔"

نوکروں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن ڈال دیئے گئے۔ میں نے دیکھا حسن نام کا وہ ایرانی لڑکا جسے میرے حضرتؒ نے روٹی کا ٹکڑا عطا فرمایا تھا' بہت عمدہ لباس پہنے ولی عہد کے پیچھے کھڑا ہے اور رومال سے مکھیاں اڑا رہا ہے۔

کچھ دیر کے بعد میں ولی عہد ملک جونا سے رخصت ہو کر باہر آیا۔ اس کے آدمیوں نے مجھے قلعہ اور تعمیرات کا کام سمجھایا۔ اب میں دن بھر مصروف رہتا۔ شام کو اپنے باپ کے پاس واپس آ جاتا۔ اور کبھی کبھی حضرتؒ کی مجلس میں بھی حاضری دیتا تھا۔

# باؤلی[1] بنانے کا حکم

ایک روز میں حضرتؒ کی مجلس میں حاضر تھا۔ آپ نے اپنے مقبول خلیفہ قاضی سید محی الدین کاشانی سے فرمایا:

"تم اور سید کرمانی چبوترہ یاران کے قریب ایک باؤلی بنانے کا انتظام کرو۔"

قاضی صاحب نے تعظیم ادا کرکے عرض کیا:

"احمد ایاز شاہی میر عمارت بن گیا ہے۔ اگر اسے بھی اس کام میں شریک کردیا جائے تو مناسب ہوگا۔"

حضرتؒ نے فرمایا:

"احمد ایاز پر شہر اور قلعہ بنوانے کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ تم ہر قسم کی عقل رکھتے ہو' اس لئے تم دونوں ہی یہ کام کرو۔"

یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور دست بستہ عرض کیا:

"اگر اجازت ہو تو میں شام کے وقت جب نوکری سے واپس آؤں تو باؤلی کا کام دیکھ لیا کروں۔"

ارشاد ہوا:

"نہیں! جو آنکھ اور جو عقل دنیا نے خرید لی ہے وہ ہم درویشوں کا کام نہیں کرسکتی۔"

یہ سن کر میں ڈرا کہ شاید حضرت میری شاہی نوکری قبول کرنے سے ناخوش ہیں۔ لہٰذا میں نے دوڑ کر حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور رو کر عرض کیا:

"میں نے مخدوم کی اجازت سے شاہی نوکری قبول کی ہے۔ اگر مخدوم اس سے خوش نہیں ہیں تو میں آج ہی نوکری چھوڑ دوں گا۔"

آپ نے فرمایا:

"نہیں! ہم تیری نوکری سے خوش ہیں۔ مگر حکم خدا یہی ہے کہ اب تو اہل دنیا کے کام کرے گا۔ مگر تیرا دل ہم سے جدا نہ ہوگا۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"قاضی صاحب! تم نصیر الدین محمود کو بھی اپنے ساتھ شریک کرلو۔ رفیع الدین ہارون اور سید محمد کو بھی ساتھ لے لو۔ یہ پانچ آدمی باؤلی کھدوانے اور بنوانے کا انتظام کریں۔"

---

۱۔ باؤلی ۔ بڑا پکا کنواں یا تالاب جس میں سیڑھیاں اور دریچے ہوتے ہیں۔

# حضرتؒ کے نام بادشاہ کا خط

رات دن تعمیرات کے کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے میں بہت تھک جاتا تھا۔ پھر بھی اپنے پرانے میزبان خواجہ سید محمد امام سے ضرور مل لیتا تھا۔ کبھی کبھی وہ میرے پاس آجاتے تھے۔ ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا:

"آج بنگال سے سلطان کا خط حضرتؒ کے نام ایک قاصد لایا تھا۔ اس نے گستاخانہ انداز سے لکھا تھا کہ حضرتؒ میری واپسی سے پہلے دہلی چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ دہلی آنے کے بعد ایک ایسے شخص کو دیکھوں جو انسان ہے اور انسانوں سے اپنی تعظیم کراتا ہے۔ جو حنفی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے خلاف گانا سنتا ہے اور گانے بجانے (قوالی) کی مجلسیں کھلم کھلا کرتا ہے۔"

جب میں نے یہ خط حضرتؒ کو سنایا تو آپ نے مجھے حکم دیا:

"اس خط کی پیشانی پر لکھ دو ہنوز دلی دور است۔ اور خط قاصد کو واپس دے دو کہ وہ بادشاہ کے پاس بنگال پہنچا دے۔"

یہ بات سن کر مجھے بڑا خوف ہوا اور میں دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ خواجہ سید محمد نے مجھ سے پوچھا:

"تم کیا سوچ رہے ہو۔ یہ تو بہت معمولی بات ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بادشاہ حضرتؒ کے خلاف ہے۔ چونکہ اس کو سلطنت قطب الدین خلجی سے ملی ہے اور وہ حضرتؒ کے خلاف تھا' لہٰذا غیاث الدین تغلق بھی حضرتؒ کی مخالفت کو اپنی مضبوطی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔"

تب میں نے خواجہ سید محمد سے کہا:

"جی نہیں! میں اور بات سوچ رہا ہوں۔ ایک خط ولیعہد کے پاس بھی آیا ہے۔ لکھا ہے

کہ مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ تم درویشانہ لباس میں شیخ نظام الدین بدایونیؒ کی مجلس میں گئے اور شیخ نے تم کو ہندوستان کا بادشاہ ہونے کی دعا دی۔ اور تم نے شیخ کے ایک ہندو مرید کو میر عمارت کا عہدہ دیا ہے۔ اس سے تمہاری بدخواہی ظاہر ہوتی ہے۔ آئندہ احتیاط سے کام لو ورنہ تم ولیعہدی سے محروم کردیئے جاؤ گے۔"

پھر میں نے خواجہ صاحب کو بتایا کہ اس خط کی اطلاع مجھے حسن ایرانی نے دی تھی اور کہا تھا کہ عجب نہیں "تم اب میر عمارت کے عہدے سے الگ کردیئے جاؤ۔"

اس کے بعد میں نے یہ وضاحت کی:

"پس میں یہ سوچ رہا تھا کہ حضرتؒ کے نام جو خط آیا ہے وہ بھی اسی بنا پر ہے کہ ولیعہد حضرتؒ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے اس سے یہ فرمایا تھا کہ ایک بادشاہ آتا ہے اور ایک بادشاہ جاتا ہے۔ اگر ولیعہد نے مجھے نوکری سے الگ کردیا تب بھی مجھے اور میرے ماں باپ کو حضرتؒ کا لنگر کافی ہے۔"

---

ا۔ حضرت کا یہ فقرہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں بطور کہاوت مشہور ہے۔ (حسن نظامی)

# بادشاہ کے احکامات

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ کا دوسرا حکم ولیعہد جونا خاں کے نام آیا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ ایک باؤلی بنوا رہے ہیں اور اس کام میں شاہی شہر اور قلعے کی تعمیر کے معمار بھی شیخ کے مرید میر عمارت (ہردیو) کی وجہ سے وہاں کام کرتے ہیں۔ وہ دن بھر شاہی شہر کا کام کرنے کے بعد رات کو باؤلی کا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا تم سب معماروں اور مزدوروں کو حکم دے دو کہ کوئی شخص شیخ کی باؤلی کا کام کرنے نہ جائے۔"

ولیعہد نے فوراً مجھے بلوایا اور یہ گفتگو ہوئی:

جونا خاں: کیا تم حضرتؒ کی باؤلی بنوا رہے ہو؟ کیا شہر اور قلعہ بنانے والے معمار اور مزدور بھی رات کو باؤلی بنانے جاتے ہیں۔

ہردیو: باؤلی بیشک بن رہی ہے، مگر اس کا کام حضرتؒ نے دوسرے پانچ آدمیوں کو سپرد کیا ہے۔ میرا تعلق اس سے کچھ نہیں ہے۔ بیشک میں نے حضرتؒ سے درخواست کی تھی کہ مجھے بھی اس کام میں شرکت کی سعادت حاصل ہو، مگر حضرتؒ نے اجازت نہیں دی۔ اور نہ شہر اور قلعہ بنانے والا کوئی معمار یا مزدور وہاں جاتا ہے۔

چنانچہ ولیعہد نے اپنے باپ سلطان غیاث الدین تغلق کو میرے بیان کے موافق جواب بھیج دیا۔

## حضرتؒ کی علالت

ذی الحج ۷۲۴ھ میں حضرت کچھ علیل ہوگئے۔ آپ کی عمر نوے برس کے قریب ہوچکی

تھی۔ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے آپ پہلے ہی کمزور تھے۔ لیکن اس بیماری نے آپ کو بہت ناتواں کر دیا ہے۔ میں روزانہ پابندی سے شام کے وقت حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ آپ کی بیماری اور کمزوری کو بڑھتا دیکھ کر میرا دل بیٹھ جاتا ہے۔

## بادشاہ کا تیسرا حکم

ولیعہد نے باؤلی کی تعمیر کے سلسلے میں مجھ سے صحیح حالات معلوم کرکے بادشاہ کو جو خط روانہ کیا تھا' اس کے جواب میں بنگال سے سلطان تغلق کا تیسرا حکم آیا:

"جو معمار اور مزدور ہمارے شہر اور قلعے کی تعمیر میں شریک نہیں ہیں اور شیخ نظام الدین بدایونیؒ کی باؤلی بناتے ہیں' انہیں حکم دیا جائے کہ وہ یہ باؤلی نہ بنائیں اور سارے شہر کے تاجروں کو حکم دیا جائے کہ کوئی شخص نظام الدین بدایونیؒ کے مریدوں کو تیل نہ دے تاکہ رات کے وقت روشنی کرکے باؤلی نہ بنائی جاسکے۔ اور شیخ نظام الدینؒ کو حکم دو کہ میں بنگال سے روانہ ہوگیا ہوں۔ میرے دہلی پہنچنے سے پہلے وہ وہاں سے کہیں چلے جائیں۔"

ولی عہد نے سلطان کے حکم کے بموجب معماروں اور مزدوروں کو باؤلی کی تعمیر سے روک دیا۔ تاجروں کو حکم دیا کہ کوئی شخص حضرتؒ کے مریدوں کو روشنی کے لئے تیل نہ دے۔ جونا خان نے حضرتؒ کے پاس بھی شاہی حکم بھیجا کہ بادشاہ دہلی آنے والا ہے' لہٰذا حضرتؒ دہلی سے کہیں چلے جائیں۔ حضرتؒ نے پھر وہی جواب دیا:

"ہنوز دہلی دور است!"

# پانی روشن ہو گیا

جب شاہی حکم کے بموجب دکانداروں نے حضرتؒ کے مریدوں کو تیل دینا بند کر دیا اور شہر کے معمار اور مزدور بھی اس کام سے روک دیئے گئے تو حضرتؒ نے اپنے خلفاء اور مریدوں کو حکم دیا کہ وہ سب باؤلی بنانے کا رات دن کام کریں۔ اور باؤلی میں جو پانی نکلا ہے اس کو مولانا نصیر الدین محمود کونڈوں میں بھر کر چراغ کی طرح جلائیں۔

مجھے حضرتؒ کے اس حکم کی خبر ہوئی۔ چونکہ میں حضرتؒ کا مرید ہوں' لہٰذا اپنے ان سب معماروں اور مزدوروں کو بلایا جو حضرتؒ کے مرید ہیں اور ان سے کہا:

"بادشاہ کا یہ حکم ہے اور پیر کا یہ حکم ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ چاہے نوکری جائے یا رہے' جان جائے یا رہے' میں خود حضرتؒ کی باؤلی بنانے کا کام کروں گا۔ تم میں جو شخص روزی اور جان کی خیر چاہتا ہے وہ مجھے بتا دے اور جو روزی اور جان کی پرواہ نہ کرتا ہو وہ میرے ساتھ چلے اور باؤلی بنانے کے کام میں میرے ساتھ شریک ہو۔"

سب معماروں اور مزدوروں نے جواب دیا:

"ایمان کے سامنے ہمیں اپنی جان اور روزی کی کچھ پروا نہیں ہے۔ ہم سب حضرتؒ کی باؤلی بنائیں گے اور قلعہ اور شہر کا کام ترک کردیں گے۔"

دوسرے دن سے میں اپنی نوکری پر نہیں گیا اور اپنے پیر بھائی' معماروں اور مزدورں کے ساتھ حضرتؒ کی باؤلی بنانے کے لئے آگیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ حضرتؒ کے سب چھوٹے بڑے مرید' خلیفہ اور قرابت دار باؤلی بنانے کے کام میں مشغول ہیں۔ میں بھی اپنے مزدوروں کے ساتھ کام کرنے لگا۔

حضرتؒ' مولانا نصیر الدین محمود اور قاضی سید محی الدین کاشانی وغیرہ خلفا کمریں باندھے

ہوئے معمولی مزدوروں کی طرح کام کر رہے تھے۔ جب رات ہوگئی تو مولانا نصیر الدین محمود نے حضرت" کے حکم کے بموجب باؤلی کا پانی کونڈوں میں بھر کر موٹی موٹی بتیاں ان میں ڈالیں اور ان کو روشن کیا۔ جب وہ پانی تیل کی طرح جلنے لگا تو سب لوگ حیران رہ گئے۔ چونکہ یہ حکم مولانا نصیر الدین محمود کو دیا گیا تھا اور عوام کو اس کی خبر نہیں تھی' لہٰذا جب انہوں نے پانی کو روشن کیا تو ہر ایک یہی کہتا تھا کہ پانی مولانا نصیر الدین محمود کی کرامت سے روشن ہوا۔[1]

سات دن میں باؤلی تیار ہوگئی۔ اس کے بعد میں جب اپنی نوکری پر گیا تو ولیعہد نے مجھے اپنے پاس بلا کر غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ میں نے کہا کہ حضرت" کا حکم سب مریدوں کے لئے یکساں تھا' لہٰذا مجھے اپنے پیر کے حکم کی تعمیل ضروری معلوم ہوئی۔ اب ولیعہد جو سزا تجویز کریں میں اب اس کا مستحق ہوں۔

ولی عہد میری یہ بات سن کر ہنسا اور کہنے لگا:

"میں نے اپنے باپ کے حکم کی تعمیل کردی۔ اس کے بعد میں اس معاملے میں کچھ دخل دینا نہیں چاہتا کیونکہ میں حضرت" کو حق پر سمجھتا ہوں اور اپنے باپ کو ناحق پر سمجھتا ہوں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھے حضرت" کی دعاء دینے کے سبب بادشاہ آپ سے برہم ہوا ہے۔ تم اپنا کام کرتے رہو۔ اگر بادشاہ نے دہلی آکر تمہاری غیر حاضری کی بابت کوئی باز پرس کی تو میں اس کا جواب دے دوں گا۔"

---

ا۔ دہلی میں' دہلی کے اطراف میں اور تمام ہندوستان میں ہر جگہ یہ مشہور ہے کہ حضرت مولانا نصیر الدین محمود کو اسی دن سے "چراغ دہلی" کہنے لگے جب سے انہوں نے حضرت" کے حکم سے باؤلی کا پانی روشن کیا۔ سردی کے موسم میں اس باؤلی کا پانی دودھ کی طرح سفید ہو جاتا ہے۔ اس میں سے گندھک کی بو آتی ہے۔ اس میں چاندی کی کوئی چیز ڈالی جائے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کی شکل سونے کی ہو جاتی ہے۔ اب تک ہزاروں عورتیں اس باؤلی میں آکر اولاد کے لئے نہاتی ہیں۔ (حسن نظامی)

# بادشاہ کی آمد

خبر آئی کہ سلطان غیاث الدین تغلق بنگال سے روانہ ہو کر دہلی کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ولیعہد جونا خاں نے شہر تغلق آباد اور نئے قلعہ کے آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ مجھے بلا کر یہ حکم دیا کہ شہر کے باہر تین کوس کے فاصلے پر واقع موضع افغان پور میں ایک نیا چوبی محل بادشاہ کے ٹھہرنے کے لئے بناؤں تاکہ ولی عہد اس کی دعوت کرے اور نذریں پیش کرے۔ پھر سلطان دہلی شہر میں داخل ہو اور دوسرے امراء کی دعوتیں اور نذریں قبول کرے۔

میں نے لکڑی کا یہ محل تین دن میں تیار کرا دیا۔ ولی عہد نے آ کر دیکھا تو اس کی تعمیر اور آرائش سے بہت خوش ہوا۔ الغرض ربیع الاول ۷۲۵ھ کی ابتدا میں سلطان افغان پور پہنچا اور اپنے ولی عہد کے بنوائے ہوئے چوبی محل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ جونا خان نے فوراً کھانا منگوایا اور بادشاہ کی عدم موجودگی میں جو واقعات دہلی میں پیش آئے' وہ سب عرض کئے۔

کھانے میں بادشاہ کے وہ بڑے بڑے امراء بھی شریک تھے جو سلطان کو ولی عہد جونا خان کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ بادشاہ کا چھوٹا بیٹا محمود بھی تھا جسے بادشاہ اپنے ساتھ بنگال لے گیا تھا اور اب اسے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا تھا۔ حضرت شیخ رکن الدین ملتانیؒ بھی کھانے میں مدعو تھے۔

کھانے کے بعد ولیعہد جونا الغ خاں نے مجھے بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے یہ کہا:

"یہی وہ نو مسلم ہے جو دیوگیر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ شیخ نظام الدین بدایونیؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا ہے۔ میں نے اس کو میر عمارت کا عہدہ دیا ہے۔ اس نے سلطان کی عدم موجودگی کے زمانے میں اپنے فرائض نہایت عمدگی سے انجام دیئے۔ یہ عمارت کا فن خوب جانتا ہے۔ یہ چوبی محل بھی اسی نے تین دن میں تیار کرایا ہے۔"

بادشاہ نے یہ سن کر مجھے دیکھا اور کہا:

"بیشک! یہ ہشیار آدمی ہے۔ اس نے یہ مکان بہت اچھا بنایا ہے۔ مگر یہ تو شیخ نظام الدین بدایونیؒ کا مرید ہے۔ میں نے تم کو حکم بھیجا تھا کہ شیخ کو بھی دہلی سے نکال دو اور ان کے اس مرید کو بھی نوکری سے علیحدہ کر دو۔ تم نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟"

ولی عہد جونا خاں نے بادشاہ کو اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور شیخ رکن الدین ملتانیؒ سے کہا:

"عصر کی نماز کا وقت قریب ہے۔ مخدوم باہر چل کر نماز پڑھ لیں۔ میں یہاں سلطان کی خدمت میں نذر کے ہاتھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ شیخ رکن الدینؒ بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میں بھی ولیعہد کے ساتھ باہر آیا۔ اس نے نذر کے ہاتھی منگوائے۔ چونکہ مکان نیا تھا اور اس میں فرش بھی لکڑی کا تھا' لہٰذا جیسے ہی کئی ہاتھی چوبی محل کے اندر آئے' فرش دبا اور پوری عمارت گر پڑی۔ بادشاہ' اس کا بیٹا' ولی عہد کے سب مخالف امیر اس محل کے نیچے دب گئے۔ ایک ہاتھی بھی دب گیا۔ ہم سب باہر کھڑے تھے۔

ولی عہد نے چیخنا شروع کیا۔ جلدی مزدوروں کو بلاؤ۔ رسیاں منگواؤ اور ملبہ ہٹاؤ۔ مگر مزدور وہاں قریب نہ تھے۔ وہ کافی دیر بعد جب آئے اور انہوں نے ملبہ ہٹایا تو بادشاہ' اس کا بیٹا محمود اور سب امیر مر چکے تھے۔

# بادشاہ کے مرنے کی اطلاع

خواجہ سید محمد امام بیان کرتے تھے کہ حضرتؒ چادر اوڑھے ہوئے پلنگ پر لیٹے تھے۔ اس وقت آپ کے قریب قاضی سید محی الدین کاشانی' خواجہ سید رفیع الدین ہارون' مولانا وجیہہ الدین پائلی اور مولانا اخی سراج حاضر تھے۔ میں بھی پلنگ کے پائیں بیٹھا تھا۔ اس وقت خواجہ مبشر نے حاضر ہو کر عرض کیا:

"ابھی مشہور ہوا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔"

حضرتؒ نے یہ سن کر فرمایا:

"اللہ تعالٰی کی مشیت انسانی ارادوں پر غالب رہتی ہے۔ بادشاہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اس کے دل میں شریعت کا ادب تھا۔ وہ رعایا کی آسائش کا ہمیشہ خیال رکھتا تھا۔"

خواجہ مبشر نے کہا:

"شیخ زادہ فرجام نے بادشاہ کے یہاں رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ وہ سلطان کے سامنے مردان خدا کی غیبت کیا کرتا تھا:"

حضرتؒ نے فرمایا:

"تم بھی غیبت کر رہے ہو۔ تم کیا جانو کہ شیخ زادہ غیبت کرتا تھا یا نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی برائی چاہنے والوں کی برائی نہ چاہے اور ان کے پیٹھ پیچھے ان کو برا نہ کہے۔"

اس کے بعد میرے حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:

ہر کہ مارا رنج دارد' راحتش بسیار باد
ہر گلے کز باغ عمرش بہ شگفد بے خار باد

(جو شخص مجھ کو تکلیف پہنچائے خدا اس کو راحت عطا فرمائے اور اس کے باغ زندگی میں جو پھول بھی کھلے وہ بے خار رہے۔)

## حضرتؒ نے شادی کیوں نہیں کی؟[1]

اپنے باپ کے انتقال کے تیسرے دن ولیعہد جونا الغ خان محمد تغلق کے نام سے تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ مراسم درباری سے فارغ ہو کر جب وہ خلوت میں گیا تو اس نے مجھے بھی وہاں بلا لیا۔ وہاں حضرت ''شیخ رکن الدین ملتانیؒ'' بھی موجود تھے۔ سلطان نے مجھ سے قلعہ کی بقیہ تعمیرات کے متعلق کچھ باتیں دریافت کرنے کے بعد کہا:

''تم کئی سال سے حضرت سلطان المشائخؒ کے پاس رہتے ہو۔ کیا تم کو اس کی وجہ معلوم ہے کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟''

میں نے بادشاہ کو جواب دیا کہ ''مجھے یہ بات معلوم نہیں اور میں نے کسی سے اس کے بارے میں کچھ سنا نہیں۔''

سلطان کے پاس کوئی اجنبی بیٹھا تھا جسے میں نے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ اس نے نہایت گستاخانہ انداز سے کہا:

''وہ ہندوؤں کے دلدادہ ہیں۔ ان کے مقبول مرید کی ماں ہندو ہے۔ اور بھی بہت سے ہندو ان کے مرید ہیں۔ وہ ہندوؤں کی ہمیشہ حمایت کرتے رہتے ہیں۔ علاء الدین خلجی نے جن ہندو جاسوسوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا' انہوں نے سفارش کرکے ان کو چھڑوا دیا تھا۔ سنا ہے وہ گوشت بھی نہیں کھاتے۔ چونکہ ہندو درویش شادی نہ کرنا اچھا سمجھتے ہیں' لہٰذا انہوں نے بھی ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے شادی نہیں کی۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ نکاح کرنا میری سنت ہے۔ جس نے میری اس سنت سے منہ پھیرا وہ میری امت سے خارج ہوگیا۔''

بادشاہ کو اس شخص کی یہ باتیں بہت ناگوار ہوئیں کیونکہ اس کی ماں بھی ہندو ہے اور

بیوی بھی!۔ شیخ رکن الدینؒ نے بادشاہ کے چہرے کو دیکھ کر ناگواری کا احساس کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے سلطان سے کہا:

"میں نے حضرت شیخ نظام الدین بدایونیؒ سے اس کے متعلق تخلیہ میں بات کی تھی۔ آپ نے مجھے معقول جواب دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

"میں جانتا ہوں میرے پیر نے بھی شادی کی تھی' دادا پیر نے بھی شادی کی تھی اور پردادا پیر نے بھی شادی کی تھی۔ لیکن مجھے اپنے پیروں کی اور اپنے رسولؐ کی دوسری بہت سی سنتوں کی پیروی کرنی اس پیروی سے زیادہ ضروری معلوم ہوتی ہے۔ میں سنت نکاح سے منکر نہیں ہوں۔ لیکن جب قرآن مجید میں پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

انما اموا لکم و اولاد کم فتنہ

(تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہارے لئے فتنہ ہے)

تو مجھے خوف آتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ سنت کی پیروی کے خیال سے نکاح کروں اور خدا کے فرائض فوت ہونے لگیں اور میں اولاد کے فتنے میں مبتلا ہو کر فرائض خداوندی کو بھول جاؤں۔

میرے پیروں میں یہ کمال تھا کہ وہ کئی کئی شادیاں کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض ادا کرتے رہے۔ مگر میں نے اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھا۔"

یہ کہنے کے بعد شیخ رکن الدین ملتانیؒ نے بادشاہ سے کہا کہ جو باتیں ان صاحب نے حضرت سلطان المشائخ کے خلاف کہی ہیں' وہ سراسر بدگمانی ہیں۔ خدا نے بدگمانی کو گناہ فرمایا ہے۔

سلطان نے شیخ رکن الدینؒ سے کہا:

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ (پھر ان صاحب کی طرف مخاطب ہو کر جنہوں نے حضرتؒ کی برائی کی تھی) آئندہ ایسی بے احتیاطی کی باتیں بادشاہوں کے سامنے نہ کرنا۔"

---

ا) ۔ بعض ملفوظات میں درج ہے کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے ایک تہہ بند حضرتؒ کو عطا فرمایا۔ آپ نے کھڑے ہو کر اسے اپنے پاجامے کے اوپر باندھنا شروع کیا۔ گھبراہٹ میں تہہ بند حضرتؒ کے ہاتھ سے گر گیا۔ اس پر حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ "مولانا نظام الدینؒ تہہ بند مضبوط باندھو۔" اسی سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا کہ شیخ نے مجرد رہنے کا حکم دیا ہے۔ اسی واسطے حضرتؒ نے شادی نہیں کی۔

(حسن نظامی)

● ۔ دہلی میں حضرت ؒ شیخ العالم بابا فرید گنج شکرؒ کی ایک مرید عورت رہتی تھیں جن کا نام بی بی فاطمہ سام تھا۔ وہ بڑی عابدہ اور خدا کی مقبول بندی تھیں۔ حضرت سلطان المشائخ ان کی خدمت میں اپنے لئے دعا کرانے کے لئے کبھی کبھی جایا کرتے تھے کیونکہ مشہور تھا کہ ان کی دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں۔ ان بی بی صاحبہ نے ایک روز حضرتؒ سے کہا کہ فلاں خاندان میں ایک اچھی لڑکی میں نے دیکھی ہے۔ اگر چاہو تو تمہارے رشتے کی بات کروں۔ مگر حضرتؒ نے انکار فرمایا اور ایسے الفاظ فرمائے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ نے آپ کو شادی کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(حسن نظامی)

● خواجہ حسن علاء سنجری نے "فوائد الفواد" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے فرمایا : انسان عورتوں سے الگ رہے تو وہ بڑا صابر ہے۔ اگر صبر نہ کرسکے اور شادی کرے تو پھر شادی کے بعد عورتوں سے جو تکلیفیں پیش آتی ہیں ان پر صبر کرے۔ تیسرے، عورتوں سے ایذا اٹھانے کے بعد صبر نہ کرے اور جواب میں عورتوں کو ایذا دے تو پھر اس کے بدلے خدا کا عذاب برداشت کرے اور اس پر صبر کرے۔

(حسن نظامی)

# بادشاہ کی بیٹی سے ہردیو کی منسوب

شیخ رکن الدینؒ نے اپنے ایک مرید کو میرے پاس بھیجا کہ آج شام ان کی قیام گاہ پر آؤں۔ جب میں شیخ کے پاس گیا تو انہوں نے تخلیہ میں مجھ سے کہا:

"بادشاہ (محمد تغلق) تجھ سے اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے حضرتؒ سے دریافت کر کے مجھے کل صبح تک جواب دے تاکہ میں بادشاہ کو اطلاع دے سکوں۔"

یہ سن کر میں اپنے مکان پر آیا اور ماں باپ سے اس کا ذکر کیا۔ ان دونوں کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہی۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب حضرتؒ کی توجہ اور تاثیر ہے۔

جب میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ بالا خانے کی چھت پر تھے۔ آپ کو بخار تھا۔ خواجہ رفیع الدین ہارون، قاضی محی الدین کاشانی اور خواجہ سید محمد آپ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا:

"احمد ایاز! امیر خسرو اب تک سفر سے واپس نہیں آئے۔ وہ بادشاہ کے ساتھ بنگال گئے تھے۔ بادشاہ کی واپسی کے وقت اپنے وطن پٹیالی میں ٹھہر گئے تھے۔"

پھر میں نے حضرتؒ سے شیخ رکن الدین کا معروضہ پیش کیا۔ آپ یہ سن کر پلنگ پر بیٹھ گئے اور تبسم کے بعد فرمایا:

"تجھ کو یہ عقد مبارک ہو۔ جب میرے خلاف تو یہ سن رہا تھا کہ میں نے اس لئے شادی نہیں کی کہ میں ہندو فقراء کی پیروی کرتا ہوں جن کے یہاں فقراء کی شادی جائز نہیں ہے اور شیخ رکن الدین میری حمایت کر رہے تھے، اس وقت مشیت الٰہی سلطان محمد تغلق کے ارادے پر یہ حکم لکھ رہی تھی کہ وہ اپنی بیٹی تجھ کو دے۔ جا، میری اجازت ہے کہ میں مشیت الٰہی کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ ورنہ بادشاہوں سے رشتہ داری کرنا خدا پرست انسانوں کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔"

یہ سن کر خواجہ سید رفیع الدین ہارون نے عرض کیا:

"تو کیا جو بادشاہوں سے رشتہ داری کرتے ہیں وہ خدا پرست نہیں ہوتے؟"

حضرتؒ نے جواب دیا:

"میرے فرزند! جس خدا پرستی کا ذکر میں کرتا ہوں وہ عام خدا پرستی سے بہت اونچی خدا پرستی ہے۔"

---

ا۔ واضح رہے کہ کچھ دن بعد حضرتؒ نے پردہ فرمایا۔ امیر خسرو موجود نہ تھے۔ وفات کی خبر سن کر دہلی آئے۔

# جانشینی

حضرت سلطان المشائخؒ نے قاضی سید محی الدین کاشانی سے فرمایا:

"میں نے تقی الدین نوح کو اپنا جانشیں بنایا تھا۔ انہوں نے وفات پائی تو اب میں نے رفیع الدین کو اپنی جگہ کی تولیت دی ہے۔ وہی میرے بعد خانقاہ کی اور درویشوں کی خدمت انجام دیں گے۔"

یہ سن کر ہم سب رونے لگے۔ پھر حضرتؒ نے خواجہ سید رفیع الدین ہارون کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھ کر فرمایا:

"فرزندم! شام کو صبح کے لئے کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا۔ دشمنوں کی دشمنی کا بدلہ نہ چاہنا کیونکہ

کشندہ کشندہ بود

(جو برداشت کرلیتا ہے وہ مار ڈالتا ہے)"

اس کے بعد ہم سب کو جانے کی اجازت ملی۔ ہم سب حاضرین مجلس روتے ہوئے باہر آگئے۔

# آخری ایام

خواجہ رفیع الدین کہتے تھے کہ حضرتؒ نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔ پہلے ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے تھے۔ اب چالیس دن ہو چکے ہیں' بالکل کچھ نہیں کھاتے۔ سید حسین کرمانی نے کئی دفعہ التجائیں کیں کہ مخدوم کچھ کھائیں۔ تب بھی کچھ نہ کھایا۔ آج خواجہ اقبال نے عرض کیا تھا کہ مچھلی کا شوربہ لایا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

> "مچھلی پانی سے جدا کر کے لائے ہو۔ اور میں اس دنیا سے جدا ہو کر وہاں جانے والا ہوں جہاں سے جدا ہو کر آیا تھا۔ ایسے وقت میں مچھلی کا شوربہ نہیں کھا سکتا۔ جاؤ' اسے لے جا کر پانی میں ڈال دو۔"

خواجہ رفیع الدین نے یہ بھی کہا کہ حضرتؒ جب کبھی عام دستر خوان میں شریک ہوتے تھے تو ایسی چیزیں تناول فرماتے تھے جن میں گوشت نہ ہوتا تھا۔ خواجہ اقبال کا بیان ہے کہ میں جب سے حضرتؒ کی خدمت کرنے لگا' آپ کو کسی قسم کا گوشت کھاتے نہیں دیکھا۔ مگر آج تک کوئی شخص بھی اس بات کو نہیں جانتا کہ حضرتؒ گوشت تناول فرماتے ہیں یا نہیں کیونکہ عام دستر خوان پر جب آپ احباب کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تو کسی شخص کی یہ مجال نہیں ہوتی کہ آپ کے کھانے کی طرف دیکھے۔ مگر جو لوگ حضرتؒ کے زیادہ مقرب ہیں ان کا بیان ہے کہ آپ ہمیشہ کریلوں کی طرف رغبت فرماتے ہیں یا جنگلی کریل کے پھل کو نوش فرماتے ہیں جو نمک میں ابال کر حضرتؒ کے سامنے رکھ دیے جاتے ہیں۔

علالت کے زمانے میں حضرتؒ کا پلنگ اس حجرے میں رہتا تھا جو چبوترہ ہشت پہل کی چھت کے زینے کے درمیانی پہلو میں ہے۔

۱۷ ربیع لآخر ۷۲۵ھ سہ شنبہ کی شام کو مجھے خواجہ سید امام نے خبر بھیجی کہ حضرتؒ کا

مزاج آج زیادہ ناساز ہے۔ میں سات روز سے غیاث پور جا کر خانقاہ میں حاضری نہیں دے سکا تھا کیونکہ بادشاہ نے خفیہ طور سے اپنی لڑکی کی شادی میرے ساتھ کر دی تھی۔ تاہم میں روزانہ اپنے غلام مقبل کو خواجہ سید محمد کے پاس بھیج کر حضرتؒ کی خیریت منگا لیا کرتا تھا۔ آج علالت کی زیادتی کا حال معلوم ہوتے ہی میں نے بادشاہ سے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ بادشاہ محمد تغلق بہت دیر تک حضرتؒ کے مرض کی کیفیت دریافت کرتا رہا۔ اس نے یہ بھی پوچھا کہ علاج کا کیا انتظام ہے۔ میں نے کہا:

"حضرتؒ چار مہینے سے بیمار ہیں۔ اب چالیس دن سے آپ نے کھانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ دوا کی طرف کبھی بھی التفات نہیں فرماتے۔"

بادشاہ محمد تغلق نے کہا:

"تم وہاں جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ اگر حضرتؒ اجازت دیں تو میں شاہی طبیب کو آپ کی خدمت میں بھیجوں۔"

میں نے بادشاہ سے کہا:

"اگر سلطان شاہی طبیب کو ابھی میرے ساتھ بھیج دیں تو مناسب ہوگا تاکہ اگر حضرتؒ اجازت دیں تو علاج فوراً شروع کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور شاہی طبیب کو میرے ساتھ کردیا۔ دو غلاموں کو حکم دیا کہ وہ حضرتؒ کی خبر لے کر آئیں۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ اسے حضرتؒ کی عیادت کا ثواب حاصل کرنے کی تمنا ہے۔ اگر اجازت ہو تو وہ حاضر ہو جائے۔

میں طبیب کو لے کر رات کے وقت حاضر ہوا۔ حضرتؒ اس وقت کتب خانے کے حجرے میں تھے۔ خلفاء' مریدین اور اقرباء جمع تھے۔ آپ پر غشی کا عالم طاری تھا۔ میں نے خواجہ اقبال سے کہا کہ بادشاہ نے شاہی طبیب بھیجا ہے اور خود بھی آنا چاہتا ہے۔ خواجہ اقبال نے جواب دیا:

"آج صبح سے بے ہوشی اور غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ جب ہوش آتا ہے' حضرتؒ نماز کے لئے دریافت فرماتے ہیں کہ میں نے نماز پڑھی یا نہیں۔ ہم عرض کرتے ہیں' مخدوم نے ابھی نماز پڑھی ہے۔ تاہم حضرتؒ مکرر نماز ادا فرماتے ہیں۔ چنانچہ آج عشاء کی نماز تین دفعہ پڑھ چکے ہیں۔ ہوش کی حالت میں نماز کو پوچھتے ہیں یا یہ دریافت فرماتے ہیں کہ کوئی مہمان آیا ہو تو اس کے آرام کا انتظام کرو۔"

"ابھی حضرتؒ نے مولانا نصیر الدین محمود کو اپنی جانشینی کے تبرکات' خرقہ اور عصا وغیرہ

عطا فرمائے ہیں اور انہیں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے:

"کھانا کھلاتے رہنا کہ ہمارے پیروں نے اطعام' اخفا' اور استقامت کو ہر چیز پر مقدم رکھا ہے۔ یعنی کھانا کھلانا' اپنے باطنی اشغال کو پوشیدہ رکھنا اور اپنے بزرگوں کی پیروی میں ثابت قدم رہنا۔ میں نے اپنے شیخ سے حالت خاص میں استقامت کی دعا چاہی تھی اور آج میں تم سب کے لئے استقامت کی دعا کرتا ہوں۔"

"کل حضرتؒ نے جو کچھ لنگر میں تھا' وہ سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دیا تھا۔ آج سید حسین کرمانی سے آپ نے فرمایا:

"میں نے اقبال سے کہا تھا کوئی چیز باقی نہ رکھے۔ سب لٹا دے ورنہ تو ذمہ دار ہوگا۔ تم جاؤ اور جا کر دیکھو کہ اقبال نے سب کچھ دے دیا ہے یا کچھ باقی رکھا ہے۔"

سید حسین کرمانی نے عرض کیا:

"اقبال نے حضرتؒ کے حکم کی پوری تعمیل کی ہے۔ صرف انبار خانوں میں غلہ باقی ہے جو درویشوں کی خوراک کے لئے بچا کر رکھا ہے۔"

یہ جواب سن کر حضرتؒ برہم ہوئے اور فرمایا:

"انبار خانوں کے دروازے توڑ ڈالو اور زمین کی اس ریت (غلہ) کو لٹا دو۔"

چنانچہ اطراف کے فقیروں اور مسکینوں کو خبر دی گئی۔ وہ بہ کثرت جمع ہوگئے۔ میں نے انبار خانوں کے دروازے کھول دیئے اور فقیروں نے سب کچھ لوٹ لیا۔ میں نے حضرتؒ کے حکم کے مطابق ایک دانہ بھی باقی نہ رکھا۔"

یہ سارے واقعات سنانے کے بعد خواجہ اقبال نے مجھ سے کہا کہ حضرتؒ کسی طبیب کا علاج پسند نہیں فرماتے' لیکن میں شاہی طبیب کو اپنے ساتھ پلنگ کے قریب لے چلتا ہوں۔ چنانچہ میں اور طبیب دونوں حضرتؒ کے پلنگ کے قریب حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور عالم سکوت میں تھے۔

طبیب نے نہایت آہستگی سے نبض پر ہاتھ رکھا۔ حضرتؒ نے آنکھیں کھول دیں۔ خواجہ اقبال نے دست بستہ عرض کیا:

"سلطان محمد تغلق نے اپنے خاص طبیب کو مخدوم کے علاج کے لئے بھیجا ہے۔"

حضرتؒ نے اس کا جواب نہیں دیا اور طبیب کو دیر تک دیکھتے رہے۔ پھر آپ نے دھیمی آواز میں فرمایا:

"دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست"
(محبت کے بیمار کے لئے دیدار کے سوا اور کوئی دوا نہیں۔)

طبیب نے کہا:
"نبض کی حالت بہت اچھی ہے۔ مخدوم کوئی غذا قبول فرمائیں تو کمزوری ختم ہوجائے گی۔ سلطان کو حضرتؒ کے قدموں تک رسائی کی بڑی تمنا ہے۔"
حضرتؒ نے طبیب کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ خواجہ اقبال نے کہا کہ اگر حضرتؒ سلطان کا آنا ناپسند فرماتے تو ابھی کہہ دیتے۔ سکوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کی حاضری کو حضرتؒ ناپسند نہیں فرماتے۔ اس پر مولانا نصیرالدین محمود نے کہا:
"حضرتؒ نے ناتوانی کے سبب سکوت فرمایا ہے۔ میری رائے میں اب رات کے وقت بادشاہ کی تکلیف مناسب نہ ہوگی۔ دن کے وقت وہ چاہیں تو تشریف لا سکتے ہیں۔"
میں نے فوراً شاہی غلاموں کو بادشاہ کی خدمت میں پوری کیفیت کے ساتھ بھیج دیا۔ شاہی طبیب بھی واپس چلاگیا۔ مگر میں رات بھر حاضر رہا۔ آج پہلی رات تھی[1] کہ ہم سب حضرتؒ کے پاس رہے۔ ورنہ کسی کی مجال نہ تھی کہ رات کی خلوت میں یہاں رہ سکتا۔

---

۱۔ اور آخری بھی۔

# وصال

دوسرے دن صبح[1] نماز پڑھ کر ہم سب پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ہم نے سنا کہ حضرتؒ نے صبح کی نماز بھی کئی دفعہ پڑھی۔ پھر خواجہ سید محمد کو قریب بلا کر کان میں کچھ فرمایا۔ بعض اقربا نے عرض کیا کہ

"مخدوم کے بعد خانقاہ کا متولی کون ہوگا۔ ہم سب کی گزر اوقات کیوں کر ہوگی۔ کون مخدوم کی طرح ہم سب کو رزق تقسیم کرے گا۔"

آپ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

"میں نے رفیع الدین کو جو میری بہن کا پوتا اور خواجہ محمد کا لڑکا ہے' متولی بنا دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ وہی دوسروں کو حصہ بانٹ سکتا ہے جو خود اپنے حصے سے دست بردار ہوجائے۔ جس خدا نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا تھا **و فی السماء رزقکم** (تم سب کا رزق آسمانوں میں ہے) اسی نے مجھ عاجز بندے کے ہاتھوں اپنا آسمانی رزق تقسیم کرایا تھا اور وہی اب تم سب کو میری قبر کے قریب رہنے کی حالت میں خزانۂ غیب سے رزق بھیجتا رہے گا۔"

اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا:

"حضرت شیخ العالمؒ تشریف لائے ہیں۔ مجھے تعظیم کے لئے اٹھاؤ۔"

ہم سب آگے بڑھے کہ حضرتؒ کو سہارا دے کر اٹھائیں۔ یکایک حضرتؒ پر سکوت طاری ہوگیا اور سانس کی حرکت بند ہوگئی۔ اس وقت ہم سب نے جانا کہ سورج غروب ہوگیا حالانکہ آسمان پر آفتاب طلوع ہوچکا تھا۔ ہم سب کی حالت سکتے کی سی ہوگئی۔ جو کھڑا تھا وہ دم بخود کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ جو بیٹھا تھا' بت کی طرح بے حس و حرکت دکھائی دیتا تھا۔ سب ہی اندوہگیں اور بے قرار تھے۔ سب ہی رو رہے تھے مگر صبر و ضبط کی حد سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ یعنی چیخ چیخ کر

کوئی نہ روتا تھا۔

یکایک مشہور ہوا کہ سلطان محمد تغلق آیا ہے اور حضرت شیخ رکن الدین" ملتانی بھی آئے ہیں۔ سلطان نے حضرت" کے پلنگ کے قریب آکر چہرہ مبارک کھول کر زیارت کی اور بہت رویا۔ پھر اس نے دفن کے متعلق پوچھا کہ کہاں انتظام ہوگا۔ سید حسین کرمانی نے آگے بڑھ کر حضرت" کی وصیت کا ذکر بادشاہ سے کیا:

"حضرت" نے یاروں کے لئے جو نو چبوترے بنوائے ہیں وہاں مخلصین و مریدین نے تالاب کے چاروں طرف عمارتیں بھی بنوائی ہیں۔ جب حضرت" سے دریافت کیا گیا تھا کہ آپ کو کس عمارت میں دفن کیا جائے تو ارشاد ہوا تھا:"

"میں عمارتوں میں دفن ہونے کے قابل نہیں ہوں۔ مجھے آسمان کا گنبد کافی ہے۔"

لہٰذا ہم سب کی تجویز ہے کہ تالاب کو مٹی سے بھر دیا جائے اور وہاں حضرت" کو دفن کیا جائے۔

بادشاہ تغلق نے اس کو پسند کیا اور اسی وقت حکم دیا کہ احمد ایاز خواجہ جہاں شاہی مزدوروں کے ذریعے فوراً انتظام کرے۔ یہ سن کر میں اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر گیا اور وہاں سے مزدوروں کو لایا۔ تھوڑی دیر میں تالاب بھر دیا گیا اور وہاں لحد تیار ہوگئی۔

ظہر کے وقت تک بادشاہ خانقاہ میں حاضر رہا۔ شہر کے تمام علماء' مشائخ و امراء ہزاروں کی تعداد میں آگئے۔ پھر جنازہ خانقاہ سے اٹھایا گیا۔ حضرت" کی وصیت کے مطابق قوال جنازے کے آگے شیخ سعدی کی یہ غزل گاتے جاتے تھے:

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

میں نے دیکھا کہ مخالف علماء و مشائخ بھی جنازے کے ساتھ تھے اور سب رو رہے تھے۔ جو قوالی کے خلاف تھے وہ بھی جنازے کے ساتھ سماع سنتے ہوئے چل رہے تھے۔ بادشاہ نے بہت دور تک جنازے کو کندھا دیا۔

ظہر کی نماز کے بعد حضرت" شیخ رکن الدین سہروردی ملتانیؒ نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ دفن کے بعد بادشاہ نے حکم دیا خانقاہ کے سب درویشوں کے لئے ہماری طرف سے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ میں آگے بڑھا اور دست بستہ بادشاہ سے عرض کیا:

"حضرتؒ کی حیات مبارکہ میں خواجہ اقبال لنگر کا انتظام کرتے تھے۔ اگر یہ خدمت انہی کے سپرد ہو تو بہتر ہے۔"

بادشاہ نے خواجہ اقبال کو بلا کر دیکھا اور کہا:

"تم نے جس عمدگی سے حضرتؒ کی خدمات انجام دی ہیں' ان کا حال میں نے سنا ہے۔ اب میں لنگر کے خرچ کا انتظام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔"

خواجہ اقبال نے بادشاہ سے کہا:

"حضرتؒ کی بہن کے پوتے خواجہ سید رفیع الدین ہارون مجھ سے زیادہ اس کام کے مستحق ہیں کیونکہ حضرتؒ نے اپنی زندگی میں ان کو اپنا متولی بنایا تھا۔"

بادشاہ نے کہا:

"تم انہی کی نیابت میں کام کرو گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح حضرتؒ کے سامنے درویشوں کی خدمت ہوتی تھی' وہ کام (لنگر) اسی طرح جاری رہے۔"

بادشاہ محمد تغلق نے یہ بھی دریافت کیا کہ حضرتؒ نے اپنا روحانی جانشین کس کو بنایا ہے؟ خواجہ سید رفیع الدین نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ سعادت مولانا نصیر الدین محمود اودھی کو حاصل ہوئی ہے۔ مجھے تو صرف خانقاہ کے انتظام پر مامور فرمایا گیا ہے۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا:

"کیا تم اس کو برداشت کرو گے کہ دوسرے تمہارے حق پر قابض ہو جائیں۔"

خواجہ سید رفیع ہارون نے برجستہ جواب دیا:

"ہم سب ایک حق کے تابع ہیں اور وہ خدا کی ذات ہے۔ میرے حضرتؒ نے جس کو جس چیز کا اہل سمجھا وہی چیز اس کو عطا فرمائی۔ میرے حضرتؒ تارک دنیا تھے اور رسول اللہ ﷺ کی آل تھے۔ پس نہ آنحضرت ﷺ کے یہاں کوئی وراثت تھی نہ یہاں کوئی وراثت ہے۔ میرے حضرتؒ نے ایک تنکا بھی ترکے میں نہیں چھوڑا' بلکہ یہ فرمایا کہ جو اپنا حصہ چھوڑ دے وہی دوسروں کو حصہ بانٹنے کا حقدار ہوگا۔ پھر میں کیوں کر مولانا نصیر الدین محمود سے رشک کر سکتا ہوں۔ ان کو خاردار بستر دیا گیا ہے۔ مجھ جیسے آسائش پسند اور راحت طلب لوگ اس خار دار بستر کی برداشت کے قابل ہوتے تو مجھ کو مولانا نصیر الدین محمود سے مقدم رکھا جاتا۔"

سلطان نے یہ بات سن کر خواجہ سید رفیع الدی ہارون کو آفرین کہی اور واپس اپنے محل چلا گیا۔

حضرتؒ کی وفات چہار شنبہ (بدھ) کو ہوئی تھی۔[1] خواجہ سید محمد امام حضرت سلطان المشائخ

کی زبانی یہ روایت بیان کرتے تھے کہ حضرتؒ ماہ صفر کے آخری چہار شنبے (بدھ) کو پیدا ہوئے تھے۔ جس دن مکتب میں تعلیم کے لئے داخل ہوئے' اس دن بھی بدھ تھا۔ جس دن بدایوں سے دلی کے لئے روانہ ہوئے تو یہاں بدھ کے دن پہنچے۔ جب دلی سے اجودھن بیعت ہونے کے لئے پہنچے تو اس روز بھی بدھ تھا۔ جب خلافت ملی تو وہ بھی بدھ کا دن تھا۔

وفات کی نسبت سب کا خیال تھا کہ جمعہ کو ہوگی۔ کیونکہ آخری جمعہ کی صبح سے حضرتؒ دریافت فرما رہے تھے کہ آج کیا دن ہے؟ جب لوگ کہتے تھے کہ جمعہ ہے تو بہت خوش ہوتے تھے۔ سب کا خیال تھا کہ وفات آج ہی ہوگی۔ مگر جمعہ گزر گیا' پھر ہفتہ' اتوار' پیر اور منگل بھی گزر گیا۔ آخر آپ نے بدھ کی صبح کو چاشت کے وقت وفات پائی۔

---

۱۔ چہار شنبہ' ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ ہجری

یہ حسن اتفاق ہے یا "چہار **شنبوں**" کا تسلسل کہ "نظامی بنسری" کی یہ تلخیص بھی بروز بدھ مورخہ ۱۴ ذیقعد ۱۴۲۶ھ کو مکمل ہوئی۔ (محمود الرحمٰن)

مکرر آنکہ ۔ جب یہ خاکسار کتاب کی پروف خوانی ختم کرتے ہوئے اس صفحے پر پہنچا تو وہ بھی بدھ کا روز اور ماہ ربیع الاول ۱۴۱۷ء کی ۷ تاریخ تھی۔ مردان غیب ہی ان اسرار و رموز سے واقف ہوتے ہیں۔

(م ۔ ر)

# سوئم کی فاتحہ

آج صبح حضرتؒ کے مزار کے قریب خضر خاں کے بنائے ہوئے گنبد میں شہر کے علماء' مشائخ اور امراء سوئم کی فاتحہ کے لئے جمع ہوئے تھے۔ سلطان محمد تغلق بھی وقت سے پہلے آگیا تھا اور نیاز کے آخر تک وہاں حاضر رہا۔ اس نے حکم دیا کہ حضرتؒ کے مزار پر ایک گنبد بنایا جائے۔

شیخ نصیر الدین محمود اودھی (چراغ دہلی) نے بادشاہ سے وہی بات کہی جو تدفین کے موقع پر حضرت سید احمد کرمانی نے بیان کی تھی۔ یہ سن کر سلطان تغلق نے کہا:

"حضرتؒ کے لئے یہی زیبا تھا جو انہوں نے فرمایا اور ہمارے لئے یہ زیبا ہے کہ ہم اپنی عقیدت اور محبت کو ظاہر کریں۔ آپ نے حضرتؒ کے جو کلمات مقدس نقل کئے ہیں' ان سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے گنبد بنانے کی ممانعت فرمائی تھی۔"

یہ سن کر شیخ نصیر الدین محمود نے بادشاہ سے کہا:

"یہ معاملہ میرے مخدوم زادے خواجہ سید رفیع الدین ہارون کے اختیار میں ہے کیونکہ انہیں حضرتؒ نے اپنی ذاتی تولیت عطا فرمائی تھی۔ یا حضرتؒ کے مخدوم زادے خواجہ سید محمد امام سے دریافت کرنا چاہیے جو حضرت بابا صاحب شکر گنجؒ کے نواسے ہیں اور حضرتؒ نے انہیں بیٹا بنا کر پالا ہے اور وفات سے کچھ دیر پہلے ان کے کان میں کوئی بات کہی تھی۔"

چنانچہ سلطان دونوں کی طرف متوجہ ہوا۔ خواجہ سید رفیع الدین ہارون نے کہا کہ "میں سلطان کی رائے کو ٹھیک سمجھتا ہوں۔ ہم سب پر اظہار عقیدت فرض ہے۔" اس جواب سے سلطان بہت خوش ہوا۔ پھر اس نے میرے دوست خواجہ سید محمد کی طرف دیکھا اور کہا کہ "مجھے کوئی حق نہیں ہے کہ حضرتؒ کی سرگوشی کی نسبت کچھ دریافت کروں۔ لیکن اگر اس سرگوشی میں

کوئی اشارہ گنبد بنانے کے خلاف تھا تو آپ مجھے ہدایت کردیجئے۔"

خواجہ سید محمد امام نے جواب دیا:

"حضرتؒ نے جو کچھ میرے کان میں ارشاد فرمایا تھا وہ میری ذات کی نسبت تھا۔ گنبد بنانے یا نہ بنانے کا کوئی اشارہ اس میں نہیں تھا۔ البتہ اس سرگوشی سے پہلے سلطان کی نسبت کئی بار حضرتؒ نے ایسے الفاظ مجھ سے فرمائے تھے جو اس سے پہلے سابق کے کسی سلطان کی نسبت حضرتؒ سے نہیں سنے گئے تھے۔"

بادشاہ محمد تغلق پر خواجہ سید محمد کی بات کا بہت اثر ہوا اور اس نے کہا:

"حضرتؒ کی دعاء نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے۔"

اس کے بعد بادشاہ روانہ ہوگیا۔ میں بھی بادشاہ کے ساتھ شہر سیری آگیا۔[1]

---

۱۔ راجکمار ہردیو عرف احمد ایاز خواجہ جہاں کی کتاب "چہل روزہ" سے میں نے اپنے حضرتؒ کی نسبت جو اقتباسات لئے ہیں، وہ ختم ہو گئے۔ کتاب مذکور میں ان حالات کے علاوہ بھی بہت سی غیر متعلق چیزیں ہیں۔ مگر میں نے صرف وہی حصہ لیا ہے جس کا میرے حضرتؒ کی حیات مبارکہ سے تعلق تھا۔

(حسن نظامی)

# ضمیمہ

# کرامت سلب کرلی

راجکمار ہردیو کی کتاب کے ترجمے کے دوران مترجم خواجہ حسن نظامی نے کچھ حواشی تو مصنف کے بیان کی وضاحت کے لئے درج کئے ہیں اور بہت سارے حواشی اور اضافے موضوع کتاب کو زیادہ دقیع بنانے کے لئے اپنے طور پر شامل کئے ہیں۔ میں یہاں ایک ایسا ضمیمہ درج کر رہا ہوں جس کا ہردیو کی کتاب سے تعلق نہیں، مگر جو حضرت سلطان المشائخ کی حیات مبارکہ سے تعلق کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔

(محمود الرحمٰن)

# کرامت سلب کرلی

ایک غلط قصہ عوام میں مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ نے حضرت سلطان المشائخؒ کی کرامت سلب کر لی تھی۔ جب آپ کے محبوب مبارز خاں نے حضرت سلطان المشائخؒ کی سفارش کی، تب قلندر صاحبؒ نے کرامت واپس لے لی۔

یہ جاہلانہ قصہ گھر گھر مشہور ہو گیا ہے حالانکہ اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں۔ واقعہ صرف اتنا تھا کہ ایک دفعہ سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت قلندرؒ کو کچھ نذر بھیجنی چاہی تو چونکہ آپ سیف زبان مجذوب مشہور تھے، لہٰذا کوئی مصاحب اس کام پر راضی نہ ہوا۔ تب بادشاہ نے امیر خسروؒ کو نذر پہنچانے کا حکم دیا۔

امیر خسروؒ حضرتؒ کے پاس آئے اور اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا:

"اجازت ہے۔ نذر لے جاؤ۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ مجذوب لوگ انکار سے خفا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا قلندر صاحبؒ جو بات کہیں، اس کے جواب میں ہاں کہنا، نا نہ کہنا۔"

جب امیر خسروؒ قلندر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کی نذر سامنے رکھی تو آپ دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:

حضرت بو علیؒ: یہ کیا ہے؟

امیر خسروؒ: ہندوستان کے شہنشاہ کی نذر ہے۔ اسے قبول فرمائیے۔

حضرت بو علیؒ: (خادم سے) اٹھا لے اس کو اور لکھ دے ایک کاغذ پر کہ ہندوستان کے چوکیدار کو معلوم ہو کہ تو نے جو کچھ بھیجا ہے ہم نے لے لیا۔ (امیر خسرو

کو مخاطب کرکے) تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟

امیر خسرو: میرا نام خسرو ہے اور میں لاچین ترک ہوں۔

حضرت بو علیؒ: وہ خسرو جو غزلیں کہتا ہے؟

امیر خسرو: جی ہاں! وہی خسرو ہوں۔

حضرت بو علیؒ: اگر تو وہی خسرو ہے تو اپنی کوئی غزل سنا۔

(امیر خسرو نے اپنی ایک تازہ غزل سنائی۔)

حضرت بو علیؒ: (جھوم کر) خوب کہتا ہے۔ خوب رہے گا۔ لے سن! ہماری غزل بھی سن۔

(اپنی ایک غزل قلندر صاحبؒ نے سنائی۔ امیر خسرو یہ غزل سن کر رونے لگے۔)

حضرت بو علیؒ: روتا ہے یا کچھ سمجھتا بھی ہے؟

امیر خسرو: اسی لئے روتا ہوں کہ یہ اونچا کلام سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

(اس جواب سے حضرت قلندر صاحب بہت خوش ہوئے۔)

بو علی قلندرؒ: ہم نے تیرے پیر کو کبھی رسول اللہ ﷺ کے دربار میں نہیں دیکھا۔

یہ سن کر امیر خسرو بہت گھبرائے اس لئے کہ حضرت سلطان المشائخؒ نے چلتے وقت انہیں ہاں کہنے کا حکم دیا تھا۔ قلندر صاحب کی اس بات کا کیا جواب دوں۔ لہٰذا امیر خسرو خاموش ہو گئے۔

جب قلندر صاحب نے انہیں واپسی کی اجازت دی تو امیر خسرو دہلی آئے اور حضرتؒ سے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا:

"تم دوبارہ پانی پت جاؤ اور قلندر صاحب سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی پشت پر دیکھو۔"

چنانچہ امیر خسرو دوبارہ پانی پت گئے۔ قلندر صاحبؒ نے پوچھا:

"اب کیوں آیا ہے؟"

امیر خسرو نے جواب دیا:

"میرے پیر نے بھیجا ہے۔ آپ نے سوال کیا تھا کہ میں نے تیرے پیر کو کبھی رسول اللہ ﷺ کے دربار میں نہیں دیکھا۔ اس کا جواب میرے پیر نے دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی پشت پر دیکھو۔"

یہ سنتے ہی قلندر صاحبؒ نے جھک کر امیر خسرو کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا:

"چل! وہاں دیکھیں۔"

قلندر صاحبؒ کا یہ کہنا تھا کہ منظر بدل گیا۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ وہ قلندر صاحبؒ کا ہاتھ پکڑے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"بوعلی! میرے خیمے کی پشت پر جا۔"

قلندر صاحبؒ امیر خسرو کا ہاتھ پکڑے ہوئے درباری خیمے کی پشت پر آئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک اور چھوٹا سا خیمہ کھڑا ہے۔ اس کے اندر حضرت شیخ المشائخؒ جانماز بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسی لمحے غیبی آواز آئی:

"مولانا نظام الدین اللہ کے محبوب ہیں اور یہ خیمہ محبوبی خیمہ ہے۔"

جب حضرت سلطان المشائخؒ نماز پڑھ چکے تو قلندر صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا:

"مجھے مرید کر لیجئے۔"

حضرتؒ نے جواب دیا:

"یہ مقام راز ہے۔ بیعت مقام ظاہر میں ہوتی ہے۔"

یہ سن کر قلندر صاحبؒ نے امیر خسرو کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ معاً منظر بدل گیا۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ وہ پانی پت میں قلندر صاجب کے سامنے بیٹھے ہیں۔ قلندر صاحبؒ نے فرمایا:

"جا۔ دہلی جا۔ میں بھی تیرے پیر سے بیعت کرنے دہلی آ جاؤں گا۔"

چنانچہ حضرتؒ امیر خسرو پانی پت سے دہلی واپس آئے اور حضرتؒ سے سارا حال بیان کیا۔ حضرتؒ خانقاہ سے باہر تشریف لائے اور دریائے جمنا کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ یکایک دریا کے اندر سے ایک ہاتھ باہر نکلا۔ حضرتؒ سلطان المشائخؒ نے اس ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور کچھ دیر کے بعد اس ہاتھ پر اپنے سر مبارک کی ٹوپی اتار کر رکھ دی۔ وہ ہاتھ ٹوپی سمیت پھر دریا کے اندر چلا گیا۔ اس کے بعد حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا:

"بوعلی قلندر نے مجھ سے عالم ظاہر میں بیعت کی اور میں نے انہیں خلافت دی۔"

---

خزینۃ الاصفیاء اور اخبار الاخیار کے مطابق شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ کی ارادت اور خلافت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی طرف بھی منسوب ہے۔ (بحوالہ "بزم صوفیہ" دارالمصنفین، اعظم گڑھ' مرتبہ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن۔ ص ۲۳۵۔)

(محمود الرحمٰن)